صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلیٰ آلہٖ وسلم

مصنف

شیخ الاسلام امام جلال الدین سیوطی

مترجم

ساجد الہاشمی

ایمانِ

والدینِ مصطفیٰ

صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلیٰ الہٖ وسلم

(چھ رسائل کا ترجمہ)

مصنف

شیخ الاسلام امام جلالِ الدین سیوطی

علیہ الرحمۃ والرضوان

مترجم

ساجد الہاشمی

مکتبہ جمعیت فیض رضا

نامِ کتاب : ایمان والدینِ مُصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم

تصنیف : امام جلال الدین سیوطی علیہ الرحمہ

ترجمہ : محمد ساجد الهاشمی

تصحیح : محمد ریاض احمد سعیدی

کمپوزنگ : محمد ناصر الهاشمی

صفحات : 352

سالِ طباعت: اگست 2002ء قیمت : ---------

ناشر : مکتبہ جمعیت فیض رضا.

جامعہ قادریہ رضویہ مصطفیٰ آباد فیصل آباد فون: 0092-41-760777

ملنے کے پتے

مکتبہ جمعیت فیض رضا.

جامعہ قادریہ رضویہ مصطفیٰ آباد فیصل آباد

مکتبہ فیضان باھو. منگلا روڈ. دینہ

162 GREY ST. BURNLEY, BB10 1PX, UK.

TEL:07780665307

زاویہ فاؤنڈیشن داتا گنج بخش روڈ لاھور.

مکتبہ نوریہ رضویہ داتا گنج بخش روڈ لاھور.

شیخ الاسلام امام جلال الدین سیوطی

علیہ الرحمۃ والرضوان

محمد ریاض احمد سعیدی

دسویں صدی کے مجدد، شیخ الاسلام والمسلمین، وارث علوم سید المرسلین، خاتم الحفاظ، امام اجل، علامہ جلال الدین ابوالفضل عبدالرحمٰن بن ابی بکر بن محمد بن سابق الدین ابن الفخر عثمان ابن ناظر الدین الہمام الخضیری السیوطی علیہ الرحمہ۔

عمر رضا کحالہ نے معجم المؤلفین ج ۵ ص ۱۲۸ میں آپ کے نام کے ساتھ الطولونی المصری الشافعی کا اضافہ کیا ہے۔

آپ کا اسم گرامی عبدالرحمٰن، کنیت ابوالفضل اور لقب جلال الدین ہے۔ آپ رجب ۸۴۹ھ میں محلہ سیوط میں پیدا ہوئے۔ آپ نے خود اپنی تاریخ ولادت یہی لکھی ہے دیگر مؤرخین نے بھی اسی پر اتفاق کیا ہے، لیکن ابن ایاس اور اسمٰعیل باشا البغدادی نے جُمادیٰ اُخریٰ گمان کیا ہے۔

آپ نے یتیمی کی حالت میں نشو ونما پائی۔ آپ کے والد ۵ صفر ۸۵۵ھ پیر کی رات انتقال فرما گئے اس وقت امام جلال الدین ابھی ۶ سال کے تھے۔

آپ نے ۸ سال کی عمر سے پہلے قرآن حکیم حفظ کیا۔ پھر آپ نے عمدہ، منہاج الفقہ و الاصول اور الفیہ ابن مالک حفظ کیں۔ آپ ۱۶ سال کی عمر سے علم کے ساتھ مشغول ہو گئے۔

امام سیوطی علیہ الرحمہ نے طلب علم کے لئے بلاد شام، بلاد تکرور، حجاز، یمن، ہند، مغرب، فیوم، محلہ اور دمیاط کی طرف سفر کئے۔

علم فقہ اور نحو شیوخ کی ایک جماعت سے حاصل کئے، شیخ شہاب الدین احمد

الشارمساحی سے علم فرائض حاصل کیا۔ آپ شیخ الاسلام البلقینی سے فقہ حاصل کرتے رہے اور یہ سلسلہ تلمذ امام بلقینی کی وفات تک رہا۔ امام بلقینی کے انتقال کے بعد ان کے بیٹے سے استفادہ کیا، ۱۴ سال تک امام الوجود محی الدین کافیجی سے تفسیر، اصول، عربی اور معنیٰ کے مختلف فنون سیکھے، انہوں نے امام سیوطی کے لئے اجازت بھی تحریر فرمائی۔ شیخ الاسلام قاضی شرف الدین المناوی سے منہاج کا ایک قطعہ پڑھا۔ ۴ سال تک امام تقی الدین الحنفی سے حدیث اور عربی پڑھتے رہے امام شبلی حنفی نے علامہ جلال الدین علیہ الرحمہ کی شرح ''الفیہ ابن مالک'' پر اور جمع الجوامع پر تقریظ لکھی۔ آپ نے شیخ سیف الدین محمد بن محمد الحنفی سے بھی استفادہ کیا۔

آپ نے اپنے شیوخ کی تعداد ۱۵۰ سے زائد لکھی ہے، جن میں زیادہ مشہور احمد الشارمساحی، عمر البلقینی، صالح بن عمر بن رسلان البلقینی، محی الدین الکافیجی اور القاضی شرف الدین المناوی، جلال محلی شافعی، ابن قطلو بغا الحنفی ہیں۔

علامہ سیوطی مدرسہ شیخونیہ اور مدرسہ بیبرسیہ میں اعلیٰ عہدوں پر فائز رہے۔

آپ سے شرف تلمذ پانے والوں کی تعداد بھی بہت زیادہ ہے، جن میں زیادہ معروف علامہ محدث حافظ شمس الدین محمد بن علی بن احمد الداودی مصری شافعی ہیں۔

سماع اور طلب کے وقت جماعت میں آپ کے ساتھ شمس الدین السخاوی اور علی اشمونی بھی ہوتے تھے۔

اللہ تعالیٰ نے امام جلال الدین سیوطی علیہ الرحمہ کو اپنے فضل وکرم سے وافر حصہ عطا فرمایا۔ آپ کو تمام علوم میں مہارت تامہ حاصل تھی۔ خصوصاً ان سات فنون پر آپ کو تبحر حاصل تھا، تفسیر، حدیث، فقہ، نحو، معنی، بیان، بدیع، عرب بلغاء کے طریقہ پر نہ کہ عجم اور فلسفیوں کے طریقہ پر۔

آپ فرماتے ہیں، وَلَمَّا حَجَجْتُ شَرِبْتُ مِنْ مَّاءِ زَمْزَمَ لِأُمُوْرٍ. مِنْهَا أَنْ

أَصلَ فِی الْفِقْهِ اِلیٰ رُتُبَةِ الشَّیُخ سِرَاجِ الدِّیْنِ الْبُلْقِینِی ، وَ فِی الْحَدِیْثِ اِلیٰ رُتُبَةِ الْحَافِظِ ابْنِ حَجَرٍ.

ترجمہ:

جب میں نے حج کیا تو آب زمزم چند امور کے لئے پیا۔ ان میں سے ایک یہ ہے کہ میں فقہ میں شیخ سراج الدین بلقینی اور حدیث میں حافظ ابن حجر کے رتبہ تک پہنچوں۔

اللہ تعالیٰ نے آپ کی اس آرزو، تمنا اور خواہش کو پورا فرمایا۔ آپ کی اس مو جلیل القدر اور کثیر کتب شاہد عدل ہیں۔

محدث کبیر امام جلال الدین سیوطی علیہ الرحمہ نے ۸۷۱ھ میں فتویٰ دینا شروع کیا۔ آپ فرماتے ہیں کہ اگر میں ہر مسئلہ پر، اس کے اقوال، نقلیہ اور قیاسیہ ادلّہ، مدارک، نقوض اور ان کے اجوبہ، اختلاف مذاہب کے درمیان موازنہ کے ساتھ کتاب لکھنا چاہوں،

لَقَدَرْتُ عَلیٰ ذٰلِکَ مِنْ فَضْلِ اللّٰهِ ، لَا بِحَوْلِی وَ لَا بِقُوَّتِی.

تو میں اپنی طاقت اور قدرت سے نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ کے فضل سے اس بات پر قادر ہوں۔

آپ فرماتے ہیں کہ میں نے منطق سے کچھ پڑھا، ثُمَّ اَلْقَی اللّٰهُ کَرَاهَتَهُ فِی قَلْبِی. وَ سَمِعْتُ ابْنَ الصَّلاحِ اَفْتیٰ بِتَحْرِیْمِهٖ فَتَرَکْتُهُ لِذٰلِکَ ، فَعَوَّضَنِیَ اللّٰهُ تَعَالیٰ عَنْهُ عِلْمَ الْحَدِیْثِ الَّذِیْ هُوَ اَشْرَفُ الْعُلُوْمِ.

ترجمہ:

پھر اللہ تعالیٰ نے میرے دل میں اس کی کراہت ڈال دی۔ اور میں نے ابن صلاح کے متعلق سنا کہ انہوں نے اس کی حرمت کا فتویٰ دیا ہے، میں نے اس وجہ سے اس کو چھوڑ دیا۔ پس اللہ تعالیٰ نے اس کے عوض علم حدیث عطا فرمایا جو تمام علوم سے زیادہ شرافت والا ہے۔

امام سیوطی نے پہلی کتاب ۸۶۶ھ میں ''شَرْحُ الْاِسْتِعَاذَةِ وَ الْبَسْمَلَةِ'' لکھی۔

جس پر شیخ الاسلام البلقینی نے تقریظ لکھی۔

حضرت امام جلال الدین سیوطی علیہ الرحمہ نے اپنی کتاب (حسن المحاضرہ) میں تفسیر، قراءات، حدیث، فقہ، اجزاء المفردہ، عربیہ اور آداب میں اپنی کتب کی تعداد ۳۰۰ لکھی ہے۔

برکلمان نے مطبوع اور مخطوط کی تعداد ۴۱۵ لکھی ہے۔

معروف مستشرق، فلوغل نے ایک انڈیکس میں آپ کی کتب کی تعداد ۵۶۱ لکھی ہے۔

امام شعرانی نے الطبقات کے ذیل میں فرمایا، لہ من المؤلفات اربعمائۃ و ستون مؤلفا...... امام صاحب کی ۴۶۰ مؤلفات ہیں۔

ابن ایاس نے اپنی تاریخ (حوادث سنۃ ۹۱۱ھ) میں آپ کی کتب کی تعداد ۷۰۰ ذکر کی ہے۔

قاضی شوکانی کہتے ہیں ''...... وَ صَنَّفَ التَّصَانِیْفَ الْمُفِیْدَۃَ کَالْجَامِعَیْنِ فِی الْحَدِیْثِ، وَ الدُّرِّ الْمَنْثُوْرِ فِی التَّفْسِیْرِ، وَالْاِتِّقَانِ فِیْ عُلُوْمِ الْقُرْآنِ، وَ الْمُزْھِرِ فِیْ عُلُوْمِ اللُّغَۃِ، وَ بُغْیَۃِ الْوُعَاۃِ فِیْ طَبَقَاتِ النُّحَاۃِ''

ترجمہ:

اور امام سیوطی نے مفید تصانیف لکھیں، جیسے حدیث میں جامع صغیر اور جامع کبیر، تفسیر میں در منثور، علوم قرآن میں الاتقان، علوم لغت میں المزہر اور نحویوں کے متعلق بغیۃ الوعاۃ فی طبقات النحاۃ۔

مندرجہ بالا کتب کے علاوہ آپ کی زیادہ معروف و متداول کتابیں یہ ہیں۔

(۱) الاکلیل (۲) شرح الصدور بشرح حال الموتی و القبور (۳) طبقات الحفاظ (۴) الخصائص الکبریٰ (۵) اس کی تلخیص ''انموذج اللبیب فی

خـصـائـص الـحبیب " جوالخصائص الصغریٰ کے نام سے مشہور ہے(۶) بشریٰ الکئیب (۷) تاریخ الخلفاء (۸) البدور السافره فی احوال الآخره(۹) الدرر الحسان فی البعث و نعیم الجنان (۱۰) تفسیر جلالین (۱۱)اسرار ترتیب القرآن (۱۲) حسن المحاضره فی اخبار مصر و القاهرة (۱۳) اللباب فی تهذیب الانساب (۱۴) نزول عیسیٰ بن مریم آخر الزمان (۱۵)المختصر (۱۶) تدریب الراوی (۱۷) اسعاف المبطاء فی رجال الموطأ (۱۸) زهر الربی علی المجتبی (۱۹)الریاض الانیقة فی شرح اسماء خیر الخلیقة (۲۰) حسن المقصد فی عمل المولد (۲۱) الازهار المتناثرة فی الاحادیث المتواترة (۲۲) قطف الازهار المتناثرة فی الاخبار المتواترة (۲۳) الحاوی للفتاوی (۲۴) التعقبات علی الموضاعات (۲۵) شرح شواهد المغنی (۲۶) الدر النثیر (۲۷) لقط المرجان فی اخبار الجان (۲۸) الآلی المصنوعة فی الاحادیث الموضوعة (۲۹) مناهل الصفا فی تخریج احادیث الشفاء (۳۰) مرقات الصعود (۳۱)انیس الغریب (۳۲) التثبیت عند التبییت (۳۳)مقامة الطاوی علی تاریخ السخاوی(۳۴)مسالک الحنفاء فی والدی المصطفیٰ(۳۵)الدرج المنیفة فی الاباء الشریفة (۳۶)المقامة السندسیة فی النسبة المصطفویة (۳۷)التعظیم و المنّة فی ان ابوی رسول اللّٰه فی الجنة (۳۸) نشر العلمین المنیفین فی الاحیاء الابوین الشریفین (۳۹) السبل الجلیة فی الاباء العلیة(۴۰)انتباه الاذکیا فی حیاة الانبیاء (۴۱)دفع التعسف فی اخوة یوسف (۴۲)ثلج الفواد فی احادیث لبس السواد (۴۳)بلوغ المارب فی قص الشوارب (۴۴)ابواب السعادة فی اسباب الشهادة(۴۵)نزول الرحمة

بـالتحدث بالنعمة (۴۶)تنقیح فی مشروعیة التسبیح (۴۷) فتح الجلیل للعبد الذلیل (۴۸) الحجج المبینة فی التفضیل بین مکة و المدینة (۴۹)اجر الجزل فی الغزل (۵۰) نور اللمعة فی خصائص الجمعة (۵۱) احیاء المیت فی فضائل اهل البیت(۵۲) حصول الرفق بوصول الرزق (۵۳) برد الاکباد عند فقد الاولاد (۵۴)عنوان الشرف والکمال(۵۵)درر الکلم و غرر الحکم (۵۶)اخبار المرویة فی وضع العربیة (۵۷)ازواد فی موت الاولاد (۵۸)اتحاف الفرقة بوصل الخرقة (۵۹) ریح النسرین فیمن عاش من الصحابة مائة و عشرین (۶۰)وصول الامان باصول التهانی (۶۱) طی اللسان عن ذم الطیلسان (۶۲) کشف الصلصلة عن وصف الزلزلة (۶۳)مصابیح فی صلوة التراویح (۶۴)القول الاشبه فی حدیث من عرف نفسه فقد عرف ربه (۶۵) افادة الحبر بنصه فی زیارة العمر(۶۶) کتاب الشماریخ فی علم التاریخ(۶۷)تبییض الصحیفة بمناقب الامام ابی حنیفة(۶۸) عقود الزبرجد علی مسند الامام احمد (۷۰) الوسائل الی معرفة الاوائل .

علماء کا خراج تحسین:

ہر دور میں اہل علم نے آپ کو خراج تحسین پیش کیا ہے، محدثین اور فقہاء آپ کی عظمت کے قائل ہیں اور آپ کی تعریف وتوصیف میں رطب اللسان ہیں۔ علماء کرام آپ کی کتابوں سے خوشہ چینی کرنا اپنے لئے فخر واعزاز سمجھتے ہیں۔ یہاں چند علماء کا ذکر کیا جاتا ہے جو آپ کی عظمت کے گن گاتے ہیں۔

شیخ عبدالقادر شاذلی امام سیوطی علیہ الرحمہ کے متعلق فرماتے ہیں،

شیخ جلال الدین رحمہ اللہ تعالیٰ علم وعمل میں فطرتاً خصال حمیدہ پر تھے۔ زندگی بھر

امیروں، بادشاہوں وغیرہم میں سے کسی کی طرف نہیں گئے۔ اللہ تعالیٰ کے قول ﴿واما بنعمة ربک فحدث﴾ پر عمل کرتے ہوئے آپ علوم واخلاق سے اللہ تعالیٰ کی عطا فرمائی ہوئی ہر نعمت کو ظاہر کر دیتے تھے۔ اور کسی چیز کو چھپاتے نہ تھے، سوائے اس کے جس کے چھپانے کا حکم ہے۔ شیخ بہت سی آزمائشوں میں ڈالے گئے۔ اور میں نے ایک دن بھی آپ کو حاسدوں پر بددعا کرتے نہیں سنا۔ اور آپ ان کا برائی سے مقابلہ نہ کرتے تھے۔ آپ صرف حسبنا الله و نعم الوكيل کہہ دیتے تھے۔ آپ نے اس موضوع پر ایک کتاب بھی لکھی ہے، جس کا نام "خبر الظلامة ليوم القيامة" رکھا۔

شیخ شمس الدین الداودی فرماتے ہیں،

میں نے شیخ کو دیکھا کہ آپ نے ایک دن میں تین جزو تالیف وتحریر کیے۔ اس کے ساتھ آپ حدیث بھی لکھاتے تھے اور سوال کرنے والوں کو بغیر تکلف کے حسین جوابات سے بھی نوازتے تھے۔

عارف صمدانی قطب ربانی امام شعرانی علیہ الرحمہ فرماتے ہیں،

شیخ کے مناقب کثیر اور مشہور ہیں۔ اگر آپ کی کوئی کرامت بھی نہ ہو، تو ساری دنیا سے لوگوں کا آپ کی اور آپ کی علوم و معارف سے بھرپور کتب اور مولفات اور ان کے مطالعہ کی طرف رجوع کرنا ہی کافی ہے۔

قاضی شوکانی کہتے ہیں،

بیشک آپ کی مولفات دنیا کے گوشوں میں پھیل گئی ہیں، اور سواروں نے ان کتابوں کے ساتھ ہر بلندی اور پستی کی طرف سفر کیا ہے۔ اور اللہ تعالیٰ نے آپ کا حسین ذکر اور خوبصورت تعریف ایسی بلند فرمائی جو آپ کے معاصرین میں سے کسی کے لئے نہیں تھی۔ اور اچھی عاقبت تو پرہیزگاروں کے لئے ہے۔

آپ نے اپنی پوری زندگی دین متین کی خدمت کرتے، شریعت مطہرہ کی حفاظت کرتے اور محبوب خدا ﷺ کی عظمت کے گن گاتے گذاری۔ آپ کو فنافی الرسول کا اعزاز اور شرف حاصل تھا۔ آپ خود ارشاد فرماتے ہیں،

یا اخی اننی قد اجتمعت برسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیه و آله وسلم الی وقتی هذا خمس و سبعین مرة یقظة و مشافهة .

ترجمہ:

جان لے اے بھائی کہ اس وقت تک میں ۷۵ مرتبہ عالم بیداری میں بالمشافہ حضور ﷺ کی زیارت سے مستفیض ہوا۔

کتاب المیزان عارف صمدانی قطب ربانی امام شعرانی ج ۱: ص ۴۱

سعادت دارین امام یوسف بن اسمعیل نبهانی ص :۴۳۸

(بحوالہ مقام رسول، علامہ محمد منظور احمد فیضی ص :۲۰۳-۲۰۲)

سات دن علیل رہنے کے بعد، شاندار علمی وراثت، روشن کتب کا عظیم ذخیرہ، محبتِ رسول ﷺ سے بھرپور تحریریں، بلند سوچ پر مشتمل رسائل، چمکتے افکار اور نکھرے مسائل چھوڑ کر علامہ سیوطی علیہ الرحمہ نے ۱۹ جمادی الاولیٰ ۹۱۱ھ جمعۃ المبارک کی رات، اپنی طاہر روح اپنے پیدا کرنے والے کے سپرد کی۔ آپ کا مزار قاہرہ میں باب القرافہ کے باہر حوش قوصون میں ہے۔ **رحمة اللّٰہ تعالیٰ علیه رحمة واسعة**

ڈاکٹر محمد ایوب قادری
اسلام نگر، فیصل آباد

کچھ مترجم کے بارے میں

نام : علامہ محمد حسین ساجد الہاشمی

پیشہ : استاذ جامعہ قادریہ رضویہ، فیصل آباد

ولادت :

آپ ۵ جنوری ۱۹۶۷ء کو فیصل آباد سے ۳۲ کلو میٹر دور چک نمبر ۲۴ ج۔ ب لاہور یا نوالہ میں پیدا ہوئے۔ خوش قسمتی سے گھر میں مذہبی ماحول ملا۔ آپ کے والد گرامی کا نام صوفی فضل حسین ہے جو ایک درویش منش اور نیک سیرت انسان ہیں۔ صوفیاء کرام کی صحبت میں بکثرت اٹھتے بیٹھتے۔ بایں وجہ ان کا طبعی میلان تصوف کی طرف تھا، لوگ آج بھی انہیں ''فقیر قادری'' کے نام سے یاد کرتے ہیں۔

تعلیم:

آپ کی تعلیم و تربیت میں آپ کے والد گرامی کا بڑا ہاتھ ہے۔ ان کی تمام تر توجہات اور شفقتیں آپ کے لئے وقف تھیں۔ ابتدائی درسی کتب بھی انہوں نے آپ کو خود پڑھائیں۔ آپ نے اپنے والد گرامی کی لائبریری سے بھی استفادہ کیا۔ اس کے علاوہ والد گرامی کے پاس جو بزرگ اور صلحاء تشریف لاتے ان کی زیارت کا شرف پاتے۔

اہم واقعہ:

آپ خود بیان کرتے ہیں کہ ایک صبح میں اپنے والد گرامی کی معیّت میں آ رہا تھا، اپنے دروازے پر ایک درویش سے ملاقات ہوئی جو کہہ رہے تھے، میں تمہارا مہمان ہوں اور جلد یہیں ہوں، رات کا جو کچھ پکا ہے وہی لے آؤ۔ ماحضر پیش کیا گیا۔ اب وہی بزرگ والد

گرامی سے زبانیں بدل بدل کر باتیں کرنے لگے۔ قبلہ والد گرامی فرماتے ہیں کہ میں نے دل میں خیال کیا کہ یہ اپنی علمیت کا اظہار فرما رہے ہیں۔ ابھی یہ سوچ ذہن میں آئی ہی تھی تو وہ بزرگ فوراً بولے"**واما بنعمة ربك فحدث**" یعنی میں تو اپنے رب کی نعمتیں گنوا رہا ہوں۔ اب والد گرامی کو احساس ہوا تو احقر کے علم میں اضافہ کی درخواست کی، انہوں نے دعا فرمائی اور چار آنے بھی عطا فرمائے۔ ہم برتن چھوڑنے اندر گئے، جب واپس پلٹے تو ان بزرگ کا کوئی نام ونشان نہ تھا۔

دینی علوم کا حصول:

آپ نے ابتدائی کتب جن میں کریما، نام حق، پند نامہ شامل ہیں، اپنے والد گرامی سے سبقاً سبقاً پڑھیں۔ ۱۹۸۳ء میں اہلسنّت وجماعت کی عظیم درسگاہ"جامعہ قادریہ رضویہ" فیصل آباد میں داخلہ لیا، دوران تعلیم ایک سال"جامعہ ریاض العلوم" میں رہے۔

عصری علوم کا حصول:

جہاں آپ نے مذہبی علوم کے حصول کے لئے مختلف مدارس اسلامیہ میں رہ کر علمی تشنگی بجھائی وہاں آپ نے عصری علوم کے حصول کے لئے بھی ان تھک محنت کی۔ ۱۹۸۱ء میں میٹرک کا امتحان اعلیٰ فرسٹ ڈویژن میں پاس کیا۔ ۱۹۸۲ء میں فیصل آباد کے مشہور ومعروف گورنمنٹ کالج میں داخلہ لیا اور ۱۹۸۴ء میں F.S.C. کا(EXAME) پاس کیا۔ کالج میں آپ کا شمار نہایت ذہین وفطین Students میں ہوتا تھا۔ اس کے بعد پنجاب یونیورسٹی (PUNJAB UNIVERSITY) سے B.A اور M.A عربی کے امتحانات اعلیٰ فرسٹ ڈویژن میں پاس کیے۔

سند فراغت و دستار فضیلت:

مختلف مدارس سے علم وحکمت کے جواہر کے حصول کے بعد ۱۹۸۷ء میں جامعہ قادریہ رضویہ سے سند فراغت حاصل کی۔ آپ کی دستار بندی قائد اہلسنّت علامہ شاہ احمد نورانی صدیقی مدظلہ العالی نے فرمائی۔

فرائض تدریس:

جیسا کہ آغاز میں بیان کیا گیا کہ آپ شروع ہی سے نہایت ہونہار اور ذہین طالب علم تھے، اسی بنا پر اساتذہ کی گوہر شناس آنکھوں نے اس درِ مکنون کو پہچان لیا اور آئندہ آنے والی نسلوں کی تعلیم و تربیت کے لئے مختص کر لیا۔ فراغت سے ایک سال قبل ہی آپ کو درس و تدریس کی ذمہ داری سونپ دی گئی۔ اس سال جامعہ رحمانیہ فاروقیہ، ایک سال جامعہ امینیہ رضویہ اور تین سال جامعہ ریاض العلوم اور اب آپ مادرِ علمی جامعہ قادریہ رضویہ میں ہی علم و عرفان کے موتی بکھیر رہے ہیں۔ آپ کے اساتذہ اپنے اس لائق اور تابع فرمان فرزند ارجمند پر فخر کرتے ہیں۔

امامت و خطابت:

آپ فن خطابت کے شاہسوار ہیں۔ مذہبی اور عصری علوم میں مہارت کی بدولت ہر موضوع کو بڑی خوبی سے (HANDLE) کرتے ہیں۔ روحانی محافل میں علم و حکمت کے موتی بکھیرنا آپ کا طرہ امتیاز ہے۔ کتاب و سنت اور فلسفہ و منطق کے معارف جب کھول کھول کر بیان کرتے ہیں تو سامعین پر ایک وجد کی سی کیفیت طاری ہو جاتی ہے۔ آپ کی گوہر فشانی کی بدولت احباب کا ایک کثیر حلقہ آپ کے فن گویائی سے متاثر ہے۔ ۱۹۸۴ء میں آپ نے ''جامع مسجد بہار مدینہ'' اسلام نگر میں خطابت کے فرائض سرانجام دینے شروع کئے۔

برطانیہ آمد:

دسمبر ۱۹۹۲ء میں مبلغِ اسلام حضرت پیر سید معروف حسین شاہ صاحب کی خصوصی دعوت پر برطانیہ تشریف لے گئے۔ برطانیہ کے معروف شہر بریڈفورڈ میں اسلامک مشنری کالج میں ۴ سال تک امامت، خطابت اور تدریس کے فرائض سرانجام دئے۔

آج کل برنلے کی جامع مسجد غوثیہ میں خدمتِ دین کا کام کر رہے ہیں۔ برطانیہ کے قیام کے دوران چونکہ درسِ نظامی کی تدریسی مصروفیات نہیں تھیں اس لئے تحریر و تصنیف کے لئے کافی وقت میسر آیا۔ آج کل زیادہ تر توجہ بچوں کے لئے نصابی کتب کی ترتیب کی طرف ہے۔

مترجم کی دیگر تالیفات

1. صداقت سیرت کا نکھار
2. اشعۃ البدر فی لیلۃ القدر
3. جیوے مرشد کامل باہو
4. نور بھری راتیں
5. نکہت و نور
6. جگمگ جگمگ نام محمد ﷺ
7. کروں تیرے نام پہ جاں فدا ﷺ
8. ایمان والدین مصطفیٰ ﷺ
9. ختم شریف
10. نصاب (مساجد اہلِ سنت)
11. قرآنی قاعدہ
12. الطریقۃ الحدیثہ
13. اسلامی مہینے اور نفلی عبادات
14. تعلیم الاسلام
15. اہلِ سنت کے عقائد
16. ایصالِ ثواب
17. خواتین کی محافلِ میلاد
18. تحقیقی تقریریں
19. افکارِ ہاشمی
20. قرآن اور صاحبِ قرآن ﷺ
21. سوئے حرم
22. رحمتِ حق بہانہ می جوید
23. لفظِ ولی اور ولایت
24. تصنیفاتِ سیوطی
25. جنت و جہنم
26. ختم شریف
27. شانِ صدیق اکبر
28. معراج النبی ﷺ
29. الاربعین لاصلاح المسلمین
30. تعلموا لغۃ القرآن
31. الم نشرح لک صدرک
32. تفسیر آلِ عمران
33. تفسیر سورۃ المزمل
34. تفسیر سورۃ العادیات
35. تفسیر سورۃ القارعۃ
36. تفسیر سورۃ التکاثر
37. تفسیر سورۃ العصر
38. تفسیر سورۃ الھمزہ
39. TRUE BELIEFS
40. MIRACLES
41. GHOUS-AL-A'ZAM
42. TRUE STORIES
43. IMAM AHMAD RAZA KHAN
44. PROPHET ADAM
45. NAMAAZ
46. TEACHINGS OF ISLAM

تعارفِ رسائل

"ایمانِ والدینِ مصطفی ﷺ" مستقل کتاب نہیں ہے بلکہ اس موضوع پر شیخ الاسلام امام جلال الدین سیوطی علیہ الرحمہ کے چھ رسائل ہیں۔ تاجدارِ کائنات ﷺ کے والدینِ کریمین کے ایمان کے اثبات اور ان کے جنتی ہونے پر یہ چھ رسائل بلاشک وشبہ انسائکلو پیڈیا کی حیثیت رکھتے ہیں۔ شیخ الاسلام علیہ الرحمہ نے ان رسائل میں موضوع سے متعلقہ جملہ مباحث پر بحث کی ہے اور تحقیق کا حق ادا کیا ہے۔ کسی جہت کو بھی تشنہ نہیں چھوڑا۔ شیخ الاسلام علیہ الرحمہ سے پہلے علماءِ متقدمین نے اس موضوع کے اثبات میں جو کچھ بھی تحریر فرمایا، اسے شیخ الاسلام علیہ الرحمہ نے ان رسائل میں جمع فرما دیا ہے۔ آپ کے بعد جن علماء نے اس موضوع پر کام کیا ہے، اُن کا بنیادی ماخذ اور مصدر یہی رسائل ہیں۔ علماءِ متاخرین نے بنیادی طور پر اس موضوع پر لکھتے وقت ان چھ رسائل سے ہی خوشہ چینی کی ہے۔

پانچ سال پہلے میرے انتہائی مہربان دوست علامہ ریاض احمد صاحب سعیدی نے یہ رسائل مجھے ترجمہ کے لئے عطا فرمائے۔ بحمدہ تعالیٰ چند ماہ کے اندر میں نے ترجمہ کر کے چھپنے کے لئے اُنہیں واپس ارسال کر دیئے مگر مختلف وجوہ کی بنا پر اِن کی اشاعت اور طباعت کا کام مؤخر ہوتا رہا۔ یقیناً ہر کام کے لئے ایک وقت مقرر ہوتا ہے جس پر وہ کام منصہ ظہور پر آتا ہے۔

ترجمہ کا کام آسان نہیں ہوتا۔ اس خدمت میں خاکسار کہاں تک کامیاب ہوا ہے۔ اس کا اندازہ تو قارئین ہی فرمائیں گے۔ تاہم مجھے اس امر کے اعتراف میں ہرگز تامل نہیں

ہے کہ ترجمہ میں اگر کوئی حسن کا پہلو ہے تو وہ صرف فضلِ خداوندی اور تاجدارِ کائنات ﷺ کے نعلینِ پاک کا تصدق ہے اور جہاں جہاں نقص، خامی اور جھول ہے، وہ بلاشک خاکسار کی علمی بے بسی اور بے بضاعتی کی بنا پر ہے ۔ مجھے یقین ہے کہ قارئین کرام اور ناقدینِ عظام میری خامیوں پر مجھے ضرور آگاہ فرمائیں گے تاکہ آئندہ ایڈیشن میں تصحیح ہو سکے۔

ان رسائل کی کمپوزنگ برادرِ صغیر عزیزم عزیز القدر **محمد ناصر الهاشمی صاحب** نے کی ہے۔ تزئین، تحسین اور تصحیح کا کام **علامہ ریاض احمد صاحب سعیدی** نے سرانجام دیا ہے۔ طباعت اور اشاعت کا اہتمام انتہائی کرم فرما اور مخلص و مہربان دوست، محسنِ اہلسنت **صاحبزادہ عطاء المصطفیٰ صاحب نوری** (ناظمِ اعلیٰ جامعہ قادریہ رضویہ۔ فیصل آباد) نے فرمایا ہے ۔

خالقِ کائنات کی بارگاہِ اقدس میں بصد عجز وانکسار دعا کہ وہ اس خدمت کو قبول فرمائے کہ وہ تاجدارِ کائنات ﷺ کے تصدق سے ان تمام مہربان معاونین کو سدا دونوں جہانوں کی سرفرازی سے شادکام فرمائے ۔ اس کام میں واقع نقائص و عیوب کو معاف فرمائے خاکسار کا خاتمہ بالایمان اور قیامت کے روز تاجدارِ کائنات ﷺ کی شفاعتِ عظمیٰ سے مالا مال فرمائے ۔

آمین بجاه النبی الکریم الامین ﷺ

غبارِ راهِ مدینه

ساجد الهاشمی

برنلے .انگلینڈ

نومبر 2001

عکسِ جمال

مسالک الحنفاء

فی

والدی المصطفی صلی اللہ علیہ وسلم

تصنیف

شیخ الاسلام امام جلال الدین سیوطی علیہ الرحمہ

ترجمہ

ساجد الهاشمی

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ

الحمد للّٰه وسلام علی عباده الذین اصطفی

اس تالیف کا نام ''مسالک الحنفاء فی والدی المصطفی'' ہے اس میں بیان کیا گیا ہے کہ نبی کریم ﷺ کے والدین کریمین جنتی ہیں۔(العیاذ باللّٰه) دوزخ میں نہیں ہیں اس نظریہ کی علماء کی ایک بڑی جماعت نے تصریح فرمائی ہے اس نظریہ کی وضاحت میں ان علمائے کرام کے مختلف مسالک ہیں۔

پہلا مسلک

آقائے دوجہاں سرورکون ومکاں ﷺ کے والدین کریمین بعثت سے پہلے ہی وصال فرما گئے تھے اور جولوگ بعثت سے پہلے انتقال کر جائیں ان کو عذاب نہیں ہوتا۔

خداوند قدوس ارشاد فرماتا ہے!

﴿وَمَا كُنَّا مُعَذِّبِيۡنَ حَتّٰى نَبۡعَثَ رَسُوۡلًا﴾

۱۵ ۔الاسرائیل۔ ۱۷

ترجمہ:

اور جب تک ہم کسی رسول کو نہ بھیجیں ہم عذاب نازل نہیں کرتے۔

اہل کلام اور اہل اصول سے ہمارے اشاعرہ اماموں اور شافعی فقیہوں نے اس امر پر اتفاق کیا ہے کہ جو شخص دعوت پہنچنے سے پہلے فوت ہو جائے وہ ناجی ہے اسلام کی دعوت دینے سے پہلے اس سے قتال نہیں کیا جائے گا۔اسلام کی دعوت دینے سے پہلے اگر اسے قتل کر دیا جائے تو دیت اور کفارہ لازم ہوگا اس مسئلہ میں امام شافعی اور دیگر اصحاب نے نص وارد کی ہے۔

بعض اصحاب نے تو یہ بھی فرمایا ہے کہ ایسے شخص کے قتل میں قصاص واجب ہوگا لیکن صحیح اس کا خلاف ہے کیونکہ ایسا شخص حقیقی مسلمان نہیں ہے اور قصاص کی شرط مکافات (برابری) ہے۔

بعض فقہاء نے یہ سبب بیان کیا ہے کہ ایسے شخص پر موت کے بعد عذاب نہ ہوگا کیونکہ اس کی موت اصل فطرت پر ہوئی۔ نہ ہی اس شخص سے عناد واقع ہوا اور نہ ہی اس نے کسی رسول کو جھٹلایا۔

اس مسلک کا بیان پہلے پہل میں نے اپنے شیخ الاسلام شرف الدین المناوی سے سنا۔ آپ سے نبی کریم ﷺ کے والد گرامی کے بارے سوال کیا گیا۔

کیا آپ دوزخ میں ہیں (العیاذ باللہ)؟

آپ سوال کرنے والے پر انتہائی برہم ہوئے۔

سوال کرنے والے نے اس ردعمل کو دیکھ کر وضاحت چاہی۔

کیا آپ کا اسلام ثابت ہے؟

امام صاحب نے ارشاد فرمایا! کہ آپ کا وصال زمانہ فترت میں ہوا اور زمانہ فترت میں بعثت سے پہلے انتقال کرنے والوں پر عذاب نہیں ہے۔

سبط ابن الجوزی نے ایک کتاب ''مرآۃ الزمان'' میں ایک جماعت سے یہ ہی نقل فرمایا ہے۔ آپ نے نبی کریم علیہ الصلوۃ والسلام کی والدہ ماجدہ کے دوبارہ زندہ ہونے (اور ایمان لانے) والی حدیث پر اپنے دادا جان کا کلام حکایت فرمایا ہے۔ اس کے بعد ارشاد فرمایا۔

ایک قوم نے فرمان خداوندی کا اس ضمن میں حوالہ دیا ہے۔

﴿وَمَا كُنَّا مُعَذِّبِيْنَ حَتّٰى نَبْعَثَ رَسُوْلًا﴾

۱۵۔ الاسرائیل۔ ۱۷

ترجمہ:

اور جب تک ہم کسی رسول کو نہ بھیجیں ہم عذاب نازل نہیں کرتے۔

تو جب نبی کریم علیہ الصلوۃ والسلام کے والد گرامی اور والدہ ماجدہ کو دعوت ہی نہیں پہنچی تو کس گناہ پر ان کو عذاب ہوگا۔

اسی نظریہ پر "الابی" نے "شرح المسلم" میں جزم فرمایا ہے۔ میں (جلال الدین سیوطی) ان کی عبارت ذکر کرتا ہوں۔

"زمانہ فترت میں انتقال کرنے والے لوگوں کے بارے احادیث وارد ہوئی ہیں۔ ان احادیث میں آیا ہے کہ ان لوگوں سے قیامت کے دن امتحان لیا جائے گا۔ اسی طرح قرآن حکیم میں آیات وارد ہیں جن میں ان لوگوں پر عذاب نہ ہونے کا بیان ہے"

اسی نظریہ کی طرف حافظ العصر شیخ الاسلام ابو الفضل ابن حجر کا اپنی بعض تصانیف میں میلان ہے۔ آپ نے ارشاد فرمایا!

نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام کے آبائے کرام جن کا انتقال زمانہ فترت اور بعثت سے قبل ہوا یہ قیامت کے روز نبی کریم ﷺ کی نسبت اور تقرب کے تصدق سے کامیاب ہوں گے اور اللہ رب العزت کی فرمانبرداری کریں گے۔

میں (جلال الدین سیوطی) نے اس قضیہ امتحان کو اسی مسلک میں داخل کر دیا ہے حالانکہ یہ مستقل مسلک ہے۔ ایسا میں نے ایک دقیق معنی کی خاطر کیا جو صاحبان تحقیق پر پوشیدہ نہیں ہے۔

آیات کریمہ

(جو اس نظریہ کے حق میں ہیں)

پہلی آیت طیبہ:

﴿وَمَا كُنَّا مُعَذِّبِيْنَ حَتّٰى نَبْعَثَ رَسُوْلًا﴾

۱۵۔الاسرائیل۔۱۷

ترجمہ:

اور جب تک ہم کسی رسول کو نہ بھیجیں ہم عذاب نازل نہیں کرتے۔

اس آیت کریمہ سے آئمہ اہل سنت نے اس امر پر متفقہ طور پر دلیل پکڑی ہے کہ بعثت سے پہلے فوت ہونے والوں پر عذاب نہیں ہوگا اور اسی آیت کریمہ سے ان علماء نے تحکیم عقل کے مسئلہ میں معتزلہ اور ان کے موافقین کا رد فرمایا ہے۔

ابن جریر اور ابن ابی حاتم نے اپنی اپنی تفسیروں میں حضرت قتادہ رضی اللہ تعالی عنہ سے اسی آیت کریمہ کے تحت روایت کیا ہے۔

اِنَّ اللّٰهَ لَيْسَ بِمُعَذِّبٍ اَحَدًا حَتّٰى يَسْبِقَ اِلَيْهِ مِنَ اللّٰهِ خَبَرٌ اَوْ يَاْتِيَهُ مِنَ اللّٰهِ بَيِّنَةٌ.

ترجمہ:

یقیناً اللہ تعالیٰ کسی ایسے شخص کو عذاب نہیں دے گا جس کی طرف اللہ تعالیٰ کی بارگاہ سے کوئی خبر یا واضح دلیل نہ پہنچی ہو۔

دوسری آیت کریمہ:

﴿ذٰلِکَ اَنۡ لَّمۡ یَکُنۡ رَّبُّکَ مُهۡلِکَ الۡقُرٰی بِظُلۡمٍ وَّاَهۡلُهَا غٰفِلُوۡنَ﴾

ترجمہ:

یہ اس لئے کہ آپ کا رب بستیوں کو ظلم سے ہلاک کرنے والا نہیں ہے اس حال میں کہ ان کے باشندے بے خبر ہوں۔

امام زرکشی نے "شرح جمع الجوامع" میں اس آیت کو اس قاعدہ پر بطور دلیل ذکر کیا ہے کہ "منعم کا شکر عقلاً واجب نہیں ہے بلکہ سمعاً واجب ہے"

تیسری آیت کریمہ:

﴿وَلَوۡ لَاۤ اَنۡ تُصِیۡبَهُمۡ مُّصِیۡبَةٌ بِمَا قَدَّمَتۡ اَیۡدِیۡهِمۡ فَیَقُوۡلُوۡا رَبَّنَا لَوۡ لَاۤ اَرۡسَلۡتَ اِلَیۡنَا رَسُوۡلًا فَنَتَّبِعَ اٰیٰتِکَ وَنَکُوۡنَ مِنَ الۡمُؤۡمِنِیۡنَ﴾

٤٧ ۔القصص ۔٢٨

ترجمہ:

کہیں ایسا نہ ہو جب ان کے کئے ہوئے اعمال کے باعث انہیں کوئی مصیبت پہنچنے لگے تو وہ یہ نہ کہنے لگیں کہ اے ہمارے رب تو نے ہماری طرف کوئی رسول کیوں نہ بھیجا۔ تاکہ ہم تیری آیات کی پیروی کرتے اور ہم ایمان لانے والوں میں سے ہو جاتے۔

امام زرکشی نے اوپر بیان کردہ اصول پر اس آیت کریمہ سے بھی دلیل پکڑی ہے۔ مزید برآں ابن ابی حاتم نے اس آیت کریمہ کے تحت سند حسن کے ساتھ حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ تعالی عنہ سے روایت کیا ہے۔

نبی کائنات فخر موجودات ﷺ کا ارشاد گرامی ہے!

اَلْھَالِکُ فِی الْفَتْرَۃِ یَقُوْلُ رَبِّ لَمْ یَاْتِنِیْ کِتَابٌ وَّلَا رَسُوْلٌ.

ترجمہ:

(قیامت کے دن) زمانہ فترت میں فوت ہونے والا شخص عرض کرے گا اے میرے پروردگار میرے پاس نہ کوئی کتاب آئی اور نہ رسول۔ اس کے بعد آپ نے اس آیت کریمہ کی تلاوت فرمائی۔

چوتھی آیت کریمہ:

﴿وَلَوْ اَنَّآ اَھْلَکْنٰھُمْ بِعَذَابٍ مِّنْ قَبْلِہٖ لَقَالُوْا رَبَّنَا لَوْ لَآ اَرْسَلْتَ اِلَیْنَا رَسُوْلًا فَنَتَّبِعَ اٰیٰتِکَ مِنْ قَبْلِ اَنْ نَّذِلَّ وَنَخْزٰی﴾

۱۳۴_طہ_۲۰

ترجمہ:

اگر ہم اس سے پہلے ان کو کسی عذاب سے ہلاک کر دیتے تو وہ کہتے اے ہمارے رب تو نے ہماری طرف کوئی رسول کیوں نہ بھیجا کہ ہم ذلیل و رسوا ہونے سے پہلے تیری آیات کی پیروی کرتے۔

ابن ابی حاتم نے اپنی تفسیر میں اسی آیت کریمہ کے تحت حضرت عطیه العوفی رضی اللہ عنه سے روایت کیا ہے۔

"زمانہ فترت میں ہلاک ہونے والا (قیامت کے دن) عرض کرے گا اے میرے پروردگار! میرے پاس نہ ہی کوئی کتاب آئی اور نہ ہی کوئی رسول"

پھر اسی آیت کریمہ کی تلاوت فرمائی۔

پانچویں آیت کریمہ:

﴿وَمَا كَانَ رَبُّكَ مُهْلِكَ الْقُرٰى حَتّٰى يَبْعَثَ فِىْٓ اُمِّهَا رَسُوْلًا يَّتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِنَا﴾

۵۹_القصص_۲۸

ترجمہ:

اور آپ کا رب بستیوں کو ہلاک کرنے والا نہیں ہے یہاں تک کہ ان کے مرکزی شہر میں کوئی رسول بھیجے جو وہاں کے رہنے والوں کو ہماری آیتیں سنائے۔

ابن ابی حاتم نے حضرت ابن عباس اور حضرت قتادہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے اسی آیت کریمہ کے تحت روایت کیا ہے۔

وَاِلَّا لَمْ يُهْلِكِ اللّٰهُ اَهْلَ مَكَّةَ حَتّٰى بَعَثَ اِلَيْهِمْ مُحَمَّدًا ﷺ فَلَمَّا كَذَّبُوْا وَظَلَمُوْا فَبِذٰلِكَ هَلَكُوْا.

ترجمہ:

مکہ والوں کو اللہ تعالیٰ نے تب ہلاک کیا جب ان کی طرف آقائے دو جہاں ﷺ کو بھیجا تو مکہ والوں نے ان کی دعوت کو جھٹلایا اور ظلم کیا۔

چھٹی آیات کریمہ:

﴿وَهٰذَا كِتٰبٌ اَنْزَلْنٰهُ مُبٰرَكٌ فَاتَّبِعُوْهُ وَاتَّقُوْا لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ. اَنْ تَقُوْلُوْٓا اِنَّمَآ اُنْزِلَ الْكِتٰبُ عَلٰى طَآئِفَتَيْنِ مِنْ قَبْلِنَا وَاِنْ كُنَّا عَنْ دِرَاسَتِهِمْ لَغٰفِلِيْنَ﴾

۱۵۶_۱۵۵_الانعام_۶

ترجمہ:

اور یہ (قرآن) کتاب ہے۔ اسے ہم نے اتارا ہے۔ بابرکت ہے۔ اس کی پیروی

کرو اور ڈرو تا کہ تم پر رحم کیا جائے۔ تا کہ تم یہ نہ کہو کہ کتاب تو ہم سے پہلے دو گروہوں پر اتاری گئی تھی اور ہم تو ان کے پڑھنے پڑھانے سے بالکل بے خبر تھے۔

ساتویں آیت کریمہ:

﴿وَمَآ اَهْلَكْنَا مِنْ قَرْيَةٍ اِلَّا لَهَا مُنْذِرُوْنَ. ذِكْرٰى وَمَا كُنَّا ظٰلِمِيْنَ﴾

۲۶۔الشعراء۔۲۰۸۔۲۰۹

ترجمہ:

اور ہم نے کسی بستی کو ہلاک نہیں کیا مگر اس کے لئے ڈرانے والے بھیجے گئے تھے۔ یاددہانی کے لئے اور ہم ظالم نہیں تھے۔

عبد ابن حمید. ابن المنذر اور ابن ابی حاتم نے اپنی اپنی تفاسیر میں اس آیت کے ضمن میں حضرت قتادہ رضی اللہ تعالی عنہ سے روایت کیا ہے۔

اللہ تعالی نے جس بستی کو بھی ہلاک کیا ہے اسے دلیل اور واضح نشانی کے بعد ہلاک کیا۔ رسولوں کو بھیجا، کتابوں کو نازل کیا۔ یہ ان کی طرف نصیحت، موعظت اور حجت ہوتیں۔

آٹھویں آیت کریمہ:

﴿وَهُمْ يَصْطَرِخُوْنَ فِيْهَا ج رَبَّنَآ اَخْرِجْنَا نَعْمَلْ صَالِحاً غَيْرَ الَّذِىْ كُنَّا نَعْمَلُ ط اَوَ لَمْ نُعَمِّرْكُمْ مَّا يَتَذَكَّرُ فِيْهِ مَنْ تَذَكَّرَ وَجَآءَ كُمُ النَّذِيْرُ ط﴾

۳۵۔الفاطر۔۳۷

ترجمہ: اور وہ اس میں چیختے چلاتے ہوں گے (فریاد کریں گے) اے ہمارے رب ایک بار ہمیں اس سے نکال ہم بڑے نیک اعمال کریں گے ایسے نہیں جیسے ہم پہلے کیا کرتے تھے

(جواب ملے گا) کیا ہم نے تمہیں اتنی لمبی عمر نہ دی تھی جس میں بآسانی نصیحت قبول کر سکتا جو نصیحت قبول کرنا چاہتا اور تمہارے پاس ڈرانے والا تشریف لے آیا تھا۔

اس آیت کریمہ کے تحت مفسرین کرام نے ارشاد فرمایا۔ کہ نبی کریم علیہ الصلوۃ والسلام کو بھیج کر اللہ رب العزت نے ان کی حجت پوری کی اس آیت کریمہ میں ''نذیر'' سے مراد آپ ہی ہیں۔

احادیث طیبہ

وہ احادیث مبارکہ جو اہل فترت کے بارے وارد ہوئیں کہ ان کا قیامت کے روز امتحان ہوگا۔ جو ان سے فرمانبرداری کرے گا۔ جنت میں داخل ہوگا اور جو نافرمانی کرے گا دوزخ میں داخل ہوگا۔

پہلی حدیث شریف:

امام احمد بن حنبل اور اسحق بن راھویہ نے اپنی اپنی مسند میں اور بیہقی نے ''کتاب الاعتقاد'' میں اسود بن سریع رضی اللہ تعالی عنہ سے روایت کیا ہے اور اسے صحیح قرار دیا ہے۔

آقائے دوجہاں سرورِ کون مکاں ﷺ نے ارشاد فرمایا۔

''چار شخص قیامت کے دن احتجاج کریں گے (۱) ایسا بہرہ شخص جو کچھ بھی نہیں سنتا (۲) احمق (۳) انتہائی بوڑھا شخص (۴) ایسا شخص جس کا انتقال زمانہ فترت میں ہوا۔

بہرہ شخص کہے گا۔ اے میرے پروردگار! اسلام آیا مگر میں کچھ سن نہ سکا۔

احمق عرض کرے گا۔اے میرے پروردگار! اسلام آیا مگر مجھ پر تو بچے مینگنیاں پھینکتے تھے (میں بالکل عقل سے کورا تھا)

انتہائی بوڑھا شخص کہے گا۔اے میرے پالنے والے! اسلام آیا مگر میں کچھ سمجھ ہی نہ سکا۔

زمانہ فترت میں انتقال کرنے والا شخص عرض کرے گا۔اے میرے پروردگار! میرے پاس تو تیرا کوئی رسول نہیں آیا۔

ان سب سے فرمانبرداری کا پختہ وعدہ لیا جائے گا۔اب ان کی طرف حکم آئے گا۔دوزخ میں داخل ہو جاؤ۔جو فرمانبرداری کرتے ہوئے داخل ہوگا اس کے لئے ٹھنڈی اور سلامتی والی ہو جائے گی اور جو از خود داخل نہیں ہوگا اسے زبردستی دوزخ میں دھکیل دیا جائے گا۔

دوسری حدیث شریف:

امام احمد بن حنبل اور اسحق بن راھویہ نے اپنی اپنی مسند میں ابن مردویہ نے اپنی تفسیر میں اور بیہقی نے ''الاعتقاد'' میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالی عنہ سے روایت کیا ہے۔آقائے دوجہاں علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا! چار شخص احتجاج کریں گے۔بعد میں اوپر ذکر کی گئی اسود بن سریع رضی اللہ تعالی عنہ کی حدیث کی مثل حدیث کا ذکر کیا۔

تیسری حدیث شریف

بزار نے اپنی مسند میں ابو سعید خدری رضی اللہ تعالی عنہ سے روایت کیا ہے۔نبی کریم علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔

زمانہ فترت میں فوت ہونے والا، بے عقل اور نومولود (قیامت کے دن اللہ رب العزت کی بارگاہ میں) لایا جائے گا۔

زمانہ فترت میں ہلاک ہونے والا عرض کرے گا میرے پاس نہ تو کوئی کتاب آئی اور نہ ہی کوئی رسول۔

بے عقل عرض کرے گا اے میرے پالنے والے! تو نے مجھے عقل سے ہی نہ نوازا کہ میں برائی اور بھلائی میں فرق کر سکتا۔

نومولود عرض کرے گا اے میرے پروردگار! میں نے عمل والی عمر ہی نہیں پائی آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا۔

(ان کی گزارشات سننے کے بعد) ان کے سامنے دوزخ کی جائے گی۔ اور ان سے کہا جائیگا! اس میں داخل ہو جاؤ۔

توان میں سے جو شخص اللہ تعالیٰ کے علم میں خوش بخت ہوگا اگر وہ عمل پاتا۔ وہ (ارشاد خداوندی سن کر) دوزخ میں داخل ہو جائے گا اور وہ شخص جو اللہ تعالی کے علم میں بد بخت ہوگا اگر وہ عمل پاتا، وہ رک جائے گا۔

اب خداوند قدوس ارشاد فرمائے گا، تم نے تو میری بلا واسطہ نافرمانی کی، میرے رسولوں کے ساتھ تمہارا کیا معاملہ ہوتا۔ وہ تو ظاہراً میرے سامنے نہ تھے۔

اس حدیث پاک کی اسناد میں **عطیه العوفی** ہے۔ جس کی بنیاد پر اس میں ضعف ہے۔

امام ترمذی نے اس حدیث کو حسن قرار دیا ہے۔

ہاں۔ اس حدیث کے کئی شواہد ہیں۔ جو اسکے حسم اور ثابت ہونے کے متقاضی ہیں

چوتھی حدیث شریف:

بزار اور ابو یعلی نے اپنی اپنی مسند میں حضرت انس رضی اللہ تعالی عنہ سے روایت کیا ہے۔

نبی مکرم شفیع معظم ﷺ نے ارشاد فرمایا۔

چار شخص قیامت کے روز پیش کئے جائیں گے (۱) نو مولود (۲) بے عقل (۳) زمانہ فترت میں ہلاک ہونے والا (۴) شیخ فانی۔

ان میں سے ہر ایک اپنی حجت پیش کرے گا۔

(ان کی حجت کو سن کر) اللہ رب العزت جہنم کی گردن سے ارشاد فرمائے گا۔ 'ظاہر ہو جا'

(جہنم کے ظاہر ہونے کے بعد) اللہ رب العزت ان سے ارشاد فرمائے گا دوسرے اپنے بندوں کی طرف تو میں ان سے ہی رسول بھیجتا رہا۔ مگر تمہاری طرف میں خود رسول ہوں (میرا حکم ہے) اس جہنم میں داخل ہو جاؤ۔

(یہ حکم سن کر) ازلی بد بخت کہیں گے۔ اے میرے پروردگار! تو ہمیں جہنم میں داخل کرتا ہے ہم تو پہچانتے ہی نہیں تھے۔

مگر ازلی خوش بخت فوراً جہنم میں کود جائیں گے۔

اب اللہ رب العزت ارشاد فرمائے گا تم نے تو میری نافرمانی کی میرے رسولوں کی تم انتہائی تکذیب کرتے اور نافرمانی کرتے۔

پس ان (جہنم میں کود جانے والوں) کو جنت عطا کر دی جائے گی۔ اور ان (رک جانے والوں) کو جہنم رسید کیا جائیگا۔

پانچویں حدیث شریف

عبدالرزاق ،ابن جریر ،ابن المنذر اور ابن ابی حاتم نے حضرت ابو ھریرہ رضی اللہ تعالی عنہ سے روایت کیا ہے۔

آپ نے ارشاد فرمایا! قیامت کے دن اللہ تعالیٰ زمانہ فترت میں ہلاک ہونے والوں بے عقلوں، بہروں، گونگوں اور ایسے بوڑھوں جنہوں نے اسلام کے زمانہ کو نہیں پایا، جمع فرمائے گا۔ پھر ان کی طرف اپنا پیغامبر بھیجے گا۔ (وہ ان سے کہے گا) ''دوزخ میں داخل ہو جاؤ''

یہ کہیں گے کیسے! ہمارے پاس تو کوئی رسول آیا ہی نہیں۔

(یہ جواب سن کر) وہ پیغامبر کہے گا۔ اللہ کی قسم! اگر تم دوزخ میں داخل ہو جاتے تو اسے ٹھنڈی اور سلامتی والی پاتے۔

پھر اللہ تعالیٰ ان کی طرف (دوبارہ) اپنا پیغامبر (اسی حکم کے ساتھ) بھیجے گا۔ مگر اس کی فرمان برداری وہی کریں گے جو (اللہ تعالیٰ کے ارادہ میں) فرماں بردار ہوں گے۔

اس کے بعد حضرت ابو ھریرہ رضی اللہ تعالی عنہ نے ارشاد فرمایا اگر چاہو تو اس آیت کی تلاوت کرو۔

﴿وَمَا كُنَّا مُعَذِّبِينَ حَتّٰى نَبْعَثَ رَسُولًا﴾

۱۵ الاسرائیل ۱۷

ترجمہ:

اور جب تک ہم کسی رسول کو نہ بھیجیں ہم عذاب نازل نہیں کرتے۔

اس روایت کے اسناد شرط شیخین پر صحیح ہیں۔ اس طرح کی بات اپنی رائے سے نہیں کہی جا سکتی۔ سو یہ روایت حکماً مرفوع ہے۔

چھٹی حدیث شریف:

بزار اور حاکم نے اپنی ''مستدرک'' میں حضرت ثوبان رضی اللہ تعالی عنه سے روایت کیا ہے۔

نبی مکرم نور مجسم ﷺ نے ارشاد فرمایا قیامت کے دن زمانہ جاہلیت میں ہلاک ہونے والے لوگ اپنی پشتوں پر اپنے بت اٹھائے ہوئے آئیں گے اور رب العزت ان سے سوال فرمائے گا وہ عرض کریں گے۔

اے ہمارے پروردگار! تو نے ہماری طرف کوئی رسول ہی نہیں بھیجا، نہ ہی ہماری طرف تیرا کوئی حکم آیا اگر ہماری طرف تیرا کوئی رسول آتا تو ہم تیرے سب سے زیادہ فرماں بردار ہوتے۔

اللہ تعالیٰ ان سے ارشاد فرمائے گا تمہارا کیا خیال ہے اگر میں تم کو کوئی حکم دوں تو تم میرا حکم مانو گے؟ وہ عرض کریں گے ہاں! اللہ تعالیٰ ان کو حکم دے گا جہنم کی طرف جاؤ اور اس میں داخل ہو جاؤ وہ جہنم کی طرف چلیں گے جب اس کے قریب ہوں گے تو جہنم کی تپش اور گرم لو محسوس کریں گے واپس اپنے رب کی طرف لوٹ آئیں گے اور عرض کریں گے۔اے ہمارے پروردگار! ہمیں اس سے بچالے۔

اللہ تعالیٰ ان سے ارشاد فرمائے گا۔کیا تمہارا گمان یہ نہ تھا کہ اگر میں تمہیں کوئی حکم دوں تو تم میری فرماں برداری کرو گے۔وہ فرماں برداری کا پختہ وعدہ کریں گے۔

اللہ رب العزت ان سے دوبارہ ارشاد فرمائے گا جہنم کی طرف جاؤ اور اس میں داخل ہو جاؤ یہ حکم سن کر وہ جہنم کی طرف چل پڑیں گے جب وہ جہنم کو دیکھیں گے تو ڈر کر لوٹ آئیں گے۔

عرض کریں گے اے ہمارے پروردگار! ہم اس سے ڈر گئے ہم اس میں ذلیل ورسوا ہو کر داخل نہیں ہو سکتے۔

نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا! اگر وہ پہلی مرتبہ ہی جہنم میں داخل ہو جاتے تو جہنم ان کے لئے ٹھنڈی اور سلامتی والی ہوتی۔

حاکم نے کہا یہ روایت امام بخاری اور امام مسلم کی شرط پر صحیح ہے۔

ساتویں حدیث شریف:

طبرانی اور ابو نعیم نے حضرت معاذابن جبل رضی اللہ تعالی عنہ سے روایت کیا ہے نبی مکرم رحمت دو عالم ﷺ نے ارشاد فرمایا! قیامت کے روز بے عقل، زمانہ فترت میں ہلاک ہونے والا اور چھوٹی عمر میں انتقال کر جانے والا اللہ کی بارگاہ میں حاضر کیا جائے گا۔

بے عقل عرض کرے گا اے میرے پروردگار! اگر تو مجھے عقل عطا فرماتا تو عقل والوں میں سے مجھ سے زیادہ کوئی بھی سعادت مند نہ ہوتا۔

اسی طرح زمانہ فترت میں ہلاک ہونے والا اور چھوٹی عمر میں انتقال کرنے والا عرض کرے گا اللہ رب العزت ان سے ارشاد فرمائیگا میں تم کو ایک حکم دیتا ہوں کیا میری فرماں بزداری کرو گے؟ وہ عرض کریں گے جی ہاں! اللہ تعالیٰ ان سے کہے گا جاؤ اور دوزخ میں داخل ہو جاؤ۔

آپ نے ارشاد فرمایا! اگر یہ لوگ اللہ تعالیٰ کا حکم مان کر جہنم میں داخل ہو جاتے تو وہ ہرگز ان کو نقصان نہ دیتی ان پر جہنم کے کچھ شعلے بلند ہوں گے وہ گمان کریں گے کہ اللہ تعالیٰ کی پیدا کردہ ہر چیز ہلاک ہوگئی وہ تیزی سے واپس لوٹ آئیں گے اللہ تعالیٰ ان کو دوبارہ حکم دے

گا وہ اسی طرح پھر واپس آ جائیں گے۔

اللہ تعالیٰ ان سے ارشاد فرمائے گا میں نے تمہاری پیدائش سے پہلے ہی جان لیا تھا

کہ تم میری نافرمانی کرو گے اور میرے علم کے مطابق ہو گے۔

کیا الھراسی نے منعم کے شکر کا مسئلہ بیان کرتے ہوئے اپنی ''تعلیق فی

الاصول'' میں ارشاد فرمایا۔

خبردار! تمام اہل السنہ کی آراء اس امر پر متفق ہیں کہ احکام کا ادراک شرع منقول

سے ہوتا ہے، قضیات عقول سے نہیں۔ اہل حق کے علاوہ لوگوں کے دوسرے گروہ جیسے

رافضہ، کرامیہ اور معتزلہ وغیرہ ہیں، وہ کہتے ہیں کہ احکام کی دو قسمیں ہیں ان سے کچھ تو شرع

منقول سے سیکھے جاتے ہیں اور ان سے کچھ قضیات عقول سے سمجھے جاتے ہیں۔

ہم اہل السنہ کہتے ہیں رسول کے آنے سے پہلے کوئی چیز بھی واجب نہیں ہوتی جب

رسول ظاہر ہو جائے اور معجزہ قائم ہو جائے تو پھر عاقل کے لئے نظر وفکر ممکن ہوتی ہے سو اس

طرح پہلے واجبات، سمع سے معلوم ہوتے ہیں جب رسول تشریف لے آئے تو پھر غور وفکر

واجب ہو جاتی ہے اسی لئے ظرفاء سوال کرتے ہیں وہ کون سا واجب ہے جو طاعت ہے مگر

قربت نہیں ہے اس کا جواب یہ ہے کہ نظر جو پہلا واجب ہے طاعت ہے قربت نہیں ہے کیوں

کہ ناظر معرفت کے لئے نظر کرتا ہے وہ متقرب نہیں ہے۔

ہمارے شیخ امام نے اس جگہ بڑی خوب صورت بات کی ہے۔ رسول کی آمد سے پہلے

مختلف خیال آتے ہیں ایک خیال آتا ہے اور پھر اس کا مخالف خیال آتا ہے اس لئے عقل حیرت

اور دہشت میں مبتلا ہو جاتی ہے اس صورت میں توقف ضروری ہوتا ہے تا کہ (حیرت کا) بادل

چھٹ جائے اور یہ امر رسول کی آمد کے بغیر ممکن نہیں۔

اس جگہ استاذ ابو اسحاق کا فرمان ہے کہ یہ کہنا ''میں نہیں جانتا'' آدھا علم ہے اس قول کا معنی یہ ہے کہ میرا علم اس حد تک پہنچ گیا ہے جہاں عقل کا تجاوز ٹھہر گیا ہے اور یہ بات وہی کہتا ہے جسے علم میں وقوف حاصل ہو اور عقل کی انجانی راہوں کو پہچانتا ہو اور ان انجانی راہوں پر ٹھہر گیا ہو۔

امام فخر الدین رازی نے ''المحصول'' میں ارشاد فرمایا ہے منعم کا شکر عقلا واجب نہیں ہے معتزلہ کے ہاں عقلا واجب ہے ہماری دلیل یہ کہ منعم کا شکر اگر بعثت سے قبل عقلاً ہی واجب ہو تو ناشکرا ضرور عذاب کا مستحق ٹھہرے۔ چونکہ بعثت سے پہلے عذاب نہیں ہے اس لئے بعثت سے پہلے شکر منعم بھی واجب نہیں ہے یہ لزوم بالکل ظاہر ہے اس امر کی دلیل کہ بعثت سے پہلے عذاب نہیں ہے یہ فرمان خداوندی ہے۔

﴿وَمَا كُنَّا مُعَذِّبِيْنَ حَتّٰى نَبْعَثَ رَسُوْلًا﴾

۱۵۔الاسرائیل۔۱۷

ترجمہ:

جب تک ہم کسی رسول کو نہ بھیجیں ہم عذاب نازل نہیں کرتے۔

امام رازی کے پیروکاروں ''الحاصل والتحصیل'' کے مصنف اور قاضی بیضاوی نے ''منہاج'' میں اسی طرح ذکر کیا ہے قاضی تاج الدین سبکی نے ''شرح مختصر ابن حاجب'' میں منعم کے شکر کا مسئلہ بیان کرتے ہوئے فرمایا! اس بحث سے معلوم ہوتا ہے جو شخص دعوت پہنچنے سے پہلے فوت ہو جائے ہمارے نزدیک وہ ناجی ہے۔ اسے اسلام کی دعوت دینے سے پہلے قتال روا نہ ہوگا اگر ایسا شخص قتل ہو جائے تو کفارہ اور دیت لازم ہوگی صحیح بات یہ ہے کہ قاتل پر قصاص لازم نہ ہوگا۔

اسی طرح امام بغوی نے ''تھذیب'' میں فرمایا! جس شخص تک دعوت اسلام نہ پہنچی

ہو اس کا قتل جائز نہ ہوگا اور اگر دعوت اسلام سے پہلے اسے قتل کر دیا جائے تو دیت اور کفارہ لازم ہوگا مگر امام اعظم ابو حنیفہ کے نزدیک اس کے قتل سے ضمان لازم نہ ہوگی اس اختلاف کی بنیاد یہ ہے کہ امام صاحب کے ہاں عقلاً اس پر حجت ہے اور ہمارے نزدیک دعوت اسلام پہنچنے سے پہلے محض عقلاً اس پر حجت نہیں ہے ہماری دلیل یہ فرمان خداوندی ہے۔

﴿وَمَا كُنَّا مُعَذِّبِينَ حَتّٰى نَبْعَثَ رَسُولًا﴾

۱۵_الاسرائیل_۱۷

ترجمہ:

اور جب تک ہم کسی رسول کو نہ بھیجیں ہم عذاب نازل نہیں کرتے۔

امام رافعی "شرح" میں ارشاد فرماتے ہیں! جس شخص تک دعوت اسلام نہیں پہنچی اسے اعلام اور دعوت سے پہلے قتل کرنا جائز نہیں ہے۔ اگر ایسا شخص قتل ہو جائے تو دیت اور کفارہ لازم ہوگا۔ امام اعظم ابو حنیفہ کا اس پر اختلاف ہے۔ اختلاف کی بنیاد یہ ہے کہ امام صاحب کے ہاں عقلاً اس پر حجت ہے۔ اور ہمارے نزدیک جب تک اسے دعوت نہ پہنچے اس پر حجت نہیں اور نہ ہی اس سے مؤاخذہ ہوگا کیونکہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد گرامی ہے۔

﴿وَمَا كُنَّا مُعَذِّبِينَ حَتّٰى نَبْعَثَ رَسُولًا﴾

۱۵_الاسرائیل_۱۷

ترجمہ:

اور جب تک ہم کسی رسول کو نہ بھیجیں ہم عذاب نازل نہیں کرتے۔

امام غزالی نے "البسیط" میں ارشاد فرمایا۔

جس شخص کو دعوت اسلام نہیں پہنچی (اس کے قتل سے) دیت اور کفارہ لازم ہوگا۔ صحیح یہ ہے کہ کفارہ لازم نہ ہوگا کیونکہ وہ علی التحقیق مسلمان نہیں ہے۔ وہ معناً مسلمان ہے۔

ابن الرفع نے ''الکفایہ'' میں ارشاد فرمایا۔

(ایسے شخص کے قتل پر کفارہ اور دیت لازم ہوگی) کیونکہ وہ فطرت پر پیدا ہوا ہے اور اس سے عداوت کا ظہور نہیں ہوا۔

امام نووی نے ''شرح مسلم'' میں مشرک لوگوں کے بچوں کے بارے لکھا محققین کا صحیح اور مختار مذہب یہی ہے کہ وہ جنتی ہیں۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

﴿وَمَا كُنَّا مُعَذِّبِينَ حَتّٰى نَبْعَثَ رَسُولًا﴾

۱۵۔ الاسرائیل۔ ۱۷

ترجمہ:

اور جب تک ہم کسی رسول کو نہ بھیجیں ہم عذاب نازل نہیں کرتے۔

امام نووی نے ارشاد فرمایا کہ جب ایسے بالغ شخص پر عذاب نہیں ہے جس کو دعوت نہ پہنچی ہو تو بچوں پر تو بدرجہ اولیٰ عذاب نہیں ہوگا۔

اگر آپ یہ سوال کریں کہ یہ مسلک جو آپ نے بیان کیا ہے کیا زمانہ جاہلیت میں مرنے والے سبھی لوگوں کے بارے ہے۔ تو میں عرض کروں گا۔ نہیں۔ یہ فقط ان لوگوں کے بارے ہے جن تک بالکل کسی نبی کی دعوت نہیں پہنچی۔ وہ لوگ جن تک پچھلے انبیاء میں سے کسی نبی کی دعوت پہنچی ہو اور وہ اپنے کفر پر مصر رہے ہوں وہ قطعاً دوزخی ہیں اس امر میں قطعاً کوئی اختلاف نہیں ہے۔

جہاں تک آقائے دو جہاں سرور کون و مکان ﷺ کے والدین کریمین کا مسئلہ ہے۔ ان تک کسی نبی کی دعوت نہیں پہنچی۔

اس کی بنا چند امور پر ہے۔

ایک تو ان کے زمانہ اور پچھلے انبیاء کے زمانہ میں بہت تأخر اور بُعد ہے ہمارے نبی کریم علیہ الصلوۃ والسلام کی بعثت سے پہلے آخری نبی حضرت عیسی علیہ الصلوۃ والسلام ہیں ان کے اور ہمارے نبی کریم علیہ الصلوۃ والسلام کے درمیان زمانہ فترت تقریباً چھ سو سال ہے۔

(دوسری بات یہ ہے) کہ نبی کریم علیہ الصلوۃ والسلام کے والدین کریمین زمانہ جاہلیت میں تھے اس وقت جہالت نے مشرق ومغرب کو اپنی لپیٹ میں لے رکھا تھا۔ شرائع کو پہچاننے والے اور صحیح معنوں میں دعوت کو پہچاننے والے چند ایک اہل کتاب علماء تھے اور یہ بھی زمین کے دور دراز علاقوں شام وغیرہ میں فروکش تھے اور آقائے دو جہاں ﷺ کے والدین کریمین نہ تو مدینہ طیبہ کے علاوہ کسی سفر پر نکلے اور نہ ہی لمبی عمریں پائیں کہ ان حق باز علماء کی تلاش کرتے۔ والد گرامی نے تو بہت تھوڑی عمر پائی۔

امام حافظ صلاح الدین العلائی اپنی کتاب ''الدر السنیہ فی مولد خیر البریہ'' میں ارشاد فرماتے ہیں!

جب حضرت آمنہ رضی اللہ تعالی عنہا نور مصطفوی کی امین بنیں، اس وقت حضرت عبداللہ رضی اللہ تعالی عنہ صرف اٹھارہ سال کے تھے اس کے بعد آپ مدینہ منورہ تشریف لے گئے تاکہ اپنے اہل خانہ کے لئے کھجوریں لاسکیں تو وہیں بنونجار میں اپنے ماموؤں کے ہاں انتقال فرما گئے اس وقت تک نبی اکرم ﷺ پیدا نہیں ہوئے تھے۔ انتھی

اسی قدر عمر آپ کی والدہ ماجدہ کی تھی آپ پردہ نشین خاتون تھیں اور مردوں سے ہرگز میل جول نہ تھا۔ اس زمانہ کی اکثر عورتیں مردوں کے دینوں اور مذہبوں سے واقف نہ تھیں۔ خصوصاً زمانہ جاہلیت میں۔ اس زمانہ میں عورتیں کیا مرد بھی واقف نہ تھے۔

یہی وجہ ہے کہ جب نبی کریم علیہ الصلوۃ والسلام مبعوث ہوئے۔تو آپ کی بعثت پر مکہ والے حیران ہوئے اور کہنے لگے جس کو قرآن حکیم نے محفوظ کیا ہے۔

﴿اَبَعَثَ اللّٰهُ بَشَرًا رَّسُوْلًا﴾

۹۴۔ الاسراء ۔ ۱۷

ترجمہ :

کیا اللہ تعالیٰ نے ایک بشر کو رسول بنا کر بھیجا ہے؟ اور

﴿وَلَوْ شَآءَ اللّٰهُ لَاَنْزَلَ مَلٰٓئِكَةً ج مَّا سَمِعْنَا بِهٰذَا فِیْٓ اٰبَآئِنَا الْاَوَّلِیْنَ﴾

۲۴۔ المؤمنون۔۲۳

ترجمہ :

اور اگر اللہ تعالیٰ (رسول بھیجنا) چاہتا تو وہ فرشتوں کو نازل کرتا ہم نے یہ بات اپنے پہلے آباءواجداد سے نہیں سنی۔

اگر ان لوگوں کو رسولوں کی بعثت کا علم ہوتا تو اس امر کا ہرگز انکار نہ کرتے۔

ان کو کوئی ایسا شخص نہیں ملا جو شریعت ابراھیم علیہ الصلوۃ والسلام کو صحیح صورت میں ان تک پہنچاتا اور ایسے لوگ نہیں تھے جو اس شریعت کی حقیقی صورت سے آگاہ ہوں کیونکہ ان کے درمیان اور حضرت ابراھیم علیہ الصلوۃ والسلام کے درمیان تین ہزار سال سے زیادہ وقفہ ہے۔لہذا یہ امر بالکل واضح ہے کہ والدین کریمین اسی مسلک میں داخل ہیں۔

شیخ عز الدین ابن عبدالسلام نے ''الامالی'' میں ارشاد فرمایا ہمارے نبی کریم علیہ الصلوۃ والسلام کے سوا ہر نبی اپنی اپنی قوم کی طرف آیا۔اس قاعدہ پر ہر نبی کی قوم کے علاوہ باقی لوگ اہل فترت سے ہوتے۔پچھلے نبی کی ذریت کا یہ معاملہ نہ تھا کیونکہ وہ پچھلی بعثت کے مخاطب ہوتے مگر جب یہ پچھلی شریعت بھی مٹ جاتی تو سبھی کے سبھی ہی اہل فترت

سے ہوتے۔ انتھی

اب یہ امر بالکل واضح ہو گیا کہ والدین کریمین بغیر شک وشبہ کے اہل فترت سے تھے کیونکہ نہ تو آپ پچھلے نبی حضرت عیسی علیہ الصلوۃ والسلام کی ذریت سے تھے اور نہ ہی یہ ان کی قوم سے تھے۔

(رہی یہ بات) کہ حافظ العصر ابو الفضل احمد بن حجر کا یہ فرمان ''کہ والدین شریفین قیامت کے دن امتحان میں کامیاب ہوں گے'' دو وجہ سے ہے۔

پہلی وجہ:

امام حاکم نے اپنی ''مستدرک'' میں حضرت ابن مسعود رضی اللہ تعالی عنہ سے روایت کیا ہے۔ اور اس روایت کو صحیح قرار دیا ہے۔

ایک انصاری نوجوان نے جو بہت زیادہ نبی کریم علیہ الصلوۃ والسلام سے سوال کرتے تھے عرض کی یارسول اللہ (صلی اللہ علیک وسلم) آپکا کیا خیال ہے۔ کیا آپ کے والدین کریمین دوزخ میں ہیں؟ (العیاذ باللہ)

نبی کریم علیہ الصلوۃ والسلام نے جواب دیا ''قیامت کے روز میں مقام محمود پر ہوں گا اور اپنے والدین کریمین کے بارے (اللہ تعالیٰ سے) جو بھی سوال کروں گا وہ مجھے عطا فرمائے گا۔

اس حدیث شریف سے بالکل واضح ہے کہ جب نبی کریم ﷺ مقام محمود پر فائز ہوں گے تو ان دونوں کی خیر خواہی کریں گے۔ اور وہ اس طرح کہ ان دونوں کے لئے شفاعت کریں گے تو جب اہل فترت کا امتحان ہوگا تو اس امتحان میں یہ سرفراز ہوں گے۔

اس امر میں کوئی شبہ نہیں ہے کہ جب نبی اکرم ﷺ مقام محمود پر فائز ہوں گے تو

آپ سے کہا جائے گا۔

سَلْ تُعْطَ وَاشْفَعْ تُشَفَّعْ

ترجمہ:

آپ سوال کریں، پورا کیا جائے گا۔ شفاعت کیجئے، قبول کی جائے گی۔

احادیث صحیحہ میں اسی طرح ہے۔ تو جب نبی اکرم ﷺ اپنے والدین کریمین کے بارے سوال کریں گے تو آپ کو عطا کیا جائے گا۔

دوسری وجہ:

ابن جریر نے اپنی تفسیر میں حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالی عنہما سے خداوند قدوس کے فرمان۔

﴿وَلَسَوْفَ يُعْطِيكَ رَبُّكَ فَتَرْضَىٰ﴾

۷۔الضحی۔۹۲

کے تحت روایت کیا ہے نبی کریم علیہ الصلوۃ والسلام کی رضا یہ ہوگی کہ آپ کے اہل بیت سے کوئی فرد بھی دوزخ میں داخل نہ ہو۔

اسی لئے حافظ ابن حجر نے تعمیم کی ہے۔ کہ گمان یہ ہے کہ نبی کریم ﷺ کے بھی اہل بیت امتحان میں کامیاب ہوں گے۔

تیسری حدیث شریف:

ابو سعید نے ''شرف النبوہ'' میں اور ''ملا'' نے اپنی سیرت میں حضرت عمران بن حصین رضی اللہ تعالی عنہ سے روایت کیا ہے۔

نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا!

میں نے اپنے پروردگار سے عرض کیا "میرے اہل بیت میں سے کسی کو بھی دوزخ میں داخل نہ کرنا" تو اللہ تعالیٰ نے میری عرضداشت کو قبول فرمالیا۔

اسے حافظ محب الدین الطبری نے بھی اپنی کتاب "ذخائر العقبی" میں روایت کیا ہے۔

چوتھی حدیث شریف:

ان دونوں سے زیادہ صریح ہے۔

تمام الرازی نے اپنے "فوائد" میں ضعیف سند کے ساتھ حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالی عنھما سے روایت کیا ہے۔

نبی مکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا۔

قیامت کے روز میرے والد گرامی، والدہ ماجدہ، چچا جان ابو طالب اور میرے زمانہ جاہلیت کے بھائی کے حق میں میری شفاعت یقیناً قبول ہوگی اس روایت کو علامہ محب الطبری نے اپنی کتاب "ذخائر العقبی" میں روایت کیا ہے علامہ صاحب کا شمار حفاظ اور فقہاء میں ہوتا ہے۔

(روایت درج کرنے کے بعد) ارشاد فرمایا یہ روایت اگر ثابت ہو تو ابو طالب کے حق میں اس مین تاویل ہوگی اور شفاعت سے مراد تخفیف عذاب ہوگی (انتھی)

ان چاروں والد گرامی، والدہ ماجدہ، جاہلی بھائی اور چچا ابو طالب میں سے فقط ابو طالب کے حق میں تاویل اس لئے ہوگی کہ فقط ابو طالب نے زمانہ بعثت پایا مگر اسلام قبول نہ کیا۔ باقی تینوں تو زمانہ فترت میں انتقال کر گئے۔

یہ روایت ایک اور طریق سے بھی حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالی عنہما سے وارد ہے۔ یہ طریق پہلے سے زیادہ ضعیف ہے۔ اس کو ابو نعیم اور دوسرے محدثین نے بھی نقل کیا ہے۔ اس میں تصریح ہے کہ بھائی سے مراد رضاعی بھائی ہے۔

اس روایت کے مختلف طرق ایک دوسرے کو تقویت دیتے ہیں اور یہ قاعدہ ہے کہ حدیث ضعیف کثرت طرق سے قوی ہو جاتی ہے اسی کی مثل حدیث ابن عباس رضی اللہ تعالی عنہما سے ہے امام حاکم نے اس کو صحیح قرار دیا ہے۔

اسی طرح ایک روایت ہے جو اگرچہ مقصود پر صریح نہیں ہے لیکن اس ضمن میں پیش کی جاسکتی ہے۔

دیلمی نے حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالی عنہما سے روایت کیا ہے۔

نبی مکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا!

قیامت کے دن میں سب سے پہلے اپنی اہل بیت کے لئے شفاعت کروں گا پھر قریبی رشتہ داروں کے لئے۔

محب طبری نے ''ذخائر العقبی'' میں حضرت علی رضی اللہ تعالی عنہ سے روایت کیا ہے!

نبی مکرم ﷺ سے روایت کیا ہے۔

اے بنی ہاشم کے گروہ! مجھے اس ذات کی قسم جس نے مجھے حق کے ساتھ نبی بنا کر بھیجا ہے۔ اگر میں حلقہ جنت کو پکڑوں تو تم سے ہی آغاز کروں، اسی طرح علامہ محب الطبری نے حضرت جریو کے حوالہ سے حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ تعالی عنہما سے روایت کیا ہے۔

نبی مکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا۔

ان لوگوں کا کیا حال ہوگا جو خیال کریں گے کہ میری رشتہ داری فائدہ نہ دے گی یہ نفع تو ''حکم'' تک پہنچے گا (یہ یمن کے دو قبیلوں میں سے ایک ہے) میں شفاعت کرتا رہوں گا اور میری شفاعت قبول ہوتی رہے گی حتی کہ (اس شان شفاعت کو دیکھ کر) ابلیس بھی میری شفاعت کی امید کرنے لگے گا۔

لطیفہ:

امام زرکشی نے ''الخادم'' میں ابن دحیہ سے نقل کیا ہے۔ آپ نے ارشاد فرمایا۔ کہ ابو لہب کو جب اس کی لونڈی ثویبہ نے نبی اکرم ﷺ کی پیدائش کی خوشخبری سنائی۔ تو ابو لہب خوش ہوا اور اس خوشی میں ثویبہ کو آزاد کر دیا۔ اس خوشی اور آزادی کا اجر اسے قبر میں ملتا ہے اور سوموار کے دن اس کا عذاب ہلکا کر دیا جاتا ہے یہ تخفیف عذاب بھی نبی اکرم ﷺ کی شفاعت کی ہی ایک قسم ہے اور یہ تخفیف نبی اکرم ﷺ کی کرامت کی وجہ سے ہے۔

تنبیہ:

اس کے بعد میں نے دیکھا کہ امام ابو عبد اللہ محمد بن خلف الابی نے ''شرح مسلم'' میں حدیث اِنَّ اَبَاکَ وَاَبِیْ فِی النَّارِ' کے ذیل میں اس مسئلہ پر تفصیلی بحث کی ہے۔ یہاں پر امام نووی کا قول نقل کیا۔

جو شخص بھی حالت کفر میں مرا۔ اس کو بہت زیادہ قریبی رشتہ داروں کی قرابت بھی فائدہ نہیں دے گی۔

اس کے بعد امام ابو عبد اللہ نے ارشاد فرمایا۔ میں کہتا ہوں کہ اس اطلاق کو دیکھئے! حالانکہ امام سھیلی نے کہا ہے کہ اس طرح کہنا ہمارے لئے جائز نہیں ہے۔

نبی اکرم ﷺ کا ارشاد گرامی ہے۔

فوت شدگان کے حق میں بدکلامی کر کے زندوں کو اذیت نہ دو۔

اور اللہ رب العزت نے ارشاد فرمایا۔

﴿اِنَّ الَّذِیْنَ یُؤْذُوْنَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ لَعَنَهُمُ اللّٰهُ فِی الدُّنْیَا وَالْاٰخِرَةِ﴾

۵۷_الاحزاب۔۳۳

ترجمہ :

بے شک وہ لوگ جو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کو اذیت دیتے ہیں ان پر اللہ تعالیٰ کی دنیا اور آخرت میں لعنت ہے۔

اس لئے امید ہے کہ یہ روایت صحیح ہے کہ اللہ تعالیٰ نے نبی اکرم ﷺ کی گزارش پر والدین کریمین کو زندہ فرمایا اور دونوں ایمان لے آئے۔

نبی مکرم ﷺ کی شان بہت بلند ہے اور اللہ ہر چیز پر قادر ہے اور کسی شے سے عاجز نہیں ہے۔

امام ابو عبد اللہ نے اس کے بعد امام نووی کا قول ذکر کیا۔

"جو لوگ زمانہ فترت میں اہل عرب کی طرح بتوں کی عبادت کرتے ہوے مر گئے وہ جہنمی ہیں اور یہ ہرگز دعوت پہنچنے سے پہلے تعذیب نہیں ہے کیونکہ ان تک حضرت ابراھیم علیہ السلام کی دعوت پہنچی ہے۔

میں (ابو عبد اللہ) کہتا ہوں غور کیجئے امام نووی کے کلام میں منافات ہے، اگر ان لوگوں تک دعوت ابراھیم پہنچی ہے تو یہ اہل فترت سے نہیں ہیں، کیونکہ اہل فترت وہ ہیں جنہوں

نے رسولوں کا درمیانی زمانہ پایا نہ ان تک پہلے رسولوں کی دعوت پہنچی اور نہ ہی بعد والے رسولوں کا زمانہ پایا اس کی مثال وہ بدو لوگ ہیں جن تک نہ ہی حضرت عیسی علیہ السلام کی دعوت پہنچی اور نہ ہی یہ زمانہ مصطفوی تک زندہ رہے اس تفسیر پر فترت کسی بھی دو رسولوں کا درمیانی زمانہ ہے مگر فقہاء جب فترت پر گفتگو کرتے ہیں تو ان کی مراد حضرت عیسی علیہ الصلوۃ والسلام اور نبی اکرم ﷺ کا درمیانی زمانہ ہے۔

جب یقینی دلائل سے یہ بات ثابت ہوگئی کہ حجت قائم ہونے سے پہلے تعذیب نہیں ہے تو معلوم ہوا کہ زمانہ فترت میں انتقال کرنے والوں پر عذاب نہیں ہوگا۔

اگر آپ یہ سوال کریں کہ بعض اہل فترت جیسے صاحب المحجن وغیرہ کی تعذیب پر صحیح احادیث وارد ہیں۔

تو اس کے جواب میں عرض کروں گا کہ اس اعتراض کے عقیل بن ابو طالب نے تین جواب دیئے ہیں۔

ا۔ یہ اخبار آحاد ہیں لہذا قطعی دلائل کے متعارض نہیں ہوسکتیں۔

۲۔ یہ تعذیب مذکورہ افراد تک محدود ہے اور اس انحصار کا سبب اللہ تعالیٰ بہتر جانتا ہے۔

۳۔ ان احادیث میں ان بدبختوں کے عذاب کا ذکر ہے جنہوں نے شرائع کو بدل دیا اور نئی نئی گمراہیوں کو ایجاد کیا۔

جان لیجیے! اہل فترت کی تین قسمیں ہیں

پہلی قسم:

وہ لوگ جنہوں نے اپنی بصیرت سے توحید کو پہچان لیا ان کے پھر دو گروہ ہیں۔

ا۔ جو کسی شریعت میں داخل نہیں ہوئے جیسے قیس بن ساعدہ اور زید بن عمرو بن نفیل

۲۔ جو کسی شریعت میں داخل ہو گئے جیسے تبع اور اس کی قوم۔

دوسری قسم:

وہ لوگ جنہوں نے شریعتوں کو بدل دیا، شرک کیا، اپنے لئے نئے طریقے بنائے اکثر لوگ اس طرح کے ہیں جیسے **عمرو بن لحی** ،اس نے عربوں میں بت پرستی کو ایجاد کیا سائبہ، وصیلہ ، **بحیرہ** اور **حامی** کو رواج دیا۔ عرب لوگوں کے ایک طائفہ نے اس کی رواج دی ہوئی چیزوں پر جنوں اور فرشتوں کی عبادت کو زائد کیا ان کو اللہ تعالیٰ کے بیٹے اور بیٹیاں قرار دیا ان کے لئے معبد بنائے اور حجاب، جو کعبہ کے مشابہ تھے جیسے **لات، عزی** اور **مناۃ** .

تیسری قسم:

وہ لوگ جنہوں نے نہ شرک کیا ، نہ توحید کو اپنایا ، نہ کسی نبی کی شریعت میں داخل ہوئے ، نہ اپنے لئے کوئی نئی شریعت ایجاد کی ، نہ کوئی دین وضع کیا۔ بلکہ ان تمام چیزوں سے غافل رہ کر زندگی گزار دی اور زمانہ جاہلیت میں ایسے لوگ تھے۔

جب اہل فترت کی تین قسمیں ہیں تو عذاب والی روائتیں دوسری قسم پر محمول ہوں گی تیسری قسم کے لوگ حقیقتاً اہل فترت ہیں ان پر قطعی طور پر عذاب نہیں ہے۔ رہی پہلی قسم کا پہلا گروہ تو نبی کریم ﷺ نے **قیس** اور **زید** دونوں کے بارے میں ارشاد فرمایا کہ یہ ایک ایک امت اٹھیں گے اور دوسرا گروہ جیسے **تبع** اور اس کی مثل تو انکا حکم اہل دین والا ہے۔ ان میں سے کسی نے بھی دین اسلام کا زمانہ نہیں پایا جو، ہر دین کو منسوخ کرنے والا ہے۔

(یہاں تک **ابو عبد اللہ** کا کلام ہے)

دوسرا مسلک

والدین کریمین سے شرک ثابت نہیں ہے وہ اپنے جد امجد حضرت ابراھیم علیه الصلوۃ والسلام کے دین حنیف پر تھے اہل عرب میں سے ایک گروہ اسی طرح تھا جیسے زید بن عمر بن نفیل اور ورقه بن نوفل.

والدین کریمین کے سلسلہ میں علماء کے ایک طبقہ کا یہی مسلک ہے ان میں ہی امام فخرالدین رازی علیه الرحمه ہیں آپ نے اپنی کتاب ''اسرار التنزیل'' میں ارشاد فرمایا! ''بعض علماء نے یہ کہا کہ آزر حضرت ابراھیم علیه الصلوۃ والسلام کے والد نہیں تھے بلکہ چچا تھے۔ اس امر پر ان علماء کے دلائل میں سے ایک دلیل یہ ہے کہ

''انبیاء کرام علیہم الصلوۃ والسلام کے آباء کرام کفار نہیں تھے''

اس دعویٰ پر کئی دلائل ہیں ان میں سے ایک یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا۔

﴿اَلَّذِیْ یَرٰاکَ حِیْنَ تَقُوْمُ. وَتَقَلُّبَکَ فِی السّٰجِدِیْنَ﴾

۲۱۹-۲۱۸ الشعراء-۲٦

ترجمہ:

جو آپ کو دیکھتا رہتا ہے جب آپ کھڑے ہوتے اور سجدہ کرنے والوں میں چکر لگاتے ہیں۔

کہا گیا ہے کہ اس آیت کریمہ کا معنی ہے'' کہ نبی اکرم ﷺ کا نور پاک ایک سجدہ گزار سے دوسرے سجدہ گزار میں منتقل ہوتا رہا ہے۔

اس تقدیر پر یہ آیت اس امر پر دلالت کرتی ہے کہ نبی اکرم ﷺ کے تمام آباء و اجداد مسلمان تھے اس سے قطعی طور پر معلوم ہو جاتا ہے کہ حضرت ابراھیم علیه الصلوۃ

والسلام کے والد محترم کافر نہیں تھے کافر آپ کے چچا تھے۔

اس باب میں انتہا یہ ہے کہ آیت کریمہ '' **وتقلبک فی الساجدین** '' کو کسی اور معنی پر محمول کیا جائے (قاعدہ یہ ہے) کہ جب سبھی معنوں پر روایات وارد ہوں اور ان میں باہم منافاۃ نہ ہو تو تمام معنوں پر آیات کا حمل واجب ہوتا ہے جب یہ صحیح ہے تو یہ امر ثابت ہوگا کہ **ابراھیم علیہ الصلوۃ والسلام** کے والد گرامی ہرگز ہرگز بت پرست نہ تھے۔

(اس کے بعد) **امام رازی** نے ارشاد فرمایا ان روایتوں سے ایک روایت یہ ہے جن سے ثابت ہوتا ہے کہ نبی اکرم ﷺ کے آباء کرام مشرک نہیں تھے۔

نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا!

''میں ہمیشہ پاکیزہ پشتوں سے پاکیزہ رحموں میں منتقل ہوتا رہا ہوں''

اور اللہ رب العزت کا ارشاد گرامی ہے۔

﴿اِنَّمَا الْمُشْرِكُوْنَ نَجَسٌ﴾

۲۸ التوبہ ۔ ۹

ترجمہ :

بے شک مشرک ناپاک ہیں۔

(اس روایت اور آیت کا منطقی نتیجہ یہ ہے) کہ نبی کریم ﷺ کے آباء کرام سے ایک بھی مشرک نہ تھا۔

یہ سارا کلام بعینہ **امام فخر الدین رازی** کا ہے۔ آپ کی امامت اور جلالت نگاہ میں رکھنی چاہیئے آپ اپنے زمانہ میں اہل السنہ کے امام تھے۔ اپنے وقت میں بدعتی فرقوں کے رد میں مقرر (من اللہ) تھے اپنے عہد میں مذہب اشاعرہ کے حامی اور مددگار تھے آپ چھٹی

صدی ہجری کے ایسے فرستادہ عالم تھے جو مجدد کے مرتبہ پر فائز تھے تاکہ اس امت کے لئے ان کے دینی امور کی تجدید کریں۔

میری (جلال الدین سیوطی) کی نظر میں اس مسلک اور امام فخر الدین رازی کے نظریہ کی تائید میں چند امور ہیں۔

ان میں سے ایک دلیل یہ ہے جس کو دو مقدموں کے مرکب سے اخذ کیا گیا ہے۔

پہلا مقدمہ۔

احادیث صحیحہ اس امر پر دلالت کرتی ہیں کہ نبی اکرم ﷺ کے سارے اصول حضرت آدم سے حضرت عبد اللہ تک اپنے زمانہ کے بہترین اور افضل لوگ تھے۔ ان کے زمانہ کا کوئی شخص بھی ان سے بہتر اور افضل نہیں تھا۔

دوسرا مقدمہ۔

احادیث اور آثار اس امر پر بھی دلالت کرتے ہیں کہ زمین کبھی بھی حضرت نوح علیہ السلام سے لے کر بعثت نبوی تک اور پھر قیامت تک ایسے لوگوں سے خالی نہ ہوئی، نہ ہوگی، جو فطرت پر قائم رہیں اور اللہ تعالیٰ کی عبادت کریں۔ اس کی توحید کے قائل رہیں اور اس کی بندگی کریں ان کے تصدق سے زمین محفوظ ہے اگر یہ نہ ہوں تو زمین اور اہل زمین تباہ و برباد ہو جائیں۔

جب ان دونوں مقدموں کو ملایا جائے تو قطعی طور پر یہ نتیجہ برآمد ہوتا ہے کہ آقائے دو جہاں ﷺ کے آباء میں سے کوئی بھی مشرک نہ تھا۔ کیونکہ یہ بات طے شدہ ہے کہ ان میں سے ہر ایک اپنے زمانہ کا بہترین اور افضل شخص تھا اگر وہی لوگ آپ کے آباء کرام ہوں جو فطرت پر گامزن تھے تو یہی مقصود ہے اور اگر ان کے غیر ہوں جو شرک پر قائم تھے تو دو میں سے

ایک امر لازم آتا ہے۔ یا تو یہ کہ مشرک مسلمان سے خیر اور افضل ہو۔ یہ اجماعاً باطل ہے۔ اور یا یہ کہ آباء کرام کے علاوہ دوسرے لوگ ان سے افضل ہوں یہ بھی باطل ہے کیونکہ احادیث صحیحہ کے مخالف ہے۔ پس یہ لازم ٹھہرا کہ آباء کرام میں سے کوئی ایک بھی مشرک نہ تھا۔ کیونکہ وہ زمین پر بسنے والوں میں سے اپنے زمانہ کے بہترین لوگ تھے۔

پہلے مقدمہ کی دلیلیں

پہلی حدیث شریف:

امام بخاری نے اپنی صحیح میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالی عنہ سے روایت کیا ہے نبی اکرم ﷺ نے فرمایا۔

میں بنی نوع انسان کے ہر زمانہ میں سے اس موجودہ زمانہ تک بہترین زمانہ میں مبعوث ہوتا رہا ہوں۔

دوسری حدیث شریف:

امام بیہقی نے ''دلائل النبوۃ'' میں حضرت انس رضی اللہ تعالی عنہ سے روایت کیا ہے۔ نبی مکرم ﷺ کا ارشاد گرامی ہے۔

جب بھی لوگ دو گروہوں میں تقسیم ہوئے۔ اللہ تعالیٰ نے مجھے ان دونوں میں سے بہتر میں رکھا۔ یہ سلسلہ میرے والدین تک قائم رہا۔

مجھے زمانہ جاہلیت کی کوئی برائی نہیں پہنچی۔ میں نکاح سے پیدا ہوا ہوں۔ میرے نسب میں سے کوئی بھی حضرت آدم علیہ السلام سے لے کر میرے والدین کریمین تک بد

کاری سے پیدا نہیں ہوا۔ میں تم سے ذات کے اعتبار سے بھی بہتر ہوں اور نسب کے اعتبار سے بھی بہتر ہوں۔

تیسری حدیث شریف۔

ابو نعیم نے ''دلائل النبوۃ'' میں حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالی عنہما سے روایت کیا ہے۔ نبی مکرم ﷺ کا فرمان عالی ہے۔

اللہ تعالی مجھے ہمیشہ پاک پشتوں سے پاک رحموں میں صفائی اور پاکیزگی کی حالت میں منتقل کرتا رہا ہے۔ جب بھی دو گروہ ہوتے۔ میں ان میں سے بہتر میں ہوتا۔

چوتھی حدیث شریف:

امام مسلم اور امام ترمذی نے حضرت واثلہ بن اسقع رضی اللہ تعالی عنہ سے روایت کیا ہے۔ نبی مکرم ﷺ کا ارشاد گرامی ہے۔

بے شک خداوند قدوس نے حضرت آدم علیہ السلام کی اولاد سے حضرت ابراھیم علیہ السلام کا انتخاب کیا۔ حضرت ابراھیم کی اولاد سے حضرت اسماعیل کا انتخاب کیا۔ حضرت اسماعیل سے بنو کنانہ کا انتخاب کیا۔ بنو کنانہ سے قریش کا انتخاب کیا۔ قریش سے بنو ھاشم کا انتخاب کیا۔ بنو ھاشم سے میرا انتخاب کیا۔

امام ترمذی نے اس حدیث کو صحیح قرار دیا ہے۔

پانچویں حدیث شریف:

حافظ ابو القاسم حمزہ بن یوسف سہمی نے فضائل ابن عباس میں حضرت واثلہ سے ان الفاظ میں روایت کیا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم کی اولاد سے حضرت ابراھیم کو چنا۔ اور ان کو اپنا خلیل بنایا۔ حضرت ابراھیم کی اولاد سے حضرت اسماعیل کو چنا۔ حضرت اسماعیل کی اولاد سے نزار کو چنا۔ نزار کی اولاد سے مضر کو چنا۔ مضر سے کنانہ کو چنا۔ کنانہ سے قریش کو چنا۔ قریش سے بنو ھاشم کو چنا۔ بنو ھاشم سے بنو عبد المطلب کو چنا اور بنو عبد المطلب سے مجھے چنا۔

علامہ محب الطبری نے اسی روایت کو ''ذخائر العقبی'' میں ذکر کیا ہے۔

چھٹی حدیث شریف:

ابن سعد نے اپنی ''طبقات میں حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالی عنہ سے روایت کیا ہے۔

نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا ہے!

تمام عرب سے مضر بہتر ہیں اور اولاد مضر سے بنو عبد مناف بہتر ہیں۔ بنو عبد مناف سے بنو ھاشم بہتر ہیں بنو ھاشم سے بنو عبد المطلب بہتر ہیں اللہ کی قسم حضرت آدم کی پیدائش سے لے کر آج تک جب بھی دو گروہ بنے، میں ان میں سے بہتر گروہ میں تھا۔

ساتویں حدیث شریف:

طبرانی. بھیقی اور ابو نعیم نے حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالی عنہ سے روایت کیا ہے۔

نبی مکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا!

اللہ تعالیٰ نے مخلوق کو پیدا کیا۔ تو ان سے بنو آدم کو چنا۔ بنو آدم سے عرب کو چنا عرب سے مضر کو چنا۔ مضر سے قریش کو چنا۔ قریش سے بنو ھاشم کو چنا۔ بنو ھاشم سے مجھے چنا۔ میں ہمیشہ بہتر سے بہتر میں منتقل ہوتا رہا۔

آٹھویں حدیث شریف:

ترمذی اور بیہقی نے حضرت عباس بن عبدالمطلب رضی اللہ تعالی عنه سے روایت کیا ہے۔

آقائے دو جہاں ﷺ نے ارشاد فرمایا!

جب سے اللہ تعالیٰ نے مجھے پیدا کیا ہے مجھے بہترین مخلوق میں رکھا ہے۔ جب سے اللہ تعالیٰ نے قبائل کو پیدا کیا ہے، مجھے بہترین قبیلہ میں رکھا ہے، جب سے لوگوں کو پیدا کیا ہے مجھے بہترین لوگوں میں رکھا ہے، جب سے گھروں کو بنایا ہے مجھے بہترین گھر میں رکھا ہے، میں گھر کی جہت سے بھی سب سے بہتر ہوں اور ذات کے اعتبار سے بھی سب سے بہتر ہوں۔

اس روایت کو امام ترمذی نے حسن قرار دیا ہے۔

نویں حدیث شریف:

طبرانی. بیہقی اور ابو نعیم نے حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالی عنهما سے روایت کیا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے مخلوق کی دو قسمیں کیں تو مجھے بہترین قسم میں رکھا، پھر قسموں کے اثلاث بنائے تو مجھے بہترین ثلث میں رکھا، پھر اثلاث کے قبیلے بنائے تو مجھے بہترین قبیلہ میں رکھا، پھر قبائل کے بیت بنائے تو مجھے بہترین بیت میں رکھا۔

دسویں حدیث شریف:

ابو علی شاذان نے روایت کیا ہے۔محب طبری نے "ذخائر العقبیٰ" میں درج کیا ہے۔اور یہ روایت مسند بزار سے ہے۔حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالی عنہما سے روایت کیا ہے۔

کچھ قریشی لوگ صفیہ بنت عبد المطلب کے پاس گئے اور باہم فخر کرنے لگے جاہلیت کی باتوں کا ذکر کرنے لگے۔

صفیہ بنت عبد المطلب نے کہا' ہم سے رسول اللہ ﷺ ہیں' تو وہ قریشی لوگ کہنے لگے" کھجور کا درخت تو کوڑا کرکٹ میں بھی آگ آتا ہے" صفیہ بنت عبد المطلب نے اس بات کا ذکر نبی اکرم ﷺ سے کیا...... آقائے دوجہاں ﷺ یہ سن کر انتہائی غضب ناک ہوئے۔حضرت بلال رضی اللہ تعالی عنہ سے فرمایا۔لوگوں کو بلاؤ (جب لوگ آگئے) تو نبی اکرم ﷺ منبر پر کھڑے ہو گئے اور ارشاد فرمایا۔

اے لوگو! (بتاؤ) میں کون ہوں؟

لوگوں نے جواب دیا۔آپ اللہ تعالیٰ کے رسول ہیں (ﷺ)

ارشاد فرمایا۔میرا نسب بیان کرو۔

لوگوں نے عرض کی۔محمد بن عبد اللہ بن عبد المطلب (ﷺ)

اب ارشاد فرمایا! ان لوگوں کا کیا حال ہوگا، جو میرے نسب کو گھٹیا بیان کرتے ہیں؟

اللہ کی قسم! میں اہل کے اعتبار سے بھی سب سے بہتر ہوں اور مقام کے لحاظ سے بھی سب سے بہتر ہوں۔

گیارہویں حدیث شریف:

امام حاکم نے ربیع بن حارث سے روایت کیا ہے۔

نبی اکرم ﷺ تک یہ خبر پہنچی کہ کچھ لوگوں نے آپ کے بارے بے ہودہ گوئی کرتے ہوئے کہا ہے (حضرت) محمد (ﷺ) کی مثال تو اس طرح ہے جیسے کھجور کوڑا کرکٹ میں اُگ آتی ہے۔ (یہ سن کر) نبی اکرم ﷺ بہت زیادہ برہم ہوئے اور ارشاد فرمایا اللہ تعالیٰ نے مخلوق کو پیدا کیا۔ ان کے دو فرقے بنائے تو مجھے بہترین فرقہ میں رکھا۔ پھر ان کے قبیلے بنائے تو مجھے بہترین قبیلہ میں رکھا۔ پھر ان کے بیت بنائے تو مجھے بہترین بیت میں رکھا۔ (اس کے بعد) ارشاد فرمایا (سنو!) میں قبیلہ کی جہت سے بھی تم سے بہتر ہوں اور بیت کے اعتبار سے بھی تم سے بہتر ہوں۔

بارہویں حدیث شریف:

طبرانی نے ''اوسط'' میں اور بیہقی نے ''دلائل النبوۃ'' میں سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالی عنہا سے روایت کیا ہے۔

روح کائنات ﷺ کا ارشاد گرامی ہے۔

مجھے روح الامین نے کہا میں نے ساری روئے زمین چھان ماری۔ مشرق سے لے کر مغرب تک۔ مگر میں نے کوئی مرد (حضرت) محمد (ﷺ) سے افضل نہیں دیکھا۔ نہ ہی بنو ہاشم سے افضل کوئی قبیلہ دیکھا۔

حافظ ابن حجر نے اپنی ''الامالی'' میں کہا۔ یہ بات روز روشن کی طرح واضح ہے کہ بہتری، پسندیدگی اور برگزیدگی اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے۔ اور اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں

کبھی بھی افضلیت اور شرک جمع نہیں ہوتے۔

دوسرے مقدمہ کی دلیلیں

پہلا اثر:

عبد الرزاق نے "مصنف" میں معمر سے انہوں نے ابن جریح سے اور سعید بن مسیب سے اور حضرت علی ابن ابی طالب رضی اللہ تعالی عنہ سے روایت کیا ہے۔

روئے زمین پر ہمیشہ کم از کم سات مسلمان رہے ہیں۔ اگر ایسا نہ ہوتا تو زمین اور اہل زمین تباہ و برباد ہوجاتے۔

اس حدیث کی سند شرط شیخین پر صحیح ہے اس طرح کی بات چونکہ اپنی رائے سے نہیں کی جاسکتی اس لئے یہ روایت حکماً مرفوع ہے۔

اس روایت کو ابن المنذر نے اپنی تفسیر میں دبری سے اور انہوں نے عبد الرزاق سے روایت کیا ہے۔

دوسرا اثر:

ابن جریر نے اپنی تفسیر میں شھر بن حوشب سے روایت کیا ہے۔

روئے زمین پر ہمیشہ چودہ شخص ایسے رہے ہیں جن کی برکت سے اہل زمین آباد رہے ہیں مگر حضرت ابراھیم علیہ السلام اپنے وقت میں اکیلے ہی ایسے شخص تھے۔

تیسرا اثر:

ابن المنذر نے اپنی تفسیر میں حضرت قتادہ رضی اللہ عنہ سے اللہ تعالیٰ کے فرمان

﴿قُلْنَا اهْبِطُوْا مِنْهَا جَمِيْعاً ج فَاِمَّا يَاْتِيَنَّكُمْ مِّنِّىْ هُدًى فَمَنْ تَبِعَ هُدَاىَ فَلاَ خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلاَ هُمْ يَحْزَنُوْنَ﴾

۳۸ ۔البقرۃ۔۲

ترجمہ:

ہم نے حکم دیا کہ اس جنت سے سب کے سب اتر جاؤ پھر اگر تمہارے پاس میری طرف سے پیغام ہدایت آئے تو جنہوں نے میری ہدایت کی پیروی کی تو ان پر کوئی خوف نہیں اور نہ وہ غمگین ہوں گے۔

کے تحت روایت کیا ہے۔ زمین پر حضرت آدم علیہ السلام کی تشریف آوری سے لے کر اولیاء ہمیشہ رہے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے ابلیس کیلئے زمین کبھی بھی تنہا نہیں چھوڑی۔ ہمیشہ اس پر اللہ تعالیٰ کے دوست رہے ہیں جو اس کی فرماں برداری کرتے رہے ہیں۔

چوتھا اثر:

حافظ ابو عمر بن عبدالبر نے کہا۔ ابن القاسم نے مالک سے روایت کیا ہے مجھے ابن عباس سے یہ روایت پہنچی ہے۔

ہمیشہ روئے زمین پر اللہ تعالیٰ کے دوست رہیں گے جب تک شیطان کے دوست رہیں گے۔

پانچواں اثر:

امام احمد بن حنبل نے "الزھد" میں اور الخلال نے کتاب "کرامات الاولیاء" میں سند صحیح علی شرط الشیخین کے ساتھ حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالی عنہما سے روایت کیا ہے۔

حضرت نوح علیہ السلام کے بعد روئے زمین پر (کم از کم) سات ایسے شخص موجود رہے ہیں۔ جن کی برکت سے اللہ تعالیٰ نے اہل زمین کو تباہی و بربادی سے محفوظ رکھا ہے۔ یہ روایت بھی حکماً مرفوع ہے۔

چھٹا اثر:

ازرقی نے "تاریخ مکہ" میں زھیر بن محمد سے روایت کیا ہے۔

چہرۂ زمین پر کم از کم سات مسلمان رہے ہیں۔ اگر وہ نہ ہوتے تو زمین اور اہل زمین ہلاک ہوجاتے۔

ساتواں اثر:

جندی نے "فضائل مکہ" میں مجاھد سے روایت کیا ہے۔

چہرہ زمین پر ہمیشہ کم از کم سات مسلمان رہے ہیں۔ اگر وہ نہ ہوتے تو زمین اور اہل زمین ہلاک ہوجاتے۔

آٹھواں اثر:

امام احمد بن حنبل نے "الزھد" میں کعب سے روایت کیا ہے۔

حضرت نوح کے بعد روئے زمین پر (کم از کم) چودہ ایسے اشخاص رہے ہیں جن کی وجہ سے عذاب ٹلتا رہا ہے۔

نواں اثر:

خلال نے کتاب "کرامات الاولیاء" میں زادان سے روایت کیا ہے۔

حضرت نوح کے بعد (کم از کم) بارہ افراد ایسے رہے ہیں جن کی وجہ سے اہل زمین عذاب سے محفوظ رہے ہیں۔

دسواں اثر:

ابن المنذر نے اپنی تفسیر میں سند صحیح کے ساتھ ابن جریح سے فرمانِ الٰہی

﴿رَبِّ اجْعَلْنِیْ مُقِیْمَ الصَّلٰوۃِ وَ مِنْ ذُرِّیَّتِیْ﴾

۴۰ ۔ابراھیم ۔ ۱۴

ترجمہ:

اے میرے رب مجھے اور میری اولاد کو نماز قائم کرنے والا بنا۔

کے تحت نقل کیا ہے۔

حضرت ابراھیم کی اولاد سے ہمیشہ کچھ لوگ فطرت پر قائم رہ کر اللہ تعالیٰ کی عبادت کرتے رہے ہیں۔

مندرجہ بالا تین آثار میں "حضرت نوح کے بعد" کی قید اس لئے ہے کہ حضرت نوح علیہ السلام سے پہلے سارے لوگ ہی ہدایت پر تھے۔

گیارھواں اثر:

بزار نے اپنی مسند میں۔ابن جریر .ابن المنذر اور ابن ابی حاتم نے اپنی اپنی تفسیروں میں اور حاکم نے "المستدرک" میں صحت کے ساتھ حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالی عنہما سے اس فرمان باری تعالیٰ

﴿كَانَ النَّاسُ أُمَّةً وَّاحِدَةً﴾

٢١٣۔ البقرة۔٢

ترجمہ:

(ابتداء میں) سب لوگ ایک ہی دین پر تھے۔

کے تحت روایت کیا ہے۔

حضرت نوح اور حضرت آدم کے مابین دس صدیاں تھیں۔اس زمانہ میں سبھی لوگ شریعت حقہ پر تھے پھراس کے بعد اختلاف کی نذر ہوئے۔تو اللہ تعالیٰ نے انبیاء مبعوث فرمائے

آپ نے فرمایا اسی طرح حضرت عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ تعالی عنہ کی قراءت میں ہے۔

﴿وَ مَا كَانَ النَّاسُ اِلَّآ اُمَّةً وَّاحِدَةً فَاخْتَلَفُوْا﴾

٢٠۔یونس۔١٠

ترجمہ:

ابتداء میں سب لوگ ایک ہی دین پر تھے۔پھران میں اختلاف پیدا ہو گیا۔

بارھواں اثر:

ابو یعلی . طبرانی اور ابن ابی حاتم نے سندصحیح کے ساتھ حضرت ابن

عباس رضی اللہ تعالی عنہما سے روایت کیا ہے۔اللہ تعالیٰ کے فرمان

﴿كَانَ النَّاسُ أُمَّةً وَّاحِدَةً﴾

کا معنیٰ یہ ہے کہ تمام لوگ مسلمان تھے۔

تیرھواں اثر:

ابن ابی حاتم نے حضرت قتادہ رضی اللہ تعالی عنہ سے اسی آیت مذکورہ کے تحت روایت کیا ہے۔

حضرت آدم اور حضرت نوح کے مابین دس صدیاں تھی۔اس زمانہ کے سبھی لوگ ہدایت پر تھے۔اور شریعت حقہ پر تھے۔پھر اس کے بعد اختلاف رونما ہوا۔اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے حضرت نوح علیہ السلام کو بھیجا۔آپ اللہ تعالیٰ کے اہل زمین کی طرف پہلے رسول تھے۔

چودھواں اثر:

ابن سعد نے "طبقات" میں ایک اور طریق سے حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالی عنہما سے روایت کیا ہے۔

حضرت آدم اور حضرت نوح کے درمیانی عرصہ کے آباء تمام کے تمام مسلمان تھے

پندرھواں اثر:

ابن سعد نے سفیان بن سعید الثوری سے،انہوں نے اپنے والدگرامی سے،انہوں نے حضرت عکرمہ رضی اللہ تعالی عنہ سے روایت کیا ہے۔

حضرت آدم اور حضرت نوح کے درمیان دس صدیاں تھیں اس زمانہ کے سبھی

لوگ مسلمان تھے۔

سولھواں اثر:

قرآن حکیم میں ارشاد ہے جس میں حضرت نوح علیہ السلام کی دعا کی حکایت کی گئی ہے۔

﴿رَبِّ اغْفِرْ لِیْ وَلِوَالِدَیَّ وَلِمَنْ دَخَلَ بَیْتِیَ مُؤْمِناً﴾

۲۸۔نوح۔۷۱

ترجمہ:

اے میرے رب! مجھے، میرے والدین کو، اور جو میرے گھر میں ایمان کے ساتھ داخل ہو، بخش دے۔

حضرت نوح علیہ السلام کا بیٹا سام اجماعاً اور نصاً مومن تھا۔ کیونکہ وہ اپنے والد گرامی کے ساتھ کشتی پر بچ گئے تھے۔ (اور یہ بات طے شدہ ہے) کہ اس طوفان سے بچنے والے صرف اہل ایمان ہی تھے۔

اسی طرح قرآن حکیم میں ہے۔

﴿وَجَعَلْنَا ذُرِّیَّتَهٗ هُمُ الْبٰقِیْنَ﴾

۷۷۔ الصافات۔۳۷

ترجمہ:

اور ہم نے فقط ان کی نسل کو باقی رہنے والا بنایا۔

بلکہ اثر میں وارد ہے۔ کہ سام بن نوح نبی تھے۔

اسے ابن سعد نے "الطبقات" میں۔زبیر بن بکار

نے "الموقضیات" میں اور ابن عساکر نے اپنی "التاریخ" میں کلبی سے روایت کیا ہے۔

(اسی طرح) حضرت نوح علیہ السلام کے پوتے ارفخشد کے ایمان کی تصریح ابن عباس رضی اللہ تعالی عنهما کے اثر میں ہے۔

اسے ابن عبد الحکیم نے "تاریخ مصر" میں روایت کیا ہے۔ اس میں یہ بھی ہے کہ انہوں نے اپنے دادا کا زمانہ پایا۔ اور آپ نے ان کے لئے اللہ تعالیٰ سے دعا کی کہ اللہ تعالی ان کی اولاد میں بادشاہت اور نبوت رکھے۔ پھر ارفخشد کی اولاد میں تارخ تک اثر میں تصریح ہے کہ یہ سب اہل ایمان تھے۔

سترھواں اثر:

ابن سعد نے کلبی کے طریق سے ابو صالح سے اور ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنهما سے روایت کیا ہے۔

حضرت نوح علیہ السلام جب کشتی سے نیچے اترے تو ایک بستی کی طرف گئے (آپکے ساتھ اسی لوگ تھے) ان میں سے ہر ایک نے ایک گھر بنایا اس طرح اس کا نام "اسی بازار" پڑ گیا۔ بنو قابیل سارے کے سارے ہلاک ہو گئے تھے۔ حضرت نوح اور حضرت آدم علیهما السلام کے درمیانی عرصہ کے لوگ سارے مسلمان تھے۔ جب اسی بازار (افزائش نسل کی وجہ سے) تنگ پڑ گیا۔ تو یہ لوگ بابل کی طرف منتقل ہو گئے۔ وہاں پر خوب بڑھے اور ایک لاکھ تک پہنچ گئے۔ یہ مسلمان تھے۔ اور مسلمان ہی رہے۔ یہ نمرود بن کوس بن کنعان بن حام بن نوح کی حکومت تک بابل میں ہی رہے۔ اس نمرود نے ان کو بت پرستی کی دعوت دی جوان نے قبول کر لی۔

یہ بعینہ اثر کے الفاظ ہیں۔

ان تمام آثار سے معلوم ہوا کہ نبی اکرم ﷺ کے آباء واجداد حضرت آدم علیہ السلام سے نمرود کے زمانہ تک بالیقین مسلمان رہے۔ اسی کے زمانہ میں حضرت ابراھیم علیہ السلام اور آزر تھے۔ تو آزر اگر حضرت ابراھیم علیہ السلام کے والد ہیں تو ان کا سلسلہ نسب میں استثناء ہوگا۔ اور اگر آپ کے چچا ہیں تو اس قول میں استثناء کی حاجت نہیں ہے۔

میری مراد یہ ہے "کہ آزر ابراھیم علیہ السلام کے والد نہ تھے" اس طرح سلف صالحین کی ایک جماعت سے منقول ہے۔

پہلا اثر:

ابن ابی حاتم نے سند ضعیف کے ساتھ حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالی عنہما سے روایت کیا ہے۔

﴿وَاِذْ قَالَ اِبْرَاهِيْمُ لِاَبِيْهِ اٰزَرَ﴾

٧٤_الانعام_٦

ترجمہ:

اور یاد کرو جب ابراھیم نے اپنے اب آذر سے کہا۔

حضرت ابراھیم علیہ السلام کے والد گرامی کا نام آذر نہیں تھا تارخ تھا۔

دوسرا اثر:

ابن ابی شیبہ. ابن المنذر اور ابن ابی حاتم سے کئی طرق سے روایت کیا

ہے۔ان میں سے بعض طرق صحیح ہیں۔

آذر حضرت ابراھیم علیہ السلام کے والد گرامی نہ تھے۔

تیسرا اثر:

ابن المنذر نے سندِ صحیح کے ساتھ ابن جریح سے اللہ تعالیٰ کے فرمان

﴿وَاِذْقَالَ اِبْرَاهِیمُ لِاَبِیهِ آزَرَ﴾

٧٤_الانعام_٦

ترجمہ:

اور یاد کرو جب ابراھیم نے اپنے اب آزر سے کہا۔

کے تحت روایت کیا ہے۔

آذر حضرت ابراھیم علیہ الصلوۃ والسلام کے والد نہ تھے بلکہ ان کا نام تیرخ یا تارخ بن شارخ بن ناخور بن فاطم تھا۔

چوتھا اثر:

ابن ابی حاتم نے سندِ صحیح کے ساتھ سدی سے روایت کیا ہے آپ سے سوال کیا گیا۔کیا حضرت ابراھیم کے والد کا نام آذر تھا آپ نے فرمایا نہیں بلکہ ان کا نام تارخ تھا۔

اس کے بعد اس امر کی لغوی توجیہہ فرمائی کہ قرآن حکیم میں جو آذر کو اب ابراھیم کہا گیا ہے اس سے مراد چچا ہے کیونکہ عربوں میں مجازی طور پر اب کا لفظ چچا کے لئے استعمال ہوتا ہے۔

قرآن حکیم میں ارشاد ربانی ہے۔

﴿اَمْ كُنْتُمْ شُهَدَآءَ اِذْ حَضَرَ يَعْقُوْبَ الْمَوْتُ اِذْقَالَ لِبَنِيْهِ مَا تَعْبُدُوْنَ مِنْۢ بَعْدِيْ ط قَالُوْا نَعْبُدُ اِلٰهَكَ وَاِلٰهَ اٰبَآءِكَ اِبْرٰهِيْمَ وَاِسْمٰعِيْلَ وَاِسْحٰقَ﴾

۱۳۳۔البقرہ۔۲

ترجمہ:

بھلا کیا تم اس وقت موجود تھے جب یعقوب کو موت آن پہنچی جب اس نے اپنے بیٹوں سے پوچھا میرے بعد کس کی عبادت کرو گے انہوں نے عرض کیا ہم آپ کے اور آپ کے بزرگوں ابراھیم اسماعیل اور اسحق علیھم السلام کے رب کی عبادت کریں گے۔

اس آیت کریمہ میں حضرت اسمعیل کے لئے لفظ اب استعمال ہوا ہے اور وہ حضرت یعقوب علیہ السلام کے چچا تھے۔

پانچواں اثر:

ابن ابی حاتم نے حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالی عنہ سے روایت کیا ہے۔

وہ فرماتے تھے کہ دادا پر بھی ”اب“ کا اطلاق صحیح ہے اور دلیل کے لئے آیت کریمہ تلاوت فرماتے تھے۔

﴿قَالُوْا نَعْبُدُ اِلٰهَكَ وَاِلٰهَ اٰبَآءِكَ﴾

۱۳۳۔البقرہ۔۲

ترجمہ:

انہوں نے عرض کیا! ہم آپ کے اور آپ کے آباء کے رب کی عبادت کریں گے۔

ابن ابی حاتم نے ابو العالیہ سے آیت کریمہ

﴿وَاِلٰهَ آبَآءِ کَ اِبْرٰاهِیْمَ وَاِسْمٰعِیْلَ﴾

۱۳۳۔البقرہ۔۲

ترجمہ:

اور آپ کے آباء ابراھیم اور اسمعیل علیھما السلام کا الہ

کے تحت روایت کی ہے۔

چچا کو "اب" کہا جاتا ہے۔

آپ نے ہی محمد بن کعب القرظی سے روایت کی ہے۔

آپ نے ارشاد فرمایا!

"خالو بھی باپ ہے اور چچا بھی باپ ہے"

پھر آپ نے بطور دلیل یہ آیت تلاوت فرمائی۔

اس ضمن میں سلف صالحین۔صحابہ اور تابعین کے بھی اقوال ہیں۔

یہ اس روایت سے ظاہر ہوتا ہے جس کو ابن المنذر نے اپنی تفسیر میں سند صحیح کے

ساتھ سلیمان ابن صرد سے روایت کیا ہے۔

جب نمرودیوں نے حضرت ابراھیم علیہ الصلوۃ والسلام کو آگ میں پھینکنے

کا ارادہ کرلیا تو وہ لکڑیاں جمع کرنے لگے حتی کہ ایک بوڑھی عورت بھی لکڑیاں جمع کرنے لگی

جب آپ کو آگ میں پھینکنے لگے تو آپ نے فرمایا۔

حَسْبِیَ اللّٰهُ وَنِعْمَ الْوَکِیْلُ (مجھے اللہ تعالیٰ ہی کافی ہے۔وہی اچھا کارساز ہے)

جب پھینک دیا تو اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا!

﴿یَا نَارُ کُونِی بَرْدًا وَّسَلَامًا عَلٰی اِبْرٰھِیْمَ﴾

۶۹۔الانبیاء۔۲۱

ترجمہ:

اے آگ ابراھیم پر ٹھنڈی اور سلامتی والی ہو جا۔

جب حضرت ابراھیم علیہ الصلوۃ والسلام کے چچا نے آگ کو باغ و بہار بنے دیکھ لیا) تو کہنے لگا یہ سب کچھ میری ہی وجہ سے ہوا۔فوراً ہی اللہ تعالیٰ نے آگ کا ایک شرارہ اس کی طرف بھیجا۔وہ اس کے قدموں پر پڑا اور اس کو جلا کر خاکستر کر دیا۔

اس روایت نے ابراھیم علیہ السلام کے چچا کی اصلیت کھول دی اس روایت سے یہ بھی معلوم ہو گیا کہ وہ ان دنوں ہلاک ہو گیا جب حضرت ابراھیم علیہ السلام کو آگ میں ڈالا گیا۔

قرآن حکیم نے یہ بھی واضح کر دیا کہ جب حضرت ابراھیم علیہ الصلوۃ والسلام پر واضح ہو گیا کہ ان کا چچا دشمن خدا ہے تو آپ نے اس کے لئے استغفار کرنا ختم کر دیا۔

آثار نے اس امر پر آگہی دی کہ اس کی اصلیت اس وقت کھل گئی جب وہ شرک کی حالت میں مر گیا اس کے بعد آپ نے اس کے لئے ہرگز استغفار نہیں کیا۔

ابن ابی حاتم نے سند صحیح کے ساتھ حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالی عنہ سے روایت کیا ہے۔

حضرت ابراھیم علیہ الصلوۃ والسلام اپنے ''اب'' کے انتقال تک اس کے

لئے استغفار کرتے رہے۔ جب آپ پر واضح ہوا کہ وہ دشمن خدا ہے تو استغفار کرنا چھوڑ دیا۔

ابن ابی حاتم نے **محمد بن کعب، قتادہ، مجاھد** اور دوسرے احباب نے روایت کیا ہے۔

حضرت **ابراھیم علیه الصلوۃ والسلام** اپنے چچا آذر کی زندگی میں ان کے ایمان کے بارے پر امید تھے مگر جب اس کی موت شرک کی حالت میں واقع ہوگئی تو آپ نے اس سے براءت کر دی۔ آگ میں پھینکے جانے کے واقعہ کے بعد شام کی طرف ہجرت کر گئے۔ جس طرح اس سلسلہ میں قرآن پاک میں نص وارد ہے پھر آپ کچھ دیر بعد مصر ہجرت کر گئے وہاں پر حضرت **سارہ** کے حوالہ سے ایک جابر بادشاہ سے سامنا ہوا پھر اس نے حضرت **ھاجرہ** کو خدمت کے لئے پیش کیا اس کے بعد حضرت **ابراھیم علیه الصلوۃ والسلام** شام کی طرف لوٹ گئے اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے آپ کو حکم دیا کہ حضرت **ہاجرہ** اور ان کے بیٹے حضرت **اسمعیل** کو مکہ منتقل کر دو آپ نے ان دونوں کو مکہ میں چھوڑتے وقت دعا کی۔

﴿رَبَّنَآ اِنِّیٓ اَسۡکَنۡتُ مِنۡ ذُرِّیَّتِیۡ بِوَادٍ غَیۡرِ ذِیۡ زَرۡعٍ .... رَبَّنَا اغۡفِرۡلِیۡ وَلِوَالِدَیَّ وَلِلۡمُؤۡمِنِیۡنَ یَوۡمَ یَقُوۡمُ الۡحِسَابُ﴾

۱۴۔ابراھیم۔۳۷۔۴۱

ترجمہ:

اے ہمارے رب میں نے اپنی کچھ اولاد کو اس وادی میں بسا دیا ہے جس میں کھیتی باڑی نہیں۔ اے ہمارے رب مجھے میرے ماں باپ اور سب اہل ایمان کو حساب کے دن بخش دے۔

اس دعا میں آپ نے اپنے والدین کے لئے استغفار کیا اور یہ واقعہ آپ کے چچا کی ہلاکت کے ایک طویل عرصہ بعد کا ہے اس سے بالکل واضح ہو جاتا ہے کہ قرآن حکیم میں جس کے کفر کا اور حضرت ابراھیم کا اس کے لئے استغفار کے سلسلہ میں براءت کا اظہار ہے وہ آپ کا چچا ہے والد حقیقی نہیں ہے۔

(اس الہامی تحقیق پر اللہ تعالیٰ کا شکر ہے)

ابن سعد نے "الطبقات" میں کلبی سے روایت کیا ہے۔

جب حضرت ابراھیم علیہ الصلوۃ والسلام نے بابل سے شام کی طرف ہجرت کی تو اس وقت آپ کی عمر ۳۷ سال تھی۔ پھر آپ حران آئے اور ایک زمانہ وہاں قیام کیا پھر ایک عرصہ تک اردن قیام کیا پھر مصر تشریف لے آئے اور ایک زمانہ وہاں ٹھہرے پھر شام کی طرف لوٹ آئے اور سبع کے مقام پر قیام کیا جو ایلیاء اور فلسطین کے درمیان ہے یہاں کے بعض لوگوں نے آپ کو اذیت پہنچائی تو آپ نے ان سے کوچ کیا اور ایک مقام رملۃ اور ایلیاء کے درمیان قیام پذیر ہو گئے۔

ابن سعد نے واقدی سے روایت کیا ہے جب ابراھیم علیہ الصلوۃ والسلام کے ہاں اسماعیل علیہ السلام پیدا ہوئے تو آپ کی عمر ۹۰ سال تھی۔

ان دونوں اثروں سے معلوم ہوتا ہے کہ آگ میں ڈالے جانے والے واقعہ کے بعد بابل سے ہجرت کرنے اور وادی مکہ میں (حضرت ہاجرہ واسماعیل کو چھوڑتے وقت) دعا کرنے میں پچاس سال سے زیادہ کا عرصہ ہے۔

تتمیم:

اس کے بعد حضرت ابراھیم اور حضرت اسماعیل علیھما السلام میں

توحید جاری رہی۔

علامہ شہرستانی نے "الملل والنحل" میں کہا۔ عمومی طور پر صدر عرب میں دین ابراہیم اور توحید قائم رہی۔ عمرو بن لحی وہ پہلا شخص ہے جس نے اس میں تبدیلی کی اور بت پرستی کو رواج دیا۔

میں کہتا ہوں۔ یہ امر حدیث صحیح سے ثابت ہے۔

بخاری اور مسلم نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالی عنہ سے روایت کیا ہے۔ نبی اکرم ﷺ کا ارشاد گرامی ہے۔

میں نے عمرو بن لحی الخزاعی کو دیکھا کہ وہ جہنم میں اپنی آنتیں گھسیٹ رہا ہے یہی وہ پہلا شخص ہے جس نے "سوائب" کو رواج دیا۔

امام احمد بن حنبل اپنی مسند میں ابن مسعود رضی اللہ تعالی عنھما سے روایت کرتے ہیں نبی مکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا۔

ابو خزاعہ عمرو بن عامر وہ پہلا شخص ہے جس نے سوائب کو رواج دیا اور بت پرستی کی۔ میں نے دیکھا کہ وہ اپنی آنتیں دوزخ میں گھسیٹ رہا ہے۔

ابن اسحاق اور ابن جریر نے اپنی اپنی تفسیر میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالی عنہ سے روایت کیا نبی مکرم ﷺ کا ارشاد گرامی ہے۔

میں نے عمرو بن لحی بن قمعہ بن جندب کو دیکھا کہ وہ جہنم میں اپنی آنتوں کو گھسیٹ رہا ہے۔ یہ وہ پہلا شخص ہے جس نے دین ابراہیمی کو بدلا۔

ابن اسحاق کے لفظ اس طرح ہیں۔

یہ وہ پہلا شخص ہے جس نے دین اسماعیلی کو تبدیل کیا، بتوں کو نصب کیا۔

اس روایت کے اور بھی طرق ہیں۔

بزار نے اپنی مسند میں سند صحیح کے ساتھ حضرت انس رضی اللہ تعالی عنه سے روایت کیا ہے۔

حضرت اسماعیل کے بعد لوگ اسلام پر گامزن تھے۔ شیطان لوگوں کو برائیاں دکھاتا تھا۔ یہ چاہتا تھا کہ ان کو اسلام سے پھیر دے۔ تو اس نے تلبیہ میں نئے الفاظ داخل کر کے یوں بنا دیا۔

لَبَّیکَ اَللّٰھُمَّ لَبَّیکَ لَا شَرِیکَ اِلاَّ شَرِیکَ ھُوَ لَکَ تَملِکُه، وَمَا مَلَکَ

یہ اپنی کوشش میں سرگرم رہا۔ یہاں تک کہ لوگوں کو اسلام سے نکال کر شرک کی طرف لے آیا۔

امام سهیلی نے "الروض الانف" میں لکھا ہے۔

عرب لوگوں نے اس کو رب بنالیا۔ جس بدعت کو اس نے رواج دیا انہوں نے بڑی تیزی کے ساتھ اسے قبول کر لیا۔ کیونکہ یہ شخص کھانا کھلاتا ہے اور کپڑے پہناتا تھا (بڑی سخاوت کرتا تھا)

ابن اسحاق نے ذکر کیا ہے۔

عمرو بن لحی وہ پہلا شخص ہے جس نے حرم میں بتوں کو داخل کیا اور لوگوں کو ان کی عبادت پر اکسایا۔ ابراھیم علیه السلام کے زمانہ مبارک سے تلبیہ ان الفاظ سے جاری تھا۔

لَبَّیکَ اَللّٰھُمَّ لَبَّیکَ لَا شَرِیکَ لَکَ لَبَّیکَ

جب عمرو بن لحی کا زمانہ آیا۔ ایک روز یہ تلبیہ کر رہا تھا۔ کہ شیطان ایک شیخ کی صورت میں اس کے پاس آکر تلبیہ کرنے لگا۔

عمرو بن لحی نے کہا۔ لَبَّیْکَ لَا شَرِیْکَ لَکَ

شیخ نے کہا۔ اَ لَا شَرِیْکًا ھُوَ لَکَ

عمرو بن لحی نے انکار کیا اور پوچھا یہ کیا ہے؟

شیخ نے کہا۔ کہ تَمْلِکُهٗ وَمَا مَلَکَ. اس میں کوئی حرج نہیں۔

عمرو بن لحی نے کہہ دیا، تو اس طرح یہ تلبیہ عربوں میں رواج پا گیا۔

حافظ عماد الدین بن کثیر نے اپنی ''تاریخ'' میں کہا ہے۔

عرب دین ابراہیمی پر تھے۔ مگر جب عمرو بن عامر خزاعی مکہ کا والی بنا اس نے نبی اکرم ﷺ کے اجداد کرام سے بیت اللہ شریف کی سرپرستی چھین لی۔ اسی بدبخت نے بت پرستی شروع کی۔ عربوں میں سوائب جیسی نئی گمراہیوں کو جاری کیا۔ تلبیہ کے الفاظ میں اس طرح تبدیلی کی۔

لَبَّیْکَ اَللّٰھُمَّ لَبَّیْکَ لَا شَرِیْکَ لَکَ (اصل الفاظ)

اَلَا شَرِیْکًا ھُوَ لَکَ تَمْلِکُهٗ وَمَا مَلَکَ (نئے الفاظ)

سب سے پہلے یہ نئے الفاظ اس نے کہے بعد ازاں عربوں نے اس کی پیروی کی ۔۔۔ اور شرک کرنے لگے تو اس طرح قوم نوح اور باقی پہلی قوموں کے مشابہ ہو گئے۔ ان میں کچھ لوگ دین ابراہیمی پر قائم رہے۔ یہ شخص تین سو سال تک بیت اللہ شریف کا سرپرست رہا۔ اس کی ولایت نحوست سے لبریز تھی۔ جب نبی اکرم ﷺ کے جد امجد قصی کا زمانہ آیا تو ان نے اس سے جنگ کی۔ اس جنگ میں عربوں کی مدد حاصل کی اور اس طرح بیت اللہ شریف کی سرپرستی ان سے حاصل کر لی۔ اب عرب عمرو الخزاعی کی ایجاد کردہ بت پرستی جیسی لعنتوں کی طرف نہ آئے۔ کیونکہ انہوں نے ایک صحیح دین دیکھ لیا تھا جس میں تبدیلی

کرنا مناسب نہ تھا۔ (انتھی)

پس ثابت ہو گیا کہ نبی اکرم ﷺ کے آباء واجداد حضرت ابراھیم علیہ السلام کے عہد سے لے کر عمرو الخزاعی کے زمانہ تک بالیقین اہل ایمان رہے۔

دوسرا امر وہ آیات اور آثار ہیں جو حضرت ابراھیم علیہ السلام کی اولاد کے بارے اس مسلک کی تائید کرتے ہیں۔

قرآن حکیم میں یہ آیت اس مسلک کی تائید میں بہت زیادہ صریح ہے۔

﴿وَاِذْقَالَ اِبْرَاهِیْمُ لِاَبِیْهِ وَقَوْمِهٖۤ اِنَّنِیْ بَرَآءٌ مِّمَّا تَعْبُدُوْنَ. اِلَّا الَّذِیْ فَطَرَنِیْ فَاِنَّهٗ سَیَهْدِیْنِ .وَجَعَلَهَا كَلِمَةًۢ بَاقِیَةً فِیْ عَقِبِهٖ لَعَلَّهُمْ یَرْجِعُوْنَ﴾

۲۸_۲۷_۲۶_ الزخرف_۴۳

ترجمہ:

اور جب ابراھیم نے اپنے اب اور اپنی قوم سے کہا۔ میں ان سے بیزار ہوں جن کی تم عبادت کرتے ہو سوائے اس کے جس نے مجھے پیدا کیا بیشک وہی میری رہنمائی کرے گا اور آپ نے کلمۂ توحید کو اپنی اولاد میں باقی رہنے والا بنا دیا۔ تا کہ وہ اس کی طرف رجوع کریں۔

عبد بن حمید نے اپنی تفسیر میں اپنی سند کے ساتھ حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالی عنھما کی روایت اور رب العزت کے فرمان

﴿وَجَعَلَهَا كَلِمَةًۢ بَاقِیَةً فِیْ عَقِبِهٖ﴾

کے تحت درج کی ہے۔

لا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ حضرت ابراھیم علیہ السلام کی اولاد میں باقی رہا۔

عبد بن حمید ابن جریر اور ابن المنذر نے حضرت مجاھد سے اسی فرمان الٰہی کے تحت روایت کیا ہے کہ کلمہ سے مراد لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ ہے۔

عبد ابن حمید نے یونس سے انہوں نے شیبان سے ان نے حضرت قتادہ سے اس فرمان الٰہی کے ضمن میں روایت کیا ہے۔

حضرت ابراھیم کی اولاد میں ہمیشہ ایسے لوگ رہے جو لا الہ الا اللّٰہ اور توحید کی گواہی دیتے رہے۔

عبد الرزاق نے اپنی تفسیر میں معمر سے اورانہوں نے حضرت قتادہ سے اسی آیت کے تحت روایت کیا ہے۔کلمہ سے مراد ''اخلاص اور توحید ہے''۔حضرت ابراھیم کی اولاد میں ہمیشہ ایسے لوگ رہے جو توحید الٰہی کے قائل رہے اور اللہ تعالیٰ کی عبادت کرتے رہے۔

ابن منذر نے یہ روایت کی اور پھر ارشاد فرمایا! ابن جریح نے اسی آیت کے تحت فرمایا ہے حضرت ابراھیم علیہ الصلوۃ والسلام کی اولاد میں ہمیشہ ایسے لوگ رہے ہیں جو لا الہ الا اللّٰہ کے قائل رہے۔

دوسرا قول یہ ہے کہ حضرت ابراھیم علیہ الصلوۃ والسلام کی اولاد میں ہمیشہ ایسے لوگ قیامت تک رہیں گے جو دین فطرت پر رہ کر اللہ تعالیٰ کی عبادت کریں گے۔

عبد بن حمید نے زھری سے اس آیت کے تحت روایت فرمایا ہے!

عقب سے مراد حضرت ابراھیم علیہ الصلوۃ والسلام کے بیٹے بیٹیاں اور بیٹوں کی اولاد ہیں۔

دوسری آیت:

﴿وَاِذْ قَالَ اِبْرٰهِیْمُ رَبِّ اجْعَلْ هٰذَا الْبَلَدَ اٰمِنًا وَّاجْنُبْنِیْ وَبَنِیَّ اَنْ نَّعْبُدَ الْاَصْنَامَ﴾

۳۵_ابراهیم _ ۱۴

ترجمہ:

اور جب **ابراهیم علیہ الصلوۃ والسلام** نے کہا اے میرے رب اس شہر کو امن والا بنا اور مجھے اور میرے بچوں کو بت پرستی سے بچا۔

ابن جریر نے اپنی تفسیر میں اس آیت کے تحت **مجاهد** سے روایت کیا ہے! اللہ تعالیٰ نے حضرت **ابراهیم** کی دعا ان کی اولاد کے حق میں قبول فرمالی اور ان کی اولاد میں کسی نے بھی بت پرستی نہ کی اس طرح شہر مکہ کو امن کا گہوارہ بنا دیا اور اس میں رہنے والوں کو پھل عطا کئے آپ کو منصب امامت عطا کیا اور آپ کی اولاد میں ہمیشہ ایسے لوگ رکھے جو نماز کو قائم کرتے رہے۔

بیهقی نے "**شعب الایمان**" میں **وهب بن منبه** سے روایت کیا ہے۔

حضرت **آدم علیه السلام** جب زمین پر تشریف لائے تو وحشت محسوس کی اس کے بعد بیت اللہ شریف کے قصے میں لمبی ساری حدیث کا ذکر کیا جس میں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت **ابراهیم علیه الصلوۃ والسلام** کے بارے میں حضرت **آدم علیه السلام** کو ارشاد فرمایا!

میں ان کو ایک فرمانبردار اُمت بناؤں گا وہ میری توفیق و اجازت سے لوگوں کو میری راہ کی طرف بلائیں گے، میں ان کو چن لوں گا، صراط مستقیم پر گامزن رکھوں گا، ان کی اولاد اور ذریت کے بارے میں ان کی دعا کو قبول کروں گا، ان کے حق میں ان کی شفاعت کو قبول

کروں گا، اوران کوخانہ کعبہ کا حامی، سرپرست اورنگہبان رکھوں گا۔

حضرت مجاھد کا قول جس کا ذکرابھی گزرا، یہ اثراس کے موافق ہے۔ اس امر میں کوئی شک نہیں ہے کہ حضرت ابراھیم علیه الصلوة والسلام کی اولادمیں سے بیت اللہ شریف کی نگہبانی نبی کریم ﷺ کے اجداد کرام کے حوالے رہی اوراس منصب میں یہی معروف رہے عمرو الخزاعی نے اپنے زمانہ میں یہ منصب ان سے چھین لیامگرپھران کی طرف ہی لوٹ آیا۔

یقینی طورپریہ بات معلوم ہوگئی کہ حضرت ابراھیم علیه الصلوة والسلام کی ذریت کے حق میں جس قدرخیرکاذکرکیا(آیات وآثار) میں ہوااس کے زیادہ حقداراجداد شریفہ ہیں جن کواللہ تعالیٰ نے اپنی پسندیدگی کے ساتھ مخصوص فرمایااوریکے بعددیگرے ان میں نورمصطفوی منتقل ہوتارہا۔

یہ اجداد کرام اس بات کے زیادہ حقدار ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے اس فرمان میں بعض سے جن اشخاص کی طرف اشارہ کیا ہے، وہ یہی ہیں۔

﴿رَبِّ اجْعَلْنِیْ مُقِیْمَ الصَّلٰوۃِ وَمِنْ ذُرِّیَّتِیْ﴾

۴۰. ابراھیم. ۱۴

ترجمہ:

اے میرے رب مجھے اور میری اولاد کونماز قائم کرنے والا بنا۔

ابن ابی حاتم نے سفیان بن عینیه سے روایت کیا ہے۔

آپ سے سوال کیا گیا کہ حضرت اسماعیل کی اولاد سے کسی نے بت پرستی کی؟

آپ نے فرمایا! نہیں۔ کیا تونے آپ کی (قرآن حکیم میں موجود) دعانہیں سنی؟

﴿وَاجۡنُبۡنِیۡ وَبَنِیَّ اَنۡ نَّعۡبُدَ الۡاَصۡنَامَ﴾

۳۵۔ابراھیم۔۱٤

ترجمہ :

مجھے اور میرے بچوں کو بت پرستی سے بچا۔

سوال کرنے والے نے دہرایا تو اس دعا میں حضرت اسحاق کی اولاد اور حضرت ابراھیم کی باقی اولاد کس طرح داخل نہ ہوئی۔

آپ نے ارشاد فرمایا اس طرح کہ حضرت ابراھیم علیہ السلام نے جب (اسمعیل وھاجرہ) کو وادی مکہ میں ٹھہرایا تو صرف اس وادی والوں کے لئے دعا فرمائی، عرض کی۔

﴿اِجۡعَلۡ ھٰذَا الۡبَلَدَ اٰمِنًا﴾

۳۵۔ابراھیم۔۱٤

ترجمہ :

اس شہر کو امن والا بنا دے۔

تمام شہروں کے لئے یہ دعا نہیں کی۔ آپ نے عرض کی!

﴿وَاجۡنُبۡنِیۡ وَبَنِیَّ اَنۡ نَّعۡبُدَ الۡاَصۡنَامَ﴾

۳۵۔ابراھیم۔۱٤

ترجمہ :

اور میری اولاد کو بت پرستی سے محفوظ رکھ۔

آپ نے اپنے اہل کو اس دعا کے لئے خاص کیا، عرض کی!

﴿رَبَّنَآ اِنِّیۡۤ اَسۡكَنۡتُ مِنۡ ذُرِّيَّتِیۡ بِوَادٍ غَيۡرِ ذِیۡ زَرۡعٍ عِنۡدَ بَيۡتِكَ الۡمُحَرَّمِ لا رَبَّنَا

لِیُقِیْمُوا الصَّلٰوۃَ ﴾

۳۷۔ابراھیم۔۱۴

ترجمہ :

اے ہمارے رب! میں نے اپنی کچھ اولاد کو ایسی وادی میں بسا دیا ہے جس میں کھیتی باڑی نہیں تیرے حرمت والے گھر کے پاس اے ہمارے رب! تاکہ وہ نماز قائم کریں۔

سفیان بن عینیہ کے اس جواب پر غور فرمائیں آپ آئمہ مجتہدین سے ہیں اور ہمارے امام۔امام شافعی رضی اللہ تعالی عنہ کے استاد ہیں۔

تیسری آیت:

اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراھیم علیہ السلام کی دعا کی حکایت کی ہے۔

﴿رَبِّ اجْعَلْنِیْ مُقِیْمَ الصَّلٰوۃِ وَمِنْ ذُرِّیَّتِیْ ﴾

۴۰۔ابراھیم۔۱۴

ترجمہ:

اے میرے رب مجھے اور میری ذریت کو نماز قائم کرنیوالا بنا۔

ابن منذر نے ابن جریج سے اسی آیت کریمہ کے تحت روایت کیا ہے۔

حضرت ابراھیم علیہ الصلوۃ والسلام کی ذریت سے ہمیشہ کچھ لوگ دین فطرت پر رہیں گے جو اللہ تعالیٰ کی عبادت کریں گے۔

چوتھی آیت:

ابو الشیخ نے اپنی تفسیر میں زید بن علی سے روایت کیا ہے۔

جب حضرت سارہ رضی اللہ تعالی عنہا کو فرشتوں نے بیٹے کی مبارک دی تو

آپ نے فرمایا!

﴿یٰوَیْلَتٰٓی ءَاَلِدُ وَاَنَا عَجُوْزٌ وَّھٰذَا بَعْلِیْ شَیْخًا اِنَّ ھٰذَا لَشَیْءٌ عَجِیْبٌ﴾

۷۲۔ھود۔۱۱

ترجمہ:

وائے حیرانی کہ میں بچہ جنوں گی حالانکہ میں بوڑھی ہوں اور یہ میرے میاں بھی بوڑھے ہیں بلاشبہ یہ تو عجیب وغریب بات ہے۔

فرشتوں نے حضرت سارہ رضی اللہ تعالی عنہا کو جواب دیا۔

﴿اَتَعْجَبِیْنَ مِنْ اَمْرِ اللّٰہِ رَحْمَةُ اللّٰہِ وَبَرَکٰتُہٗ عَلَیْکُمْ اَھْلَ الْبَیْتِ ط اِنَّہٗ حَمِیْدٌ مَّجِیْدٌ﴾

۷۳۔ھود۔۱۱

ترجمہ:

انہوں نے کہا۔کیا تم اللہ کے حکم پر تعجب کرتی ہو۔تم پر اے ابراھیم کے گھر والو۔اللہ تعالیٰ کی رحمت اور اسکی برکتیں ہوں، بے شک وہ تعریف کیا ہوا اور بڑی شان والا ہے۔

آپ نے ارشاد فرمایا، یہ اس فرمان الہی کی طرح تھا۔

﴿وَجَعَلَھَا کَلِمَةً م بَاقِیَةً فِیْ عَقِبِہٖ﴾

۲۸۔الزخرف۔۴۳

ترجمہ:

اور انہوں نے اپنی نسل میں کلمہ توحید باقی رہنے والا بنا دیا۔

نبی اکرم ﷺ حضرت ابراھیم علیہ السلام کے ''عقب'' سے ہیں۔اور اس فرمان میں داخل ہیں۔

ابن حبیب نے اپنی تاریخ میں حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالی عنھما سے روایت کیا ہے۔

عدنان . معد . ربیعہ. مضر. خزیمہ اوران کی اصل، ملت ابراہیمی پر تھے۔ ان کا ذکر ہمیشہ بھلائی کے ساتھ کرو۔

ابو جعفر طبری اوردوسرے مفسرین نے ذکر کیا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے ارمیاء کی طرف وحی کی۔ کہ بخت نصر کی طرف جاؤ۔ اسے آگاہ کرو کہ میں اس کو عرب پر غلبہ عطا کروں گا۔ اللہ تعالیٰ نے ارمیاء کو یہ حکم بھی دیا کہ وہ معد بن عدنان براق پر اپنے ہمراہ لے جائے تاکہ کسی عذاب سے دوچار نہ ہو۔ اس لئے کہ ان کی پشت سے میں وہ نبی اکرم ﷺ ظاہر کرنے والا ہوں جن پر سلسلہ رسالت ختم ہو جائے گا۔ ارمیاء نے اسی طرح کیا۔ معد کو سرزمین شام لے گئے۔ بنی اسرائیل کے ساتھ ٹھہرے فتنوں کے ختم ہونیکے بعد وہاں سے لوٹے۔

ابن سعد نے ''الطبقات'' میں عبداللہ بن خالد سے روایت کیا ہے۔

نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا۔

مضر کے بارے بے ہودہ گوئی نہ کرو وہ یقیناً مسلمان تھے۔

سھیلی نے ''الروض الانف'' میں مندرجہ ذیل حدیث

''مضر اور ربیعہ کے بارے بے ہودہ گوئی نہ کرو، وہ صاحبان ایمان تھے''

کے بعد کہا۔ اس کی سند پر میں آگاہ ہوں۔

ابو بکر محمد بن خلف بن حبان المعروف بوکیع نے ''الغرر فی الاخبار'' میں روایت کیا ہے۔

اسحاق بن داؤد بن عیسی المروزی نے ابو یعقوب الشعرانی سے انہوں نے سلیمان بن عبد الرحمان الدمشقی سے۔انہوں نے یحیی بن طلحہ بن عبید اللہ سے انہوں نے اسماعیل بن محمد بن سعد ابن بابی وقاص سے۔ انہوں نے عبد الرحمان بن ابی بکر صدیق سے روایت کیا ہے۔

نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا۔

ربیع اور مضر کو گالیاں نہ دو، وہ دونوں مسلمان تھے۔

آپ نے ہی اپنی سند کے ساتھ سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالی عنہا سے روایت کیا ہے۔

آقائے دوجہاں ﷺ نے ارشاد فرمایا۔

تمیم اور ضبہ کو گالیاں نہ دو، وہ دونوں مسلمان تھے۔

آپ نے ہی اپنی سند کے ساتھ حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالی عنہ سے روایت کیا ہے۔

نبی اکرم ﷺ کا ارشاد گرامی ہے۔

قیس کو گالیاں نہ دو، وہ مسلمان تھے۔

امام سہیلی نے کہا۔ بنی اکرم ﷺ سے روایت کیا جاتا ہے۔

الیاس کے بارے بے ہودہ گفتگو نہ کرو، وہ مسلمان تھے، اہل ایمان تھے۔

یہ بھی ذکر کیا گیا ہے۔

وہ یعنی الیاس اپنی پشت میں بنی اکرم ﷺ کا حج کے دنوں میں تلبیہ سنتے تھے۔

آپ نے مزید فرمایا۔

کعب بن لوی وہ پہلے شخص ہیں یوم العروبہ کو اجتماع کیا، یہ بھی کہا گیا ہے۔ یہ ہی وہ مرد صالح ہے جس نے اس دن کا نام جمعہ رکھا۔ قریش جمعہ کے دن اس کے پاس جمع ہوتے تھے آپ خطاب کرتے تھے اور نبی اکرم ﷺ کی بعثت کا ذکر کرتے۔ قریش کو اس امر پر آگاہ کرتے کہ وہ بابرکت نبی ان کی نسل سے ہی ہوں گے۔

کعب بن لوی قریش کو نبی اکرم ﷺ کی پیروی اور ان پر ایمان لانے کا حکم دیتے۔ اس سلسلہ میں یہ اشعار پڑھتے۔

اے کاش میں اس دعوت کے وقت موجود ہوں۔

جب قریش حق کی رسوائی چاہیں گے۔

امام ماوردی نے اس خبر کو محمد بن کعب سے اپنی تصنیف ''اعلام النبوۃ'' میں بھی روایت کیا ہے۔

میں کہتا ہوں۔ ابو نعیم نے بھی اس خبر کی اپنی سند کے ساتھ ابو سلمہ بن عبد الرحمان بن عوف سے اپنی کتاب ''دلائل النبوۃ'' میں روایت کی ہے۔ آخر میں الفاظ یہ ہیں کہ کعب کے وصال اور نبی اکرم ﷺ کی بعثت میں ۵۶۰ سال کا فاصلہ ہے۔

امام ماوردی ہمارے اصحاب کے آئمہ سے ہیں۔ ''الحاوی الکبیر'' کے مصنف ہیں۔ ''اعلام النبوۃ'' بھی ان کی عظیم کتاب ہے جس کے فائدے کثیر ہیں۔ میں نے اس کی زیارت کی ہے۔ اور میں عنقریب اس کتاب سے اس رسالہ میں نقل بھی کروں گا۔

ہماری اس ساری بحث کا حاصل یہ ہے کہ نبی اکرم ﷺ کے آباء کرام کعب بن لوی تک سارے کے سارے دین ابراہیمی پر تھے۔ ان کے بیٹے مرہ بن کعب بھی ظاہر ہے کہ مسلمان تھے کیونکہ ان کے والد گرامی نے ان کو ایمان کی وصیت کی تھی۔

مرہ بن کعب اور عبد المطلب کے درمیان چار واسطے ہیں کلاب. قصی. عبد مناف. اور ھشام.

ان کے بارے مجھے کوئی روایت نہیں ملی نہ مثبت نہ منفی۔

رہے عبد المطلب تو ان کے بارے تین قول ہیں۔

پہلا جو کہ صحت کے زیادہ قریب ہے (وہ یہ ہے) کہ آپ تک دعوت ہی نہیں پہنچی اس حدیث کی بناء پر جس کو امام بخاری اور دوسرے محدثین نے روایت کیا ہے۔

دوسرا قول۔ وہ توحید اور ملۃ ابراہیمی پر تھے۔ امام فخر الدین رازی کے قول کے عموم سے یہی ظاہر ہے۔ مجاھد. سفیان بن عینیہ اور دوسرے مفسرین سے سابقہ آیات کی تفسیر اسی طرح منقول ہے۔

تیسرا قول۔ نبی اکرم ﷺ کی بعثت کے بعد اللہ تعالیٰ نے ان کو زندہ فرمایا۔ وہ ایمان لائے۔ دائرۂ اسلام میں داخل ہوئے اور پھر انتقال فرما گئے۔

اس قول کی حکایت ابن سید الناس نے کی ہے۔ یہ نہایت ضعیف ساقط اور بوسیدہ قول ہے کیونکہ اس پر کوئی دلیل نہیں ہے کسی ضعیف حدیث یا غیر ضعیف میں اس طرح کا ذکر نہیں ہے نہ ہی آئمہ اہل سنت میں سے کسی نے یہ قول کیا ہے یہ قول بعض شیعہ سے حکایت کیا گیا ہے اس لئے اکثر مصنفین نے پہلے دو قولوں پر اکتفا کیا ہے کیونکہ شیعہ کے خلاف کا کوئی اعتبار نہیں ہے۔

امام سھیلی نے "الروض الانف" میں ذکر کیا ہے صحیح حدیث میں ہے نبی اکرم ﷺ وقت وصال ابو طالب کے پاس تشریف لے گئے۔ آپ کے پاس ابو جھل اور ابن ابی امیہ بیٹھے تھے آپ نے ارشاد فرمایا چچا جان کہہ دیجئے لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ میں آپ

کے اس کلمہ کی اللہ تعالیٰ کے ہاں گواہی دوں گا۔

ابو جھل اور ابن ابی امیہ کہنے لگے کیا آپ ان کو عبد المطلب کی ملت سے پھیرتے ہیں تو آپ نے کہا میں عبد المطلب کی ملت پر ہوں۔

فرمایا اس حدیث کے ظاہر کا تقاضا یہ ہے کہ عبد المطلب کا انتقال شرک پر ہوا۔ میں نے مسعودی کی بعض کتابوں میں عبد المطلب کے بارے میں اختلاف دیکھا ہے آپ کے بارے میں یہ بھی کہا گیا ہے کہ جب آپ نے نبوت مصطفوی کے دلائل کو دیکھ لیا تو ایمان لے آئے اور جان گئے کہ آپ توحید کے ساتھ ہی بھیجے گئے ہیں (اللہ بہتر جانتا ہے)

مسند بزار میں اور کتاب نسائی میں حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ تعالی عنھما سے روایت ہے۔ نبی کریم ﷺ نے حضرت فاطمۃ الزھرہ رضی اللہ تعالی عنھا سے ارشاد فرمایا جب آپ نے ایک انصاری کی تعزیت کی۔
کیا آپ ان کے ساتھ قبرستان گئی ہو؟
آپ نے عرض کی : نہیں۔
فرمایا! اگر آپ ان کے ساتھ قبرستان جاتیں تو اس وقت تک جنت کو نہ دیکھتیں جب تک تیرے باپ کا دادا نہ دیکھ لے۔

ابو داؤد نے بھی اس کو روایت کیا ہے۔ مگر اس جملہ کا ذکر نہیں کیا ''حتی کہ اسے تیرے باپ کا دادا نہ دیکھ لے''۔

امام سہیلی نے فرمایا ''تیرے دادا'' کی بجائے ''تیرے باپ کا دادا'' کہنا اس ضعیف حدیث کی تقویت کے لئے ہے جس کا ہم نے ذکر کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کے

والدین کریمین کو پھر سے زندہ کیا اور وہ ایمان لائے (اللہ تعالیٰ بہتر جانتا ہے)

یہ بھی احتمال ہوسکتا ہے کہ آپ نے اس سے سیدہ کو ڈرانے کا ارادہ فرمایا ہو۔ کیونکہ نبی اکرم ﷺ کا فرمان حق ہے۔ اور سیدہ کا ان کے ساتھ قبرستان جانا دوزخ میں ہمیشہ رہنے کا باعث نہیں ہے۔

یہ سارا امام **سہیلی** کا کلام ہے۔

شہرستانی نے "**الملل والنحل**" میں کہا ہے۔

نبی اکرم ﷺ کا نور مقدس حضرت **عبد المطلب** کی پیشانی کی شکنوں میں ظاہر ہوتا اسی کی برکت سے آپ کو اپنے بیٹے کو ذبح کرنے کی نذر کا الہام ہوا۔ اسی کی برکت سے آپ اپنے بیٹے کو ظلم اور زیادتی سے منع فرماتے، اچھی عادات کی ترغیب دیتے، گھٹیا چیزوں سے منع فرماتے۔ اسی نور پاک کی برکت سے اپنی وصیتوں میں کہا کرتے۔ ظالم شخص اپنے ظلم کا حساب چکائے بغیر اور اس ظلم کی سزا بھگتے بغیر ہرگز اس دنیا سے نہیں جائے گا۔

ایک ظالم شخص ان دنوں ہلاک ہوا۔ اس کو اپنے ظلم کی سزا دنیا میں نہ ملی تھی۔ **عبد المطلب** سے اس شخص کے بارے سوال کیا گیا۔ تو آپ نے غور فکر کیا پھر آپ نے ارشاد فرمایا:

اللہ کی قسم! اس دنیا کے بعد بھی ایک جہاں ہے جہاں یقیناً محسن کو اس کے احسان کی جزا ملے گی اور بدکار کو اس کی بدکاری کی سزا ملے گی۔ اسی نور کی برکت سے ہی آپ نے **ابرھہ** سے کہا۔

اس (خانہ کعبہ) گھر کا ایک مالک ہے وہ خود اس کی حفاظت فرمائے گا۔ **ابو قبیس** (پہاڑ) پر چڑھ کر آپ نے یہ اشعار کہے۔

یہ (ابرہہ کی قوم) کچھ نہیں ہے۔ آدمی اپنے گھر کی حفاظت کرتا ہے سو تو اپنے گھر کی حفاظت کر ۔ اہل صلیب ہرگز غالب نہیں ہوں گے۔ یہ ہمیشہ کے لئے ناممکن ہے۔

صلیب پرستوں کی ہلاکت کے لئے مدد فرما۔ آج تک تیری آل خانہ کعبہ (کی طرف) عبادت گزار رہے۔ (شہرستانی کا کلام ختم ہوا)

اسی کے مناسب وہ روایت ہے جسے ابن سعد نے ''طبقات' میں ابن عباس رضی اللہ تعالی عنہما سے روایت کیا ہے۔

پہلے دیت دس اونٹ تھی۔ عبد المطلب ہی وہ پہلے شخص ہیں جن نے ایک جان کی دیت سو اونٹ مقرر کی۔ پس اس کے بعد قریش اور عرب میں سو اونٹ دیت جاری ہوگئی آقائے دو جہاں ﷺ نے اسے باقی رکھا۔

یہ بھی اسی امر کے ساتھ متصل ہے کہ نبی اکرم ﷺ یوم حنین اپنی نسبت ان کی طرف کی۔

میں نبی ہوں اس میں قطعا جھوٹ نہیں۔

میں عبد المطلب کا بیٹا ہوں ۔

یہ روایت امام فخر الدین رازی اور ان کے موافقین کی نہایت مضبوط تائید ہے۔ کیونکہ احادیث طیبہ میں کفار آباء کی طرف نسبت سے روکا گیا ہے۔

امام بیہقی نے ''شعب الایمان'' میں ابی بن کعب اور معاذ بن جبل سے روایت کی ہے۔

دو شخصوں نے نبی اکرم ﷺ کے زمانہ اقدس میں نسب بیان کیا۔ ان میں سے ایک نے کہا۔ اَنَا فُلَانُ ابْنُ فُلَانٍ اَنَا فُلَانُ ابْنُ فُلَانٍ ۔ میں فلاں فلاں کا بیٹا ہوں۔

نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا۔ دو شخصوں نے حضرت موسی علیه السلام کے زمانہ میں اپنا نسب بیان کیا۔ ان میں سے ایک نے کہا۔ میں فلاں فلاں کا بیٹا ہوں (نو پشتوں تک گنا)۔ دوسرے نے کہا۔ کہ میں فلاں فلاں کا بیٹا ہوں۔

اللہ تعالیٰ نے حضرت موسی علیه السلام کی طرف وحی کی ہے۔

ان دونوں نسب بیان کرنے والوں سے تو جو نو جہنمیوں کی طرف منسوب ہے دسواں جہنمی ہے اور جو (دوسرا) دو مسلمانوں کی طرف منسوب ہے۔ تیسرا جنتی ہے۔

بیھقی نے ابو ریحانه سے روایت کیا ہے نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا جس شخص نے نو کافر آباء کی طرف اپنی نسبت ظاہر کر کے عزت اور شرف کا اظہار کیا وہ دسواں جہنمی ہے۔

بیھقی نے ابن عباس رضی اللّٰہ تعالی عنه سے روایت کیا ہے۔ نبی مکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا۔ زمانہ جاہلیت میں مرنے والے اپنے آباء پر فخر مت کرو، مجھے اس ذات کی قسم جس کے قبضہ قدرت میں میری جان ہے جاہلیت میں مرنے والے تمہارے آباء سے وہ گندہ پانی بہتر ہے جو گرگٹ کی ناک سے بہتا ہے۔

بیھقی نے ابو ھریرہ رضی اللّٰہ تعالی عنه سے روایت کیا ہے۔

نبی مکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا!

اللہ تعالیٰ نے تمہیں جاہلیت کے تکبر اور کافر والدین کے ساتھ فخر سے دور کیا ہے تاکہ لوگ ان شخصوں کی نسبت فخر کرنا چھوڑ دیں جو جہنم کے کوئلوں میں سے کوئلے ہیں اور ان گھبریلوں سے زیادہ گھٹیا ہیں جو اپنی ناکوں سے غلاظت لڑھکاتے رہتے ہیں۔

اس معنی میں احادیث بہت زیادہ ہیں، اس بحث میں سب سے واضح یہ روایت ہے

جس کو بیھقی نے ''شعب الایمان'' میں حدیث مسلم سے روایت کیا ہے۔

میری امت میں چالیس امر جاہلیت کے ہیں جن کو وہ چھوڑنے والے نہیں۔ ان میں ایک فخر فی الاحساب ہے۔

اس کے بعد فرمایا، اس بحث کا معارضہ اگر اس حدیث سے کیا جائے جس میں بنو ھاشم کے اصطفاء کا ذکر ہے۔ تو اس کا جواب حلیمی نے دیا ہے'' کہ آپ نے اس سے ارادہ فخر نہیں کیا۔ آپ نے صرف ان افراد کی منازل اور مراتب کی تعریف کی ہے جس طرح کوئی شخص کہے کہ میرا باپ فقیہ تھا وہ اس سے ارادہ فخر نہیں کرتا بلکہ فقط اس کی حالت کی تعریف کرتا ہے۔

اور ممکن ہے آپ کا مقصود از راہ شکر اس نعمت کا اظہار ہو جو اللہ تعالیٰ نے آپ پر اور آپ کے آباء پر کی ہے اس سے مقصود ہر گز کسی بھی امر پر فخر اور تکبر نہیں ہے (انتھی)

ان دونوں جوابوں سے امام فخر الدین رازی کے نظریہ کو تقویت ملتی ہے کیونکہ یہ بات بالکل ظاہر ہے کہ برگزیدگی صرف اس کے لئے ہو سکتی ہے جو توحید پر قائم ہو۔

اس میں شبہ نہیں کہ عبد المطلب میں خصوصاً ترجیح انتہائی دشوار ہے کیونکہ بخاری کی وہ حدیث جس میں ابوجہل نے ابو طالب کو ملۃ عبد المطلب کے حوالے سے ایمان لانے سے منع کیا مخالفت میں انتہائی مضبوط ہے اگر اس کی تاویل کی بھی جائے تو قریبی تاویل ممکن نہیں ہے اور تاویل بعید کا، اہل اصول انکار کرتے ہیں اسی لئے بیھقی نے جب دلائل کا تصادم دیکھا تو ترجیح پر قادر نہ ہوئے تو توقف کیا (اللہ تعالیٰ ہی بہتر جانتا ہے)۔

اسی لئے قرین مصلحت یہی ہے کہ اس ضمن میں چوتھا قول کیا جائے اور وہ توقف ہے۔

اکثر میرے ذہن میں دو بعید وجہیں اس حدیث کے سلسلہ میں آئیں مگر میں نے ان کو چھوڑ دیا۔

حدیث نسائی کی تاویل تو قریب ہے امام سہیلی نے اس کا دروازہ کھولا مگر حق ادا نہ کیا۔ عبد المطلب کی جانب ترجیح آسان ہے حالانکہ اس کا معارض بھی مضبوط ہے اور وہ حدیث مسلم ہے کیونکہ جو سہیلی نے کہا وہ تاویل قریب ہے اور انتہائی روشن اور واضح ہے اور تاویل کی جانب رجحان پر دلائل بھی قائم ہیں اس لئے اس کی جانب جانا آسان ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم

اس کے بعد میں نے دیکھا کہ ابو الحسن ماوردی نے اسی جانب اشارہ کیا ہے جس کا ذکر امام فخر الدین رازی نے کیا ہے اگرچہ امام رازی جیسی تصریح نہیں کی آپ نے اپنی کتاب "اعلام النبوۃ" میں کہا

جب اللہ تعالیٰ کے انبیاء چنے ہوئے بندے اور بہترین انسان ہوتے ہیں کیونکہ ان کی ذمہ داری حقوق اللہ کی پاسداری اور اللہ تعالیٰ کی مخلوق کی ہدایت ہوتی ہے اس لئے اللہ تعالیٰ ان کا خمیر نہایت ہی اعلیٰ عناصر سے اٹھاتا ہے اور مضبوط ترین اوامر کے ساتھ خاص کرتا ہے تاکہ نہ تو ان کے نسب میں جائے اعتراض ہو اور نہ ان کے منصب میں جگہ تنقید ہو، تاکہ دل ان کی طرف زیادہ متوجہ ہوں نفوس ان کے زیادہ فرمانبردار ہوں لوگ ان کی پیروی میں زیادہ بہتر ہوں اور ان کے احکام پر زیادہ لبیک کہیں۔

بیشک اللہ تعالیٰ نے نبی مکرم علیہ وسلم کو بہترین پاکیزہ جوڑوں سے ظاہر کیا اور فواحش کی غلاظت سے بچایا اور پاکیزہ پشتوں سے پاکیزہ رحموں میں ہمیشہ منتقل کیا۔

ابن عباس رضی اللہ تعالی عنہما نے اللہ تعالیٰ کے فرمان!

﴿وَتَقَلُّبَكَ فِي السَّاجِدِينَ﴾

کی تاویل میں ارشاد فرمایا ہے۔

"آپ کا ایک باپ سے دوسرے باپ میں پاکیزہ پشتوں کے ذریعے منتقل ہونا یہاں تک کہ منصب نبوت پر جلوہ گر ہونا۔

آپکا نور نبوت آباء کرام میں ظاہر تھا۔ آپکے والدین سے ولادت میں کبھی بھی بہن یا بھائی کی شرکت نہ ہوئی کیونکہ وہ دونوں آپکے لئے مخصوص ہوتے اور ان کا نسب آپ پر منحصر ہوتا۔ یہ سب کچھ اس لئے تھا تا کہ آپ اس نسب کے ساتھ مختص ہو جائیں جو اللہ تعالیٰ نے نبوت کے لئے غایت بنایا ہے اور آپکی انفرادیت کے لئے نہایت ہے اور آپ کا کوئی مشترک اور مماثل نہ رہے۔ اس لئے آپکے والدین بچپن میں ہی انتقال کر گئے۔ والد گرامی تو اسی وقت وصال فرما گئے جب آپ ابھی اپنی والدہ کے رحم اطہر میں تھے۔ اور والدہ ماجدہ بھی اس وقت انتقال کر گئیں جب آپ صرف چھ سال کے تھے۔

جب آپکے نسب کی عظمت اور مولد کی طہارت واضح ہوگئی تو معلوم ہو گیا کہ آپ اپنے آباء کرام کا خلاصہ ہیں۔ اور ان میں کوئی بھی گھٹیا، گمنام اور ردی نہ تھا بلکہ سب کے سب ہی سید اور سردار تھے۔ اور نسب کی شرافت اور پیدائش کی طہارت تو نبوت کی (بنیادی) شرط ہے (ماوردی کا کلام ختم ہوا)

ابو جعفر نحاس نے معانی القرآن میں قول باری تعالیٰ

﴿وَتَقَلُّبَكَ فِي السَّاجِدِينَ﴾

کے تحت فرمایا۔

پشتوں میں آپ کا منتقل ہونا، یہاں تک کہ آپ نبی بن کر ظاہر ہوں۔

حافظ شمس الدین بن ناصر الدین الدمشقی نے کیا خوب کہا ہے۔

احمد (ﷺ) نور عظیم کی صورت میں منتقل ہوئے۔

سجدہ گزاروں کی پیشانیوں میں خوب چمکے۔

زمانہ در زمانہ بدلتے رہے۔

یہاں تک کہ خیر المرسلین بن کر ظاہر ہوئے۔

ایسے ہی خوب کہا۔

محمد (ﷺ) کی کرامت اور آپکے نام کی برکت سے اللہ تعالیٰ نے ان کے برگزیدہ اجداد کی حفاظت فرمائی۔

وہ بدکاری سے محفوظ رہے حضرت آدم سے لے کر والدین کریمین تک ان کو کوئی بھی رذالت نہ پہنچی۔

شرف الدین بوصیری صاحب البردہ نے کیا خوب کہا۔

آپ کیسے انبیاء کی سیڑھیاں چڑھتے رہے۔اے عظمتوں کے آسمان! آسمان آپ کی بلندی تک نہیں پہنچ سکتا۔

ان (انبیاء) سے کوئی بھی بلندی میں آپ کے برابر نہ ہو سکا۔ ہر آسمان (کی بلندی) آپ کے آسمان (کی بلندی) سے نیچے ہے۔

آپکی صفات لوگوں میں اس طرح ظاہر ہوئیں جس طرح ستارے پانی میں نظر آتے ہیں۔

آپ ہر فضیلت کے آفتاب ہیں۔ تمام روشنیاں آپ کے نور سے ہی پھوٹتی ہیں۔

آپ کو عالم الغیب کی طرف سے علوم کے جواہر عطا کئے گئے ہیں۔ ان سے ہی

آدم علیہ السلام کے اسماء ہیں۔

(خداوند قدوس) ہمیشہ پوشیدگی میں آپ کے لئے باپوں اور ماؤں کا انتخاب فرماتا رہا۔

جب بھی فترت کے زمانہ کے بعد رسول آئے انہوں نے اپنی قوم کو آپ کی آمد کی خوشخبری سنائی۔

زمانے آپ پر فخر کرتے ہیں۔ بلندیاں آپ کی بلندیوں سے بھیک مانگتی ہیں۔

(اے آمنہ) ایک کریم کے واسطہ سے ایک ایسا کریم آپ سے ظاہر ہوا جس کے سارے آباء واجداد کریم ہیں۔

وہ نسب ایسا بلند و برتر ہے کہ جوزا نے اس کی بلندیوں کو اپنے ستاروں کا ہار پہنا دیا ہے۔

(اے آمنہ) تجھے اس فضل کی امین ہونے کی مبارک ہو۔ جس کی سعادت حضرت حوا کو بھی میسر آئی۔

حضرت حوا سے لے کر تمام مائیں آپ تک آپ کی برکت سے ہی نفیس ترین عورتیں تھیں۔

اے بنت وھب! آپ ﷺ کے جنم سے جو آپ کو فخر حاصل ہوا۔ دنیا بھر کی کوئی عورت اسے حاصل نہیں کر سکتی۔

جو فرزند کنواری مریم قوم کے پاس لائی تھیں آپ اس سے کہیں افضل فرزند لائی ہو۔

فائدہ:

ابن ابی حاتم نے اپنی تفسیر میں اپنے والد گرامی سے، انہوں نے موسی بن ایوب سے، انہوں نے النصبی سے، انہوں نے حمزہ سے، انہوں نے عثمان بن عطا سے، انہوں نے اپنے والد گرامی سے روایت کیا ہے۔

نبی اکرم ﷺ اور حضرت آدم علیه السلام کے مابین انچاس باپ ہیں۔

تیسری بات:

نبی اکرم ﷺ کی والدہ ماجدہ کے بارے ایک خاص اثر وارد ہے۔

ابو نعیم نے" دلائل النبوۃ" میں سند ضعیف کے ساتھ طریق زھری سے انہوں نے ام سماعه بنت ابی رھم سے انہوں نے اپنی والدہ ماجدہ سے روایت کیا۔

میں نے حضرت آمنه رضی الله تعالی عنها کو مرض موت میں دیکھا۔ حضرت محمد ﷺ کی عمر اس وقت پانچ سال تھی آپ اپنی والدہ ماجدہ کے سرہانے تشریف فرما تھے۔ اور وہ آپ کے چہرہ اقدس کو ٹکٹکی باندھے دیکھے جا رہی تھیں اور یہ شعر پڑھ رہی تھیں۔

ا۔ اے بیٹے! اللہ تعالیٰ نے تجھے برکات کا سرچشمہ بنا دیا ہے۔ تو اس شخص کا فرزند ہے جو سرداروں کا سردار تھا۔

۲۔ وہ نعمتوں کی برسات کرنے والے بادشاہ کے کرم سے محفوظ رہا، صبح کے وقت تیروں کی قرعہ اندازی سے جن کا فدیہ دیا گیا۔

۳۔ ایک سو صحت مند اونٹ اگر میرا خواب سچا ہے۔

۴۔ تو آپ اللہ بزرگ و برتر کی طرف سے ساری کائنات کی طرف بھیجے جاؤ گے آپ کی بعثت حل و حرم کی طرف ہو گی آپ (آسانی سے) تحقیق اور اسلام کے ساتھ مبعوث ہو گے۔

۵۔ آپ کے جد امجد حضرت ابراھیم علیہ الصلوۃ والسلام کا دین سراسر نیکی ہے اللہ تعالیٰ نے آپ کو اپنی قوم کے لوگوں کے ہمراہ بتوں کی دوستی سے روک دیا ہے۔

اس کے بعد ارشاد فرمایا!

ہر زندہ نے مرنا ہے۔ ہر نئی چیز نے بوسیدہ ہونا ہے۔ ہر بڑا فنا پذیر ہے۔ میں مر رہی ہوں مگر میرا ذکر باقی رہے گا۔ میں خیر کو پیچھے چھوڑ رہی ہوں۔ میں نے ایک طیب وطاہر کو جنم دیا ہے۔

اس کے بعد وہ انتقال کر گئیں ہم نے جنات کو نوحہ کرتے سنا۔ اور ان کے اشعار محفوظ کر لئے۔

ا۔ ہم پاکیزہ، امانت دار، صاحب جمال، عفت مآب اور محفوظ خاتون پر روتے ہیں

۲۔ وہ حضرت عبداللہ کی زوجہ اور رفیقہ حیات تھیں۔ اللہ تعالیٰ کے نبی مکرم ﷺ کی والدہ ماجدہ ہیں، باوقار ہیں، وہ سرزمین مدینہ کے صاحب منبر ہیں، اب وہ اپنی لحد میں محفوظ ہو رہی ہیں۔

(اے قاری) آپ نے دیکھا کہ حضرت آمنہ رضی اللہ تعالی عنھا کے کلام میں کتنی وضاحت سے لوگوں کے ساتھ بتوں کی دوستی سے روکا گیا ہے۔ دین ابراہیمی کا اعتراف ہے (اس بات کا بھی ذکر ہے) کہ ان کا بیٹا خدائے بزرگ و برتر کی طرف سے ساری کائنات کی طرف مبعوث ہوگا۔

یہ سارا کلام شرک کے منافی ہے۔

اس کے بعد میں (جلال الدین سیوطی) نے انبیاء علیہم السلام کی ماؤں کے حالات کی تحقیق وجستجو کی تو سبھی کو ایمان دار پایا۔ حضرت اسحاق. موسی. ھارون. عیسی اور

حوا تو قرآن حکیم میں مذکور ہیں بلکہ ایک ضعیف قول تو ان کی نبوت کا بھی ہے۔

حضرت اسماعیل ۔یعقوب ان کی اولاد ۔داؤد ۔سلیمان زکریا ۔یحیی ۔شموئیل ۔شمعون اور ذو الکفل علیھم السلام کی امہات کرام کے ایمان پر احادیث وارد ہیں۔

بعض مفسرین نے حضرت نوح اور ابراھیم علیھما السلام کی ماؤں کے ایمان کو نصاً بیان کیا ہے۔اور ابن حبان نے اپنی تفسیر میں اسی کو ترجیح دی ہے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالی عنھما سے مروی روایت پہلے گزر چکی ہے کہ حضرت آدم و نوح علیھما السلام کے درمیان کوئی کافر نہ تھا۔اسی لئے دعا میں عرض کیا:

﴿رَبِّ اغْفِرْ لِیْ وَلِوَالِدَیَّ وَلِمَنْ دَخَلَ بَیْتِیَ مُؤْمِناً﴾

۲۸۔ نوح۔ ۷۱

ترجمہ:

اے میرے رب! مجھے، میرے والدین اور جو میرے گھر ایمان کی حالت میں داخل ہو، اسے بخش دے۔

حضرت ابراھیم علیہ السلام نے یہ دعا کی۔

﴿رَبَّنَا اغْفِرْ لِیْ وَلِوَالِدَیَّ وَلِلْمُؤْمِنِیْنَ یَوْمَ یَقُوْمُ الْحِسَابُ﴾

۴۱۔ابراھیم۔ ۱۴

ترجمہ:

اے میرے رب! مجھے، میرے والدین اور اہل ایمان کو قیامت کے دن بخش دے۔

اور قرآن حکیم میں جو حضرت ابراھیم کا استغفار سے اعتذار وارد ہوا ہے وہ خاص اپنے ''اب'' کے بارے ہے۔ اس میں دلالت موجود ہے کہ آپ کی والدہ ایمان دار تھیں۔

امام حاکم نے ''المستدرک'' میں ابن عباس رضی اللہ تعالی عنہما سے روایت کی ہے اور اس کو صحیح قرار دیا ہے۔

بنی اسرائیل کے علاوہ دس انبیاء تھے۔ نوح، ھود، صالح، لوط، شعیب، ابراھیم، اسمعیل، اسحاق، یعقوب اور حضرت محمد علی نبینا و علیھم الصلوۃ والسلام.

بنو اسرائیل سارے کے سارے اہل ایمان تھے ان میں حضرت عیسی علیہ السلام کی بعثت تک کوئی کافر نہ تھا۔ کفر آپ کے دور میں شروع ہوا۔

انبیاء کرام کی وہ مائیں جو بنی اسرائیل سے ہیں وہ ساری کی ساری ایمان والی ہیں بنی اسرائیل کے زیادہ تر انبیاء یا انبیاء کی اولاد ہیں یا انبیاء کی اولاد کی اولاد ہیں۔ اخبار میں معروف اسی طرح ہے کہ نبوت ان کی نسل اور ذریت میں ہی ہوتی تھی۔

رہے وہ دس انبیاء جو بنی اسرائیل سے نہیں ہیں۔ ان میں سے حضرت نوح. ابراھیم. اسماعیل. اسحاق اور یعقوب علیھم السلام کی ماؤں کا ایمان ثابت ہے رہیں حضرت ھود. صالح. لوط. اور شعیب علیھم السلام کی مائیں تو ان کا ایمان نقل یا دلیل پر منحصر ہے۔ ان شاء اللہ تعالیٰ ظاہر ان کا ایمان ہی ہے۔ اسی طرح نبی اکرم ﷺ کی والدہ کا حال ہے۔ اس ایمان میں راز اسی نور اطہر کی زیارت تھی۔

احمد. بزاز. طبرانی. حاکم اور بیھقی نے عرباض بن ساریہ رضی اللہ تعالی عنہ سے روایت کیا ہے کہ نبی اکرم ﷺ کا ارشاد گرامی ہے۔

میں اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں اس وقت بھی خاتم النبیین تھا جب آدم علیہ السلام مٹی کے مرحلہ میں تھے۔ میں ضرور تمہیں ابراھیم علیہ السلام کی دعا، عیسی علیہ السلام کی بشارت، اور اپنی والدہ کے اس خواب سے آگاہ کروں گا۔ اسی طرح انبیاء علیہم السلام کی ماؤں نے خواب دیکھے۔

بیشک نبی اکرم ﷺ کی والدہ ماجدہ نے وقت ولادت ایک ایسا نور دیکھا جس سے شام کے محلات جگمگا اٹھے۔ اس بات میں قطعاً شک نہیں ہے کہ نبی مکرم ﷺ کی والدہ ماجدہ نے دوران حمل اور ولادت جو مشاہدات کیئے وہ باقی انبیاء کرام کی ماؤں کے مشاہدات سے کہیں زیادہ تھے اور بڑے تھے......... جس طرح کہ ہم نے اسی سلسلہ میں "کتاب المعجزات" میں اخبار ذکر کی ہیں۔

بعض علماء نے ذکر کیا ہے کہ جس دودھ پلانے والی نے نبی مکرم ﷺ کو دودھ پلایا وہ مسلمان ہوگئی (اسی نسبت کی برکت سے) آپ ﷺ کو چار عورتوں نے دودھ پلایا۔ آپکی والدہ، حلیمہ سعدیہ، ثویبہ اور ام ایمن رضی اللہ تعالی عنھن نے (انتھی)

اگر آپ یہ اعتراض کریں کہ آپ ان احادیث کا کیا کریں گے جو ان کے کفر اور جہنمی ہونے پر دال ہیں مثلاً یہ حدیث ہے کہ

نبی مکرم ﷺ نے ایک بار اظہار حسرت کیا۔

"کاش میں جانتا کہ میرے والدین کے ساتھ کیا ہوا۔ تو یہ آیۃ کریمہ نازل ہوئی۔

﴿وَلَا تُسْئَلُ عَنْ اَصْحٰبِ الْجَحِيْمِ﴾

۱۱۹۔ البقرۃ۔۲

ترجمہ:

اور ان دوزخیوں کے متعلق آپ سے باز پرس نہیں ہوگی۔

اور اسی طرح یہ حدیث کہ نبی اکرم ﷺ نے اپنی والدہ کے لئے استغفار کیا تو جبرائیل امین نے آپ کے سینہ اقدس پر تھپکی دی اور کہا۔ اس کے لئے استغفار نہ کریں جس کی موت حالت شرک میں واقع ہوئی۔

اور یہ حدیث کہ یہ آیۃ کریمہ آپ کی والدہ کے حق میں نازل ہوئی۔

﴿مَا كَانَ لِلنَّبِيِّ وَالَّذِيْنَ آمَنُوْا اَنْ يَّسْتَغْفِرُوْا لِلْمُشْرِكِيْنَ﴾

۱۱۳۔التوبہ۔۹

ترجمہ:

نبی اکرم ﷺ اور اہل ایمان کے لئے درست نہیں ہے کہ مشرکوں کے لئے مغفرت طلب کریں۔

اور یہ حدیث کہ نبی مکرم ﷺ نے ملیکہ کے بیٹوں سے کہا کہ تمہاری ماں جہنم میں ہے۔ ان دونوں کو اس خبر سے صدمہ پہنچا تو نبی مکرم ﷺ نے ان دونوں کو بلا کر کہا۔

"میری ماں بھی تمہاری ماں کے ساتھ ہے"

ان کے جواب میں عرض کروں گا۔ اس سلسلہ میں اکثر روایات ضعیفہ ہیں۔ آپ ﷺ کی والدہ ماجدہ کے بارے صرف یہی صحیح روایت ہے کہ نبی مکرم ﷺ نے ان کے بارے استغفار کی اجازت چاہی تو اجازت نہ دی گئی۔

اسی طرح آپ کی والدہ کے بارے میں حدیث مسلم بھی صحیح ہے۔ ان دونوں کا جواب ابھی آرہا ہے۔

یہ حدیث جس میں ذکر ہوا ہے ''کاش میں جانتا کہ میرے والدین کے ساتھ کیا ہوا''۔ اور آیت نازل ہوئی۔ یہ روایت حدیث کی کسی معتمد علیہ کتاب میں نہیں ہے اس کا ذکر تفاسیر کی بعض کتابوں میں سند منقطع کے ساتھ ہوا ہے جو نہ حجت ہوتی ہے اور نہ اس پر اعتماد کیا جاتا ہے۔

اور اگر تم احادیث واھیہ کے ساتھ احتجاج کرو تو ہم بھی اس کا معارضہ حدیث واھی کے ساتھ کریں گے۔

ابن الجوزی نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے مرفوعاً روایت کیا ہے۔

''جبرائیل امین نبی اکرم ﷺ کی بارگاہ میں حاضر ہوئے اور عرض کی اللہ تعالیٰ آپ کو سلام کہتا ہے اور فرماتا ہے میں نے ہر ایسی پشت پر دوزخ کو حرام کر دیا ہے جس میں آپ تشریف فرما رہے ہیں اور ہر ایسے رحم پر جس میں آپ جلوہ فگن رہے ہیں اور ہر ایسی گود پر جس میں آپ نے پرورش کی ہے۔

یہ جواب معارضۃ الواھی بالواھی کے قبیل سے ہوگا۔ جہاں تک ہمارا معاملہ ہے ہم اسے اہمیت نہیں دیتے اور نہ ہی اس سے احتجاج کرتے ہیں۔

علاوہ ازیں یہ سبب اصول، بلاغت اور اسرار بیان کی کئی وجوہ سے بھی مردود ہے۔ کیونکہ آیت مذکورہ سے پہلے اور بعد میں آیات ساری کی ساری یہود کے حق میں ہیں۔

﴿یٰبَنِیۡۤ اِسۡرَآءِیۡلَ اذۡکُرُوۡا نِعۡمَتِیَ الَّتِیۡۤ اَنۡعَمۡتُ عَلَیۡکُمۡ وَ اَوۡفُوۡا بِعَهۡدِیۡۤ اُوۡفِ بِعَهۡدِکُمۡ ۚ وَ اِیَّایَ فَارۡهَبُوۡنِ﴾ سے لے کر ﴿وَ اِذِ ابۡتَلٰۤی اِبۡرٰهٖمَ رَبُّهٗ﴾ تک۔

یہی وجہ ہے کہ اس قصہ کا اختتام اسی طرح کے الفاظ سے ہوا ہے جن سے ابتداء ہے اور وہ یہ آیت کریمہ ہے۔

﴿یٰبَنِیۡۤ اِسۡرَآءِیۡلَ اذۡکُرُوۡا نِعۡمَتِیَ الَّتِیۡۤ اَنۡعَمۡتُ عَلَیۡکُمۡ﴾ دونوں آیتیں

پس یہ واضح ہو گیا کہ اصحٰب الجحیم سے مراد کفار اہل کتاب ہیں۔

اس کے علاوہ بڑا واضح اثر موجود ہے۔

عبد ابن حمید . فریابی .ابن جریر اور ابن المنذر نے اپنی اپنی تفاسیر میں حضرت مجاھد سے روایت کیا ہے۔

سورۃ البقرۃ کی پہلی چار آیتیں اہل ایمان کی تعریف میں ہیں۔ پھر دو آیتیں کفار کے حق میں ہیں پھر تیرہ آیتیں منافقین کے حق میں ہیں۔ اور پھر آیت نمبر ۴۰ سے لے کر آیت نمبر ۱۲۰ تک بنی اسرائیل کے حق میں ہیں۔

اس امر کی تائید اس لئے بھی ہوتی ہے کہ یہ مدنی سورت ہے اور اس میں اکثر خطاب یہود کو ہے۔

اس مناسبت سے یہ بھی ظاہر ہوتا ہے کہ دوزخ انتہائی دہشت ناک طبقہ ہے۔ لغت اور آثار اس پر شاہد ہیں۔

ابن ابی حاتم نے ابو مالک رضی اللہ تعالی عنہ سے قول باری تعالیٰ ''اصحٰب الجحیم'' کے تحت ذکر کیا ہے۔

''یہ دوزخ کا بہت بڑا طبقہ ہے''۔

ابن جریر اور ابن المنذر نے ابن جریح سے قول باری تعالیٰ ''لها سبعة ابواب'' کے تحت روایت کیا ہے۔

پہلا جهنم۔ دوسرا ن لظی۔ تیسرا الحطمه۔ چوتھا السعیر۔ پانچواں سقر۔ چھٹا الجحیم۔ اور ساتواں الھاویه ہے۔

اور فرمایا کہ جحیم میں ابو جھل ہے۔

اس روایت کے اسناد صحیح ہیں۔

ہاں واقعی اس طبقہ جہنم کا سزاوار یہ ہی شخص ہے۔ کیونکہ اس کا کفر شدید ہے، گناہ بڑا ہے، اس نے دعوت سے عناد کیا، اس میں تبدیلی اور تحریف کی، علم کے بعد انکار کیا۔ اس طبقہ کا سزاوار وہ شخص ہرگز نہیں جس کے حق میں تخفیف کا قوی گمان ہو۔

اور پھر جب یہ بات صحت کے ساتھ ثابت ہے کہ ابو طالب کے لئے دوزخ کا سب سے ہلکا عذاب ہے۔ کیونکہ وہ نبی اکرم ﷺ کے رشتہ دار ہیں۔ حالانکہ ان تک دعوت پہنچی۔ انہوں نے اجابت سے انکار کیا اور لمبی عمر پائی۔

تو آپ کا کیا گمان ہے وہ شخصیتیں جن کا نبی اکرم ﷺ سے قرب زیادہ ہے۔ زیادہ محبت کرنے والے ہیں۔ عذر ان کا زیادہ ہے۔ عمر بھی تھوڑی ہے (العیاذ باللہ) تو کیا ان دونوں کے بارے یہ گمان کرنا روا ہے کہ وہ جہنم کے انتہائی سخت درجہ جحیم میں ہوں گے اور ان پر انتہائی دہشت ناک عذاب ہوگا۔ ایسی بات تو وہ شخص بھی نہیں کہہ سکتا جس کے پاس معمولی سی بھی عقل سلیم ہے۔

رہی یہ حدیث کہ جبرائیل امین نے نبی مکرم ﷺ کے سینہ اقدس پر تھپکی دی اور کہا۔ اس کے لئے استغفار نہ کیجئے جن کی موت شرک پر واقع ہوئی۔

اس حدیث پاک کو بزار نے ایسی سند کے ساتھ روایت کیا ہے جس میں ایک غیر معروف راوی ہے۔

رہی یہ حدیث کہ اسی ضمن میں آیہ کریمہ نازل ہوئی۔ یہ بھی ضعیف ہے بلکہ صحیح روایت سے تو یہ ثابت ہے کہ یہ آیہ کریمہ ابو طالب کے حق میں نازل ہوئی۔ اسی طرح

آپ کا فرمان کہ جب تک مجھے روکا نہ گیا میں آپ کے لئے استغفار کرتا رہوں گا۔

رہی حدیث ''میری ماں تمہاری ماں کے ساتھ ہے''

اس کو امام حاکم نے مستدرک میں روایت کیا ہے اور کہا ہے کہ یہ روایت صحیح ہے۔

امام حاکم کا تساهل فی التصحیح معروف ہے۔ علوم الحدیث میں یہ امر طے شدہ ہے کہ اگر کسی روایت کو صرف امام حاکم ہی صحیح قرار دیں تو وہ مقبول نہیں ہے۔

مزید براں ''مختصر المستدرک'' میں ذہبی نے اس حدیث کو وارد کیا۔ اور حاکم کا قول نقل کیا ''یہ صحیح ہے''۔ اس کے بعد کہا۔

میں کہتا ہوں ہرگز ایسا نہیں ہے۔ عثمان بن عمیر اور دار قطنی نے ان کو ضعیف قرار دیا ہے۔ سو ذہبی نے اس حدیث کو ضعیف قرار دیا۔ اور اس پر یمین شرعی اٹھائی (اور قاعدہ یہ ہے) کہ جب کسی مسئلہ میں صرف ضعیف حدیثیں ہوں تو اس مسئلہ کے خلاف میں غور وفکر جائز ہوتی ہے۔

چوتھا امر:

جس سے اس مسلک کی تائید ہوتی ہے وہ یہ ہے کہ زمانہ جاہلیت کے ایک گروہ کے بارے یہ امر طے شدہ ہے کہ وہ دین حنیف پر تھے اور انہوں نے دین ابراہیمی اختیار کر رکھا تھا اور شرک سے مجتنب تھے تو یہاں پر کونسی رکاوٹ ہے کہ نبی کریم علیہ الصلوۃ والسلام کے والدین کریمین اس راہ پر نہ چلے ہوں۔

حافظ ابو الفرج ابن الجوزی نے ''التلقیح'' میں ان لوگوں کے نام ذکر کئے ہیں جو جاہلیت میں بت پرستی سے رکے رہے۔ وہ مندرجہ ذیل ہیں۔

ابو بکر الصدیق. زید بن عمرو بن نفیل. عبداللہ بن حجش. عثمان بن الحویرث. ورقہ بن نوفل. رباب بنت البراء. اسعد بن کریب الحمیری. قیس بن ساعدہ الایادی اور ابو قیس بن صرمہ (انتھی)

زید بن عمرو بن نفیل اور ورقہ بن نوفل اور قیس کے بارے تو احادیث وارد ہیں ابن اسحاق نے روایت کی ہے اس کی اصل صحیح میں موجود ہے اسماء بنت ابی بکر سے (رضی اللہ تعالی عنھما)

میں نے زید بن عمر بن نفیل کو کعبہ سے ٹیک لگائے یہ کہتے سنا "اے گروہ قریش۔ تم میں سے میرے سوا کوئی بھی دین ابراہیمی پر نہیں ہے"

پھر کہا۔ اے میرے معبود! اگر مجھے تیرے محبوب ترین بندے کا علم ہوتا تو میں ان کی نوکری کرتا (مگر کیا کروں) مجھے اس کا علم نہیں ہے۔

میں کہتا ہوں اس کی تائید اس بحث سے بھی ہوتی ہے جس کا ذکر مسلک اول میں ہوا۔ کہ اس وقت کوئی ایسا شخص باقی نہ تھا جو دعوت پھیلاتا۔ اور دعوت حقہ کو حقیقی شکل میں پہچانتا۔

ابو نعیم نے "دلائل النبوۃ" میں عمر بن عبد السلمی سے روایت کیا ہے۔

اس نے اعلان کیا۔ میں جاہلیت میں اپنی قوم کے جھوٹے معبودوں سے متنفر تھا اور سمجھتا تھا کہ پتھروں کی عبادت کرنا باطل ہے۔

بیھقی اور ابو نعیم دونوں نے "دلائل النبوۃ" میں شعبی کے طریق سے شیخ جھینی سے روایت کیا ہے۔ "عمر بن حبیب نے اسلام پایا"

امام الاشاعرہ شیخ ابو الحسن الاشعری نے کہا۔

"وَابُوْ بَكْرٍ مَا زَالَ بِعَيْنِ الرِّضَا مِنْهُ"

لوگوں نے امام اشعری کے اس کلام کی مراد میں اختلاف کیا۔ بعض نے کہا کہ ان کی مراد یہ ہے "ابو بکر الصدیق بعثت سے پہلے ہی ایمان دار تھے"۔ دوسرے نے کہا ان کی مراد یہ تھی "وہ ایسی حالت سے دوچار نہیں ہوئے جس میں وہ اللہ کی ناراضی کے سزاوار ٹھہرتے کیونکہ اللہ تعالیٰ جانتا تھا کہ وہ ایمان لائیں گے اور نیک لوگوں کا خلاصہ ثابت ہوں گے۔

شیخ تقی الدین سبکی نے کہا۔ اگر ان کی یہ ہی مراد ہے تو اس میں صدیق اکبر اور باقی صحابہ برابر ہیں۔ حالانکہ اشعری کی یہ عبارت صدیق اکبر کے علاوہ کسی اور صحابی کے حق میں وارد نہیں ہوئی۔ پس زیادہ درست یہ ہے کہ یہ کہا جائے کہ امام اشعری کی مراد یہ ہے کہ

"صدیق اکبر کی زندگی میں ایسا امر ثابت نہیں کہ آپ کفر کے مرتکب ہوئے ہوں۔ سو آپ کا حال بعثت سے پہلے زید بن عمرو بن نفیل اور اس کے امثال جیسا ہے اس لئے امام اشعری نے صحابہ میں فقط ابو بکر صدیق کا ذکر کیا ہے (سبکی کا کلام ختم ہوا)

میں کہتا ہوں۔ اسی طرح نبی اکرم ﷺ کے والدین کے حق میں یہی کہیں گے کہ ان دونوں کی زندگی کی بھی کوئی ایسی حالت ثابت نہیں کہ انہوں نے کفر کا ارتکاب کیا ہے۔ تو امید ہے کہ ان (والدین کریمین) کا حال بھی زید بن عمرو بن نفیل . ابو بکر صدیق اور ان کے امثال جیسا ہے۔

(مقام غور یہ ہے) جب صدیق اکبر اور زید بن عمرو بن نفیل کے حق میں

نبی اکرم ﷺ کی برکت سے جاہلیت میں تخفیف ثابت ہے کیونکہ دونوں بعثت سے پہلے نبی اکرم ﷺ کے دوست تھے۔ اور ان سے انتہائی محبت کرتے تھے تو اسی نسبت کی جہت سے والدین کریمین کیا زیادہ حقدار نہیں ہیں کہ ان کو یہ برکت حاصل ہو اور جاہلیت کے امور سے محفوظ رہے ہوں۔

اگر آپ یہ سوال کریں کہ ایک مشکل باقی ہے اور وہ امام مسلم کی حضرت انس والی روایت ہے۔

ایک شخص نے عرض کی۔ یا رسول اللہ (ﷺ) میرا باپ کہاں ہے۔ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: دوزخ میں۔

جب وہ دونوں (پریشان ہوکر) ٹھہر گئے تو نبی اکرم ﷺ نے ان کو بلایا اور فرمایا۔

"میرا باپ اور تیرا باپ دوزخ میں ہیں"

دوسری امام مسلم اور ابو داؤد کی ابو ہریرہ والی روایت ہے۔

نبی مکرم ﷺ نے اپنی والدہ کے لئے استغفار کی اجازت چاہی، تو آپ کو اجازت نہ ملی۔

میں اس مشکل کو حل کرتا ہوں۔ میں کہتا ہوں۔ بسر وچشم۔ جواب یہ ہے کہ یہ الفاظ "میرا باپ اور تیرا باپ دوزخ میں ہیں" راوی ان کے ذکر پر متفق نہیں ہیں۔ ان کو حماد بن سلمہ نے ثابت سے۔ انہوں نے انس سے روایت کیا ہے۔ اور اسی طریق سے امام مسلم نے روایت کیا ہے جو روایت معمر نے ثابت سے کی ہے۔ اس میں یہ کلمات نہیں ہیں۔ اس میں ہے کہ آپ نے اس شخص سے فرمایا۔

"کہ جب تیرا گزر کسی کافر کی قبر سے ہو تو اسے جہنم کی بشارت دے"

ان کلمات میں آپکے والد گرامی کے بارے میں کسی بھی امر پر کوئی دلالت نہیں ہے اور یہ کلمات روایت کے اعتبار سے زیادہ صحیح ہیں۔ کیونکہ معمر، حماد سے زیادہ ثابت ہیں۔ حماد کے حفظ میں بھی کلام ہے۔ اور ان کی احادیث میں منکر روایات بھی ہیں یہ بھی علماء نے کہا ہے کہ ان کے سوتیلے بیٹے نے ان کی کتابوں میں ملاوٹ بھی کی ہے۔ حماد کا حافظہ بھی مضبوط نہ تھا وہ حدیث میں وہم کا شکار ہوتا ہے۔ اسی وجہ سے امام بخاری نے بالکل ان سے روایت نہیں کی۔ اصول میں امام مسلم نے فقط ان کی ثابت سے روایت لی ہے۔

امام حاکم نے "المدخل" میں کہا۔ امام مسلم نے حماد سے اصول میں فقط ثابت والی روایت لی ہے۔ تحقیق "الشواہد" میں ایک جماعت نے ان سے روایت لی ہے۔

رہے معمر تو ان کے حافظہ میں ہرگز کلام نہیں ہے۔ اور نہ ہی ان سے کوئی منکر حدیث مروی ہے امام مسلم اور امام بخاری دونوں نے ہی ان سے روایت کی ہے۔ تو ان کے کلمات زیادہ صحیح ہیں۔

اس کے بعد ہمیں ایک ایسی حدیث بھی ملی جو سعد بن ابی وقاص سے مروی ہے یہ روایت اسی کی مثل ہے جو معمر عن ثابت عن انس سے وارد ہے۔

بزار، طبرانی اور بیہقی نے ابراھیم بن سعد کے طریق سے، انہوں نے زھری سے، انہوں نے عامر بن سعد سے، انہوں نے اپنے والد گرامی سے روایت کیا ہے۔

ایک اعرابی نے نبی مکرم ﷺ سے عرض کیا۔ میرے باپ کہاں ہیں؟ آپ

ﷺ نے ارشاد فرمایا: جہنم میں۔

اس نے عرض کی: اور آپ کے باپ؟

آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا۔ جب بھی تیرا گزر کسی کافر کی قبر سے ہو تو اسے جہنم کی بشارت دو۔

اس کی اسناد شرط شیخین پر (صحیح) ہے۔ سو اس طرح ان الفاظ پر اعتماد متعین ہو گیا۔ اور اس روایت کی دوسری روایت پر تقدیم واضح ہو گئی۔

اور تحقیق طبرانی اور بیہقی نے اس کے آخر میں یہ زیادہ کیا ہے۔

"بعد میں وہ اعرابی اسلام لے آیا۔ اور کہا: نبی مکرم ﷺ نے مجھے ایک دشوار کام سے مکلّف فرمایا۔ میں جب بھی کسی کافر کی قبر کے قریب سے گزرتا تو اسے جہنم کی بشارت دیتا"۔

اور تحقیق ابن ماجہ نے ابراھیم بن سعد کے طریق سے زھری سے، انہوں نے سالم سے، انہوں نے اپنے والد گرامی سے روایت کیا ہے۔

ایک اعرابی نبی مکرم ﷺ کی بارگاہ میں حاضر ہوا۔ عرض کی یا رسول اللہ! (ﷺ) میرا باپ صلہ رحمی کرتا تھا، وہ اس طرح تھا، وہ اس طرح تھا، وہ کہاں ہے؟

آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا! دوزخ میں۔

وہ اعرابی (شاید) یہ سن کر پریشان ہوا۔ عرض کی۔

یا رسول اللہ! (ﷺ) اور آپ کے والد گرامی؟

نبی مکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا۔ تو جب بھی کسی کافر کی قبر کے قریب سے گزرے تو اسے دوزخ کی بشارت دے۔

بعد میں وہ اعرابی دائرہ اسلام میں داخل ہو گیا۔ اور کہا نبی مکرم ﷺ نے مجھے ایک

مشکل کام کا حکم دیا، میں جب بھی کسی کافر کی قبر کے پاس سے گزرتا اسے جہنم کی بشارت دیتا۔

الفاظ کی اس زیادتی سے یہ بات واضح ہوگئی۔ یہ ہی وہ عام لفظ ہیں جو نبی اکرم ﷺ سے صادر ہوئے۔ اور اس اعرابی نے اسلام لانے کے بعد اس حکم کو بجالاتے رہنا ضروری سمجھا۔ اور اگر آپ کا جواب ان الفاظ سے ہوتا جو اعتراض والی حدیث میں مروی ہیں تو ان میں تو ایسا کوئی حکم نہ تھا۔ پس معلوم ہوا کہ یہ الفاظ راوی کا تصرف ہے۔ اس نے اپنے فہم کے مطابق معناً روایت کی ہے۔

صحیحین میں اس نوعیت کی بہت روایات ہیں جن میں راوی کا تصرف ہے۔ اور اس کا غیر اس سے اثبت ہے۔ جیسے بسم اللہ شریف کی قراءت کی نفی میں حضرت انس رضی اللہ تعالی عنہ سے مسلم کی روایت ہے۔ امام شافعی رضی اللہ تعالی عنہ نے اسی وجہ سے اس کی کمزوری بیان کی ہے کہ حدیث پاک کے ایک اور طریق سے بسم اللہ شریف کے سماع کی نفی ثابت ہے۔ مگر راوی نے قراءت کی نفی سمجھی اور اپنی سمجھ کے مطابق قراءت کی نفی کی روایت کی اور غلطی کھائی۔ ہم اس مقام پر حدیث مسلم کے جواب میں وہی عرض کریں گے جو ہمارے امام شافعی نے بسم اللہ شریف کی قراءت کی نفی کے بیان میں حدیث مسلم کے جواب میں ارشاد فرمایا۔

ہاں اگر فرض کرلیا جائے کہ پہلے الفاظ پر ہی سارے راوی متفق ہیں تو پھر یہ حدیث ان ساری دلیلوں کے معارض ہوگی جن کا ذکر پہلے گزرا۔

اور حدیث صحیح کے معارض جب ایسی دلیلیں ہوں جو اس سے راجح ہوں تو حدیث صحیح کی تاویل واجب ہے۔ اور ان معارض دلیلوں کو مقدم جاننا ضروری ہے۔ جس طرح کہ اصول حدیث کا یہ طے شدہ قاعدہ ہے۔

اسی جواب کی طرح اس حدیث کا جواب دیا جائے گا جس میں والدہ ماجدہ کے حق میں استغفار کرنے کی اجازت نہ ملنے کا ذکر ہے۔ مزید براں عدم ملازمت کا دعوی ممکن ہے۔ جس طرح کہ ابتدائے اسلام میں اس شخص کی نماز جنازہ ممنوع تھی جس پر قرض ہو۔ پس ممکن ہے جس طرح اس نماز سے روکنا کفر کے تبعات کی وجہ سے ہے۔ اسی طرح استغفار سے روکنا بھی کسی اور سبب سے ہو۔ پہلا جواب زیادہ کھرا ہے اور یہ تاویل فی الجملہ ہے۔

اس کے بعد اس حدیث کا میں نے ایک اور طریق دیکھا۔ جس کے الفاظ معمر والی روایت کی طرح ہیں مگر اس میں وضاحت اور زیادہ ہے۔ اور وہ اس طرح کہ اس میں صراحت ہے کہ سائل نے آپ ﷺ کے والد گرامی کے بارے پوچھنے کا ارادہ کیا مگر ادب واحترام کی خاطر رک گیا۔

امام حاکم نے مستدرک میں روایت کیا ہے۔ اور اس کی روایت لقیط بن عامر سے صحیح قرار دی ہے۔

وہ نبی مکرم ﷺ کی بارگاہ میں حاضر ہوا۔ ان کے ہمراہ نہیک بن عاصم بن مالک بن المنتفق تھے۔ ماہ رجب کے گزر جانے کے سبب ہم مدینہ منورہ پہلے گئے نبی اکرم ﷺ کے ساتھ نماز صبح ادا کی۔ آقائے دوجہاں لوگوں میں خطاب کے لئے کھڑے ہوئے۔ اس کے بعد حدیث ذکر کی یہاں تک۔

میں نے عرض کیا۔ یارسول اللہ (ﷺ) کیا ہمارے زمانہ جاہلیت میں گزرنے والے لوگوں سے کوئی اچھا بھی تھا۔

ایک عام قریشی شخص نے کہا۔ تیرا باپ منتفق تو دوزخ میں ہے۔

سارے لوگوں کے سامنے میرے باپ کے بارے اس کی ایسی گفتگو سے تو میرے تن بدن

میں آگ لگ گئی۔ میں نے ارادہ کیا کہ سوال کروں۔

اور آپ کا باپ یارسول اللہ (ﷺ) پھر میں نے سوچا تو بالواسطہ پوچھنا اچھا لگا۔

تو میں نے عرض کی: آپ کے اہل خانہ؟ یارسول اللہ ﷺ

تو آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

تیرا گزر جس بھی مشرک قرشی یا عامری کی قبر سے ہو۔ اسے کہہ کہ مجھے حضرت محمد ﷺ نے تیری طرف بھیجا ہے۔ میں تجھے اسی چیز کی بشارت دیتا ہوں جس کی آپ ﷺ نے تجھے بشارت دی ہے۔

اس روایت میں کوئی اشکال نہیں ہے۔ یہ سب سے واضح روایت ہے ۔ بحث میں زیادہ صاف ہے۔ سائل کے اس سوال سے کیا رکاوٹ تھی ''آپ کے والد گرامی کہاں ہیں؟''

اور حدیث انس میں نبی اکرم ﷺ کا فرمان 'ان ابی' (بے شک میرا باپ) ممکن ہے اس سے مراد آپ کا چچا ابو طالب ہو نہ کہ آپ کے والد گرامی حضرت عبد اللہ رضی اللہ تعالی عنہ ۔ جس طرح کہ امام فخر الدین رازی علیہ الرحمہ نے ''اب ابراھیم'' سے مراد ان کے چچا لئے ہیں اس سلسلہ میں ان کی ابن عباس رضی اللہ تعالی عنہما مجاھد . ابن جریح اور سدی سے نقل گزر چکی ہے۔

یہاں سے دو امر واضح ہوتے ہیں۔

پہلا امر۔ نبی اکرم ﷺ کے زمانہ اقدس میں آپ کے چچا ابو طالب پر ''اب'' کا اطلاق عام تھا۔ اسی وجہ سے کفار ابو طالب سے کہتے۔

''اپنے بیٹے کو سمجھائیے کہ ہمارے معبودوں کی برائی سے باز آ جائے۔ اور ایک مرتبہ ابو طالب نے ان کو جواب دیا جب انہوں نے آپ سے کہا۔ ''اپنا بیٹا ہمیں دے دو

تا کہ ہم اس کو قتل کر دیں اور اس کی جگہ پر یہ لڑکا لے لو" تو آپ نے فرمایا! تو اچھا! میں تمہیں اپنا بیٹا دے دوں تا کہ تم اس کو قتل کر دو۔ اور تمہارا بیٹا لے لوں تا کہ تمہارے لئے اس کی کفالت کروں۔

اور جب ابو طالب نے شام کا سفر کیا نبی اکرم ﷺ ان کے ساتھ تھے۔ بحیراء سے ملاقات ہوئی، تو اس نے پوچھا۔ "یہ آپ کے کیا لگتے ہیں؟"

تو ابو طالب نے جواب دیا! یہ میرا بیٹا ہے۔

تو بحیراء نے کہا۔ کہ اس جوان کے باپ کو زندہ نہیں ہونا چاہئے۔

سو اس طرح ابو طالب کو نبی اکرم ﷺ کا "اب" کہنا عربوں میں عام تھا۔ کیونکہ آپ حقیقی چچا تھے آپ نے پرورش کی تھی بچپن سے کفالت کی تھی آپ کی حفاظت کی تھی، مدد کی تھی، تو اعرابی کا سوال آپ ہی کی بابت تھا۔

دوسرا امر:

"دلائل القصد" میں اسی حدیث کی مانند ابو طالب کا ذکر آیا ہے۔

طبرانی نے ام سلمہ رضی اللہ تعالی عنہ سے روایت کیا ہے۔

حجۃ الوداع کے دن حارث بن ھشام نبی اکرم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا عرض کی۔

یا رسول اللہ (ﷺ) آپ صلہ رحمی، پڑوسی سے احسان، یتیم سے حسن سلوک مہمان کو کھلانے اور مساکین کو کھانا پیش کرنے کی ترغیب دیتے ہیں۔ ھشام بن المغیرہ اسی طرح کرتا تھا۔ ان کے بارے آپ کا کیا گمان ہے؟ یا رسول اللہ (ﷺ)

نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا ہر قبر والا جو لا الہ الا اللہ کی گواہی نہ دیتا تھا وہ جہنم کا دہکتا ہوا انگارہ ہے۔ میں نے اپنے چچا ابو طالب کو دوزخ کے درمیان پایا تو کنارہ

تک کھینچ لیا۔

تنبیہ:

ایک جماعت نے ان سارے جوابات سے سکون پایا۔ اوران والدین کریمین کے بارے واردشدہ احادیث کومنسوخ قراردیا۔ جس طرح وہ احادیث منسوخ قراردیں جن میں وارد ہے کہ مشرکوں کے بچے دوزخی ہیں۔

ان علماء نے فرمایا کہ ان احادیث کی ناسخ مندرجہ ذیل آیت ہے۔

﴿وَلَا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِّزْرَ اُخْرٰی﴾

۱۵ ۔بنی اسرائیل۔ ۱۷

ترجمہ:

اورکوئی بوجھ اٹھانے والی جان دوسرے کا بوجھ نہیں اٹھائے گی۔

اوراحادیث ابوین کی ناسخ یہ آیت ہے۔

﴿وَمَا كُنَّا مُعَذِّبِيْنَ حَتّٰى نَبْعَثَ رَسُوْلًا﴾

۱۵ ۔الاسرائیل ۔ ۱۷

ترجمہ:

اور جب تک ہم کوئی رسول نہ بھیجیں ہم عذاب نازل نہیں کرتے۔

عجیب بات یہ ہے کہ یہ دونوں جملے ایک ہی آیت میں اکٹھے ہیں۔ متعاطف ہیں اور متناسق فی النظم ہیں۔

یہ جواب مختصر مفید ہے ہر جواب سے بے نیاز کرتا ہے۔ مگر یہ پہلے مسلک پر ہے دوسرے پر نہیں ۔اس لئے ہم نے دوسرے مسلک پر جوابات تحریر کئے۔

تتمہ:

حدیث میں ثابت ہے کہ دوزخیوں میں سب سے ہلکا عذاب ابو طالب پر ہے۔ وہ جہنم کے کنارے پر ہے۔ اس کے پاؤں میں (دوزخ کے) جوتے ہیں جن سے اس کا دماغ کھول رہا ہے۔

اس حدیث میں اس امر پر دلالت ہے کہ والدین کریمین دوزخ میں نہیں ہیں۔ کیونکہ العیاذ باللہ اگر وہ بھی دوزخ میں ہوں تو ان کا عذاب ابو طالب سے بھی ہلکا ہو۔ کیونکہ وہ نبی اکرم ﷺ کے ابو طالب سے زیادہ قریب ہیں۔ اور ان کا عذر زیادہ واضح ہے۔ کیونکہ نہ انہوں نے زمانہ بعثت پایا نہ ان پر اسلام پیش کیا گیا۔ ابو طالب کے حق میں اس کا خلاف ہے۔

اور صادق ومصدوق (ﷺ) نے خبر دی کہ ان پر دوزخ کا سب سے ہلکا عذاب ہے۔ تو یقیناً والدین کریمین دوزخ میں نہیں ہیں۔

اہل اصول کے ہاں اسے دلالۃ الاشارۃ کہتے ہیں۔

منصب میدان جدلی:

جھگڑالو خصوصاً اس مسئلہ میں آج کل بہتیرے ہیں۔ ان میں سے اکثر کو استدلال کے طریقوں کی پہچان ہی نہیں ہے۔ ان کے ساتھ گفتگو کرنا ضیاع وقت ہے۔ مگر میں اس جھگڑالو کی طرف نظر کرتا ہوں اور اس سے اس طریق پر گفتگو کرتا ہوں جو اس کے ذہن کے قریب ہو۔ اس کے پاس سب سے بڑی دلیل صحیح مسلم کی روایت ہے۔

اگر جھگڑالو شافعی المذہب ہے تو میں اس سے کہوں گا کہ صحیح مسلم

میں ثابت ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے نماز میں بسم اللہ شریف کی قراءت نہیں کی۔ اور تو بسم اللہ شریف کے بغیر نماز کو درست ہی قرار نہیں دیتا۔

اور صحیح میں ثابت ہے کہ نبی مکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا۔ امام پیروی کے لئے بنایا جاتا ہے۔ اس سے اختلاف نہ کرو۔ وہ جب رکوع کرے تو تم رکوع کرو۔ وہ جب اٹھے تو تم اٹھو۔ اور وہ جب کہے سمع اللہ لمن حمدہ تو تم کہو ربنا لک الحمد اور جب وہ بیٹھ کر نماز پڑھے تو تم بیٹھ کر نماز پڑھو۔

اور تو، جب وہ سمع اللّٰہ لمن حمدہ کہتا ہے تو تُو بھی اسی طرح سمع اللّٰہ لمن حمدہ کہتا ہے اور جب وہ عذر کی وجہ سے بیٹھ کر نماز پڑھے اور تو قادر ہو تو اس کے پیچھے کھڑے ہو کر نماز پڑھتا ہے بیٹھ کر نہیں پڑھتا۔

اور صحیحین کی حدیث میں تیمم کے باب میں ثابت ہے۔ تیرے لئے صرف یہی کافی ہے کہ تو اپنے دونوں ہاتھوں کے ساتھ اس طرح کرے اور ایک ہاتھ سے ایک ضرب لگائے اور بائیں کو دائیں پر اور ہتھیلیوں کے ظاہر اور منہ پر پھیرے۔

اور تو تیمّم میں ایک ضرب کو کافی نہیں سمجھتا اور نہ ہی ہاتھ کی کلائیوں تک مسح کو۔

تو تُو نے ان احادیث کی کیسے مخالفت کی جو صحیحین یا ان میں سے ایک میں ثابت ہیں۔

اگر تو ایسے شخص کے پاس معمولی سا بھی علم ہوا تو وہ جواباً کہے گا۔ اگر ان کے معارض دلیلیں قائم ہوئیں تو ان کو اس پر مقدم کرنا پڑا تو میں اسے کہوں گا۔ یہ بھی اسی کی مانند ہے۔ ایسے شخص کو ایسے ہی منایا جاتا ہے۔ ایسے لوگوں کے لئے یہ ضروری ہے۔

اور اگر جھگڑالو مالکی المذہب ہے۔ تو میں اسے کہوں گا۔ صحیحین سے ثابت ہے کہ خرید و فروخت کرنے والے کو جدا ہونے سے پہلے اختیار ہے۔ اور تو خیار مجلس کو نہیں مانتا۔

اور صحیح مسلم سے ثابت ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے وضوفرمایااور پورے سر کا مسح نہ کیا۔اور تو وضو میں پورے سر کے مسح کو واجب جانتا ہے۔تو تُو نے صحیح سے ثابت شدہ امر کی کیسے مخالفت کی؟

وہ کہے گا جب ان کے معارض دوسری دلیلیں قائم ہوئیں تو میں نے ان کو مقدم جانا،

میں کہوں گا یہ مسئلہ بھی اسی طرح ہے۔

اور اگر جھگڑالو حنفی المذہب ہے تو میں اس سے پوچھوں گا کہ صحیحین سے ثابت ہے کہ جب کتا برتن میں منہ ڈالے تو اسے سات بار دھونا چاہیے۔اور تو نجاست کلب میں سات کو شرط قرار نہیں دیتا۔

اور صحیحین سے ثابت ہے کہ اس شخص کی نماز نہیں جس نے سورۃ فاتحہ کی قراءت نہیں کی اور تو اس کے سوا صحیح جانتا ہے۔

صحیحین میں ثابت ہے ۔پھر تو رکوع سے اٹھ یہاں تک کہ اعتدال ہو اور تو اعتدال میں طمانیت کے سوا نماز کو صحیح جانتا ہے۔

اور صحیح حدیث میں ہے کہ جب پانی دوقلوں کو پہنچ جائے تو وہ پلید نہیں ہوتا اور تو دوقلوں کا اعتبار نہیں کرتا۔

اور صحیحین سے ثابت ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے مدبر کو خریدا اور تو مدبر کی بیع جائز نہیں جانتا تو تُو نے ان صحیح احادیث کی مخالفت کیوں کی پس وہ کہے گا چونکہ ان کے معارض دلیلیں قائم ہوئیں تو میں نے ان کو ترجیح دی۔

تو میں کہوں گا یہ مسئلہ بھی اسی طرح ہے۔

اور اگر جھگڑالو حنبلی المذہب ہے تو میں اس سے سوال کروں گا کہ صحیحین میں ثابت

ہے کہ جس نے شک کے دن روزہ رکھا اس نے ابو القاسم کی نافرمانی کی ۔ اور صحیحین میں ثابت ہے کہ رمضان سے ایک اور دو روزے پہلے نہ رکھو اور تو شک کے دن کا روزہ صحیح قرار دیتا ہے۔ تو تو نے صحیحین سے ثابت شدہ امر کی مخالفت کیوں کی۔

وہ کہے گا چونکہ اس کے معارض دلیلیں قائم ہوئیں اس لئے میں نے ان کو مقدم جانا میں کہوں گا یہ مسئلہ بھی اسی طرح ہے۔

اس طرح کے جواب ان دنوں لوگوں کے ذہنوں کے قریب ہیں۔

اور اگر جھگڑالو ان لوگوں سے ہے جو حدیث لکھتے ہیں اور فقہ کا درک نہیں رکھتے۔ تو اسے کہا جائے گا کہ پرانے لوگوں نے کہا ہے کہ محدث فقہ کے بغیر اس عطار کی طرح ہے جو طبیب نہیں ہے۔ اس کی دکان میں دوائیں تو موجود ہیں مگر وہ ان کے فائدے سے آگاہ نہیں ہے۔

اور فقیہ حدیث کے بغیر اس ڈاکٹر کی طرح ہے جو عطار نہیں ہے وہ یہ تو جانتا ہے کہ کونسی دوا کا کیا فائدہ ہے مگر اس کے ہاں وہ دوا نہیں ہے۔

اور میں تو بحمدہ تعالیٰ حدیث، فقہ، اصول، عربی کے سارے آلات معانی بیان وغیرہ کا جامع ہوں۔ میں پہچانتا ہوں کہ بحث کیسے ہوتی ہے۔ قول کس طرح کیا جاتا ہے۔ دلیل کس طرح پیش کی جاتی ہے۔ ترجیح کس طرح دی جاتی ہے۔

رہی تیری بات تو اے میرے بھائی! اللہ تعالیٰ مجھے اور تجھے توفیق دے۔ تو اس بحث کے لائق نہیں ہے۔ کیونکہ تو نہ فقہ جانتا ہے نہ اصول، اور نہ تیرے پاس آلات سے کچھ ہے نہ حدیث میں کلام کرنا جانتا ہے۔ اور حدیث سے استدلال کرنا اتنا آسان نہیں ہے۔ اور نہ ہی اس شخص کے لئے حدیث میں بحث کرنا جائز ہے جو ان علوم کا جامع نہیں ہے۔ تو اسی پر اکتفاء

کر جو تجھے اللہ تعالیٰ نے عطا کیا ہے تجھ سے جب حدیث کے بارے سوال کیا جائے تو بتا کہ وہ وارد ہوئی ہے یا نہیں۔اور حفاظ نے اسے صحیح کہا ہے یا حسن کہا ہے یا ضعیف۔اس کے علاوہ فتویٰ دینا تیرے لئے جائز نہیں ہے۔اس کے علاوہ دوسری بحثیں اس کے لئے چھوڑ جو اس کا اہل ہے۔

بزرگی کو کھجور نہ سمجھ کہ تو اسے نگل لے گا۔مصبر کو چاٹے بغیر بزرگی نہیں مل سکتی۔

اس کے علاوہ ایک اور امر یہ ہے جس کے ساتھ میں مذاہب اربعہ کے مقلدین سے مخاطب ہوتا ہوں اور وہ یہ ہے کہ امام مسلم نے اپنی صحیح میں حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالی عنہما سے روایت کیا ہے کہ

نبی اکرم ﷺ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالی عنہ اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالی عنہ کے ابتدائی دور میں تین طلاقیں ایک ہی شمار ہوتی تھیں

میں ہر طالب علم سے سوال کرتا ہوں۔کیا اس حدیث کے مقتضی کا وہ قائل ہے کہ اگر کسی شخص نے اپنی عورت سے کہا "تو تین بار طلاق والی ہے" تو اسے فقط ایک ہی طلاق ہو گی؟

اگر وہ کہے ہاں تو میں اس سے اعراض کرلوں گا اور اگر وہ کہے نہیں تو میں اس سے سوال کروں گا کہ تو اس امر کی کیسے مخالفت کرتا ہے جو صحیح مسلم سے ثابت ہے اگر وہ جواب دے معارض کی وجہ سے، تو میں کہوں گا حدیث والدین کو بھی اسی قبیل سے بنا لے۔

اس ساری بحث کا مقصود یہ ہے کہ ضروری نہیں کہ صحیح مسلم کی ہر حدیث کے مقتضی کا قول کیا جائے کیونکہ معارض ممکن ہے۔

تیسرا مسلک:

اللہ تعالیٰ نے نبی اکرم ﷺ کے والدین کریمین کو زندہ فرمایا اور وہ آپ پر ایمان لے آئے یہ حفاظ محدثین اور ان کے علاوہ دوسرے علماء کے بہت بڑے گروہ کا مسلک ہے۔

ان میں سے ابن شاهین حافظ ابو بکر الخطیب البغدادی. سهیلی قرطبی. محب طبری. علامه ناصر الدین ابن المنیر اور دوسرے محدثین ہیں۔

ان کی دلیل وہ روایت ہے جو ابن شاهین نے "الناسخ و المنسوخ" میں خطیب بغدادی نے "السابق و الاحق" میں دارقطنی اور ابن عساکر دونوں نے "غرائب مالک" میں سند ضعیف کے ساتھ سیده عائشه صدیقه رضی اللّٰه تعالی عنها سے روایت کی ہے۔

حجۃ الوداع کے موقع پر ہم نبی اکرم ﷺ کے ساتھ تھے جب ہمارا گزر حجون کی گھاٹی کے قریب سے ہوا۔ آپ غمزدہ اور پریشان تھے اور آنسو بہا رہے تھے۔ آپ سواری سے نیچے اترے اور کافی دیر تک مجھ سے دور ٹھہرے رہے۔ جب واپس تشریف لائے تو خوش تھے اور مسکرا رہے تھے۔

میں نے وجہ دریافت کی تو نبی مکرم ﷺ نے وضاحت کی، میں اپنی والدہ ماجدہ کی قبر پر گیا تھا میں نے خداوند قدوس کی بارگاہ میں ان کی زندگی کی دعا کی تو اللہ تعالیٰ نے ان کو زندہ فرمایا وہ مجھ پر ایمان لے آئیں پھر خداوند قدوس نے ان کو دوبارہ لوٹا دیا۔

اتفاق محدثین سے یہ حدیث ضعیف ہے بلکہ کہا گیا ہے کہ موضوع ہے لیکن صحیح بات یہ ہے کہ ضعیف ہے موضوع نہیں ہے میں نے اسی بیان میں ایک مفرد جزء تالیف کیا ہے۔

امام سھیلی نے ''الروض الانف'' میں سند کے ساتھ وارد کیا ہے کہ اس حدیث میں دو مجہول ہیں۔ جو سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالی عنہا سے روایت ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے اپنے رب سے عرض کی کہ وہ والدین کریمین کو زندہ فرمادے اللہ تعالیٰ نے ان دونوں کو زندہ فرمایا۔ وہ ایمان لائے اور پھر ان پر موت طاری کردی۔

امام سھیلی نے اس روایت کو وارد کرنے کے بعد کہا، خداوند قدوس ہر چیز پر قادر ہے اس کی رحمت اور قدرت کسی چیز سے عاجز نہیں ہے اور نبی اکرم ﷺ اس امر کے اہل ہیں کہ خداوند قدوس جیسے پسند فرمائے ان کو اپنے فضل سے نوازے اور جو چاہے بزرگی عطا فرمائے۔

قرطبی نے کہا کہ اس زندہ کرنے والی حدیث اور استغفار سے نہی والی حدیث میں کوئی تعارض نہیں ہے حدیث احیاء حدیث استغفار سے متاخر ہے اس کی دلیل حجۃ الوداع والی حدیث عائشہ ہے اس لئے ابن شاھین نے حدیث احیاء کو باقی حدیثوں کی ناسخ قرار دیا ہے۔

علامہ ناصر الدین بن المنیر المالکی نے اپنی کتاب ''المقتضی فی شرف المصطفی'' میں ارشاد فرمایا!

نبی مکرم ﷺ کے لئے مردوں کو زندہ کرنا ثابت ہے۔ جس طرح حضرت عیسی ابن مریم علیھما السلام کے لئے واقع ہے۔ اس کے بعد یہ حدیث وارد کی کہ جب نبی مکرم ﷺ کو کفار کے لئے استغفار سے منع فرمایا تو آپ نے اللہ تعالیٰ سے دعا کی کہ وہ آپ ﷺ کے والدین کو زندہ فرمادے تو اللہ تعالیٰ نے ان کو زندہ فرمایا۔ وہ دونوں آپ پر ایمان لائے آپ کی تصدیق کی اور پھر ایمان کی حالت میں فوت ہوئے۔

قرطبی نے کہا کہ نبی اکرم ﷺ کے فضائل، وقت وصال تک مسلسل بڑھتے رہے۔ یہ اس خصوصی فضل وکرم کی وجہ سے ہے جس سے اللہ تعالیٰ نے آپ کو نوازا تھا۔

آپ کے والدین کریمین کا زندہ ہونا اور ایمان قبول کرنا نہ تو شرعاً ناممکن ہے اور نہ ہی عقلاً۔

بنی اسرائیل کے مقتول شخص کا زندہ ہونا قرآن حکیم میں وارد ہے عیسی علیہ السلام مردوں کو زندہ فرماتے تھے اس طرح نبی اکرم ﷺ کے ہاتھوں فوت شدگان کی ایک جماعت زندہ ہوئی۔ جب یہ سب کچھ ثابت ہے تو کونسی چیز مانع ہے کہ نبی اکرم ﷺ کی کرامت اور فضیلت کے تصدق سے اللہ تعالیٰ نے والدین کریمین کو زندہ فرمایا اور دولت ایمان سے نوازا۔

حافظ فتح الدین ابن سید الناس نے اپنی سیرت کی کتاب میں والدین کریمین کے زندہ ہونے کا واقعہ بیان کیا۔ ان احادیث کا بھی ذکر کیا جن میں ان کے لئے عذاب کا ذکر ہے اس کے بعد فرمایا:

نبی اکرم ﷺ کے مقامات کی بلندیوں میں وقت وصال تک ترقی اور اضافہ ہوتا رہا اللہ تعالیٰ نے اپنی بارگاہ میں آنے سے پہلے ان کو مخصوص کرامات سے نوازا۔

ممکن ہے کہ نبی اکرم ﷺ کو یہ عظیم درجہ بعد میں حاصل ہوا ہو، اور احیاء اور ایمان والی حدیثیں متاخر ہوں پس ان میں قطعاً کوئی تعارض نہیں ہے۔ (انتھی)

تحقیق بعض علماء نے اس طرف اشارہ کیا ہے اور حضرت حلیمہ والی خبر وارد کرنے کے بعد کہا کہ نبی اکرم ﷺ نے ان کو حاضری پر کیا عظیم انعام دیا جب وہ نبی اکرم ﷺ کی بارگاہ میں حاضر ہوئیں۔

اشعار:

یہ ان کو دودھ پلانے کی ان کی والدہ کو جزا ہے مگر جو اس کی جزا اللہ تعالیٰ کی طرف سے (قیامت کے دن) ہوگی وہ بہت عظیم ہے۔

اسی طرح مجھے امید ہے کہ ان کی حقیقی والدہ کو (ان کی پرورش کی وجہ سے) عظیم نعمت اور احسان سے نوازا جائے گا۔

ان کو اللہ تعالیٰ نے زندہ فرمایا اور وہ نبی اکرم ﷺ پر ایمان لے آئیں یہ حدیث مشہور ہے۔

آپ کو اسی طرح خوش بختی سے نوازا گیا جس طرح حضرت حلیمہ کو بد بختی کے بعد خوش بختی سے نوازا گیا۔

حافظ شمس الدین محمد بن ناصر الدین الدمشقی نے اپنی کتاب "**مورد الصادی فی مولد الهادی**" میں اس حدیث کو ذکر کرنے کے بعد یہ اشعار کہے۔

اللہ تعالیٰ نے نبی اکرم ﷺ کو فضل پر فضل عطا کیا کیونکہ اللہ تعالیٰ ان پر بہت مہربان ہے۔ ان پر فضل واحسان کرتے ہوئے ان پر ایمان لانے کی غرض سے ان کے والدین کریمین کو زندہ فرما دیا۔ اس امر کو تسلیم کر لے خداوند قدوس اس امر پر قادر ہے اگرچہ حدیث ضعیف ہے۔

خاتمہ:

علماء کی ایک جماعت کے ہاں یہ مسالک پختہ نہیں ہیں انہوں نے مسلم کی دونوں

حدیثوں اور اس قسم کی دوسری حدیثوں کو اپنے ظاہر پر رکھا ہے۔ نہ ان میں نسخ کا دعویٰ کیا ہے نہ ان کی تاویل کی ہے۔ ان ساری باتوں کے باوجود ان کا ذکر روا نہیں رکھا۔

سھیلی نے "**الروض الانف**" میں حدیث مسلم وارد کرنے کے بعد کہا نبی اکرم ﷺ کے والدین کریمین کے بارے اس طرح کی باتیں کرنا ہمارے لئے جائز نہیں ہے۔

نبی اکرم ﷺ کا فرمان ہے۔

فوت شدگان کے سبب سے زندہ کو اذیت مت دو۔

اور اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا!

﴿اِنَّ الَّذِیْنَ یُؤْذُوْنَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ لَعَنَهُمُ اللّٰهُ فِی الدُّنْیَا وَالْاٰخِرَةِ﴾

۵۷_الاحزاب _ ۳۳

ترجمہ:

بے شک وہ لوگ جو اللہ اور اس کے رسول کو اذیت دیتے ہیں ان پر دنیا اور آخرت میں اللہ تعالیٰ کی لعنت ہے۔

قاضی ابو بکر ابن العربی جو آئمہ مالکیہ سے ہیں ان سے کسی ایسے شخص کے بارے سوال کیا گیا جو کہتا ہے نبی اکرم ﷺ کے والدین دوزخ میں ہیں۔

آپ نے فرمایا! ایسا کہنے والا شخص لعنتی ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا!

﴿اِنَّ الَّذِیْنَ یُؤْذُوْنَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ لَعَنَهُمُ اللّٰهُ فِی الدُّنْیَا وَالْاٰخِرَةِ﴾

۵۷_الاحزاب _ ۳۳

ترجمہ:

بے شک وہ لوگ جو اللہ اور اسکے رسول کو اذیت دیتے ہیں ان پر دنیا اور آخرت میں

اللہ تعالیٰ کی لعنت ہے۔

اور کسی شخص کو اس سے بڑی اذیت کیا دی جاسکتی ہے کہ اس کے باپ کے بارے کہا جائے کہ ''وہ دوزخی ہے''۔

کچھ علماء نے پانچواں قول کیا ہے۔ اور وہ توقف ہے۔

شیخ تاجدین فاکھانی نے اپنی کتاب ''الفجر المنیر'' میں کہا ہے۔

آپ کے والدین کا حال اللہ ہی بہتر جانتا ہے۔

''باجی'' نے شرح الموتی میں کہا۔

بعض علماء نے فرمایا ہے کہ نبی اکرم ﷺ کو کسی بھی فعل سے اذیت دینا جائز نہیں وہ مباح ہو یا غیر مباح ہو۔

دوسرے لوگوں کو فعل مباح سے اذیت دینا جائز ہے اس سے نہیں روکا گیا اور مباح کا فاعل گناہ گار بھی نہیں ہے اگرچہ یہ اذیت دوسرے تک پہنچ جائے۔

فرمایا! جب حضرت علی رضی اللہ تعالی عنہ نے ابو جھل کی بیٹی سے نکاح کرنا چاہا تو نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا۔

فاطمہ میرے جگر کا ٹکڑا ہے میں اللہ تعالیٰ کی حلال کردہ چیز کو حرام تو نہیں کرتا مگر اللہ تعالیٰ کے رسول کی بیٹی اور دشمن خدا کی بیٹی ایک گھر جمع نہیں ہو سکتیں۔

یہ اس امر کی دلیل ہے کہ نبی اکرم ﷺ کو فعل مباح سے اذیت دینا جائز نہیں ہے۔

اس پر دلیل، یہ دو آیتیں ہیں۔

﴿اِنَّ الَّذِيْنَ يُؤْذُوْنَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ لَعَنَهُمُ اللّٰهُ فِى الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ﴾

۵۷۔الاحزاب۔۳۳

ترجمہ:

بے شک وہ لوگ جو اللہ اور اس کے رسول کو اذیت دیتے ہیں ان پر دنیا اور آخرت میں اللہ تعالیٰ کی لعنت ہے۔

اہل ایمان کے لئے "بِغَیرِ مَا اکْتَسَبُوا" کی شرط ہے مگر نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ والہ وسلم کے حق میں شرط کے بغیر مطلق ہے۔

المسئلة :

مجھ سے کہا گیا کہ میں اس بحث کو نظم کروں، سو میں اسی نظم کے ساتھ اس تالیف کو ختم کرتا ہوں۔

بے شک وہ ذات جس نے محمد ﷺ کو نبی بنایا اسی نے آپ کے وسیلہ سے انسانوں اور جنات کو ہلاکتوں سے نجات دی۔

نبی اکرم ﷺ کے والدین کریمین کا حکم عام ہے۔ ہمیشہ اس مسئلہ میں علماء نے کتابیں لکھیں۔

علماء کی ایک جماعت نے ان کو ان لوگوں کے زمرہ میں رکھا ہے۔ جن تک دعوت ہی نہیں پہنچی۔

جن لوگوں تک دعوت ہی نہیں پہنچی ان پر عذاب نہیں ہے۔ یہ ہی مصنف کا موقف ہے۔ اسی وجہ سے تمام شافعیوں اور اشاعرہ کا یہ موقف ہے۔

اس موقف پر سورۃ الاسراء میں دلیل ہے۔ اور اس طرح کی دوسری آیات بھی مشہور ہیں۔

اس کی علامت کے بیان میں بعض فقہاء نے بادنسیم سے زیادہ رقیق اور لطیف معانی بیان کئے ہیں۔

کیونکہ وہ اسی فطرت پر باقی رہے جس پر پیدا ہوئے تھے اور ان سے عناد اور مخالفت ظاہر نہیں ہوئی۔

امام فخر الدین رازی نے اس ضمن میں ایک منفرد موقف اختیار کیا۔ جس کے سننے کے لوگ مشتاق ہیں۔

فرمایا! نبی اکرم ﷺ کے سارے آباء کرام توحید پر تھے، دین حنیف پر تھے۔

آدم علیہ السلام سے لے کر حضرت عبد اللہ رضی اللہ تعالی عنہ تک نہ ان میں شرک تھا نہ کوئی اور برائی اور پلیدی تھی۔

مشرک تو سورہ توبہ کی روشنی میں ناپاک ہیں مگر آباء کرام تو سارے کے سارے ہی پاک تھے۔

سورہ شعراء میں ہے کہ نبی اکرم ﷺ سجدہ گزاروں میں ہی منتقل ہوتے رہے ہیں۔ اور سارے کے سارے آباء کرام دین حنیف پر تھے۔

یہ شیخ فخر الدین کی بحث ہے۔

خداوند کریم ان کو بہتر جزا دے، اور ان کو آرائش شدہ جنت میں جگہ دے۔

زمانہ جاہلیت میں لوگوں کا ایک گروہ دین ہدایت پر تھا۔

جیسے زید بن عمرو بن نفیل اور ابو بکر صدیق، انہوں نے کبھی شرک نہیں کیا۔

سبکی اور اشعری نے بھی یہ ہی تفسیر بیان کی ہے۔

صدیق اکبر ہمیشہ توحید پرست رہے۔

چونکہ وہ نبی اکرم ﷺ کے دوست تھے اس لئے زمانہ جاہلیت میں بھی گمراہی سے آگاہ نہیں ہوئے۔

تو والدین کریمین تو (اس کردار) کے زیادہ لائق ہیں، انہوں نے تو بے شمار نشانیاں دیکھی تھیں۔

ایک نے کہا کہ وہ زندہ ہوئے اور ایمان لائے۔

ابن شاہین نے اس ضمن میں ایک مسند حدیث بیان کی ہے مگر وہ ضعیف ہے۔

یہ تمام مسالک اگر جدا جدا بھی ہوتے تو کافی تھے مگر اب تو ایک جگہ جمع ہو گئے ہیں اس شخص کی حالت کیا ہوگی جو ادباً بھی خاموش نہیں رہتا مگر وہ انصاف پسند شخص کہاں۔

اللہ تعالیٰ نبی اکرم ﷺ پر درود بھیجتا رہے ان کی طرح کسی نے دین حنیف کی تجدید نہیں فرمائی۔

والدین کریمین سے متعلق ایک اور حدیث:

بیہقی نے "شعب الایمان" میں کہا۔ خبر دی ہمیں ابو الحسین بن بشران نے، انہوں نے ابو جعفر رازی سے انہوں نے یحی بن جعفر سے انہوں نے زید بن الحباب سے انہوں نے یاسین بن معاذ سے انہوں نے عبد اللہ بن یزید سے اور انہوں نے طلق بن علی سے روایت کیا ہے کہ

نبی مکرم ﷺ کا ارشاد ہے۔

اگر میں اپنے والدین کریمین دونوں یا ایک کو پاتا اور میں نماز عشاء میں فاتحہ الکتاب کی قراءت بھی کر چکا ہوتا اس حالت میں وہ مجھے آواز دیتے تو ضرور لبیک کہتا۔

بیھقی نے کہایا سین بن معاذ ضعیف ہے۔

فائدہ:

ازرقی نے تاریخ مکہ میں کہا ہے۔

محمد بن یحی نے عبد العزیز بن عمران سے اور انہوں نے ھشام بن عاصم اسلمی سے روایت کیا ہے۔ غزوہ احد میں میں نبی اکرم ﷺ کی بارگاہ میں حاضر ہوا آپ نے ابواء کے مقام پر پڑاؤ کیا۔

توھند بنت عتبہ نے ابو سفیان بن حرب سے کہا۔

کاش تم محمد ﷺ کی ماں کی قبر تلاش کرتے۔

کیونکہ وہ ابواء میں ہے اور جو شخص یہ کام کرے اس کی ہر خواہش پوری کردو۔

ابو سفیان نے اس کا قریش سے ذکر کیا تو قریش نے کہا اس دروازہ کو ہم پر مت کھولو، وگرنہ ابو بکر ہمارے مُردوں کو تلاش کرتے رہیں گے۔

فائدہ:

صلاح الصفدی نے حضرت عبد اللہ کے تذکرہ میں ان کے شعروں کا ذکر کیا ہے (جو یہ ہیں)

ہر ملک کے مسافروں نے یہ فیصلہ دیا ہے کہ ہمیں زمین کے سرداروں پر فضیلت حاصل ہے۔

میرے والد گرامی بزرگی اور سرداری والے ہیں جن کی طرف نشیب وفراز سے اشارہ کیا جاتا ہے۔

میرے دادا اور ان کے آباء کرام پہلے سے ہی خالص حسب اور نیکی والے ہیں۔

الدرج المنیفه

فی

الآباء الشریفه

(آباء کرام میں بلند درجے)

تصنیف

شیخ الاسلام امام جلال الدین سیوطی علیہ الرحمہ

ترجمہ

ساجد الهاشمی

الحمد للہ وسلام علیٰ عبادہ الذین اصطفیٰ

نبی اکرم ﷺ کے والدین کریمین کے بارے یہ میری تیسری تصنیف ہے۔ یہ سب سے مختصر اور جامع ہے۔

میں کہتا ہوں!

مشہور آئمہ میں سے ایک بہت بڑے گروہ نے کہا ہے کہ والدین کریمین ناجی ہیں اور آخرت میں سرخرو ہیں۔

یہ علماء اپنے مخالفین کے اقوال سے اچھی طرح واقف ہیں۔ کسی طرح بھی مقام مرتبہ میں ان سے کم نہیں ہیں۔ احادیث اور آثار کے اچھے حافظ ہیں۔ جن دلائل سے ان کے مخالفین نے استدلال کیا ہے ان کی بہت اچھی طرح پرکھ کرنے والے ہیں۔ یہ مختلف علوم اور فنون کے جامع ہیں۔ خصوصاً ان چار فنون پر اچھی طرح آگاہ ہیں جو اس مسئلہ میں مددگار ہیں یہ مسئلہ تین قواعد پر منحصر ہے۔ کلامی، اصولی اور فقہی۔

چوتھا حدیث اور اصول فقہ کے درمیان مشترک ہے مزید برآں اس میں حفظ فی الحدیث کی کشادگی اور صحت نقد کی بھی محتاجی ہے۔ آئمہ کے قول پر گہری نظر اور ان کے متفرق کلام پر دسترس درکار ہے۔

ان کے بارے یہ گمان کبھی نہ کرنا چاہیئے کہ یہ ان احادیث پر آگاہ نہ تھے۔ جن سے ان کے مخالفین نے استدلال کیا ہے۔ (العیاذ باللہ) یہ ان پر آگاہ تھے اور ان کی گہرائی میں غوطہ زن ہوئے تھے اور ان کے ایسے پسندیدہ جواب دیئے جن کو کوئی منصف مزاج شخص رد نہیں کر سکتا ان علماء نے اپنے نظریہ پر مضبوط اور اٹل پہاڑوں کی مانند دلائل دیئے۔

والدین کریمین کی نجات کے دعویدار علماء نے اس نظریہ پر تین درجات بنائے ہیں

پہلا درجہ

والدین کریمین کو دعوت ہی نہیں پہنچی، کیونکہ دونوں ہی زمانہ فترت میں تھے جس میں جہالت مشرق سے لے کر مغرب تک پھیلی ہوئی تھی۔ اس زمانہ میں کوئی ایسا شخص نہ تھا جو دعوت اپنی اصلی صورت میں آگے پہنچاتا اور شریعتوں میں سے کچھ بھی سمجھتا۔

مزید برآں دونوں ہی ابتدائی عمر میں وصال فرما گئے اور ایسی عمر کو پہنچے ہی نہیں جس میں اخبار پر آگہی ہوتی ہے اور صحیفوں سے تلاش و جستجو ممکن ہوتی ہے۔

والد گرامی تو حافظ صلاح الدین العلائی کی تصحیح کے مطابق اٹھارہ سال کی عمر میں دار فانی سے رحلت فرما گئے۔ والدہ ماجدہ تقریباً بیس سال حیات رہیں مگر وہ تو پردہ نشین اور گھر رہنے والی ایسی خاتون تھیں جو مردوں سے میل جول نہ رکھتی تھیں اور نہ ہی انہیں کوئی (شرائع) کی خبر دینے والا میسر تھا، اور اس زمانہ میں جبکہ اسلام پھیل چکا ہے اور فقہ مشرق و مغرب پر چھا گئی ہے عورتیں اکثر احکام شریعت سے واقف نہیں ہیں کیونکہ فقہا سے ان کا میل ملاپ نہیں ہے تو زمانہ جاہلیت و فترت میں عورتوں کی عدم آگہی کا عالم کیا ہوگا۔

فقہاء سے آئمہ شافعیہ کا اور اہل کلام و اصول فقہ سے آئمہ اشاعرہ کا اتفاق ہے کہ جس شخص کو دعوت نہیں پہنچی وہ موت کے وقت سرخرو ہے اور جنت میں جائے گا۔

یہ امام شافعی علیہ الرحمہ اور تمام اصحاب کا نظریہ ہے۔ انہوں نے قرآن کریم کی آٹھ آیات سے استدلال کیا ہے۔

پہلی آیت کریمہ:

﴿وَمَا كُنَّا مُعَذِّبِينَ حَتّٰى نَبْعَثَ رَسُولًا﴾

۱۵۔الاسرائیل۔۱۷

ترجمہ:

اور ہم عذاب نہیں نازل کرتے جب تک ہم کوئی رسول نہ بھیجیں۔

دوسری آیت کریمہ:

﴿ذٰلِكَ اَنْ لَّمْ يَكُنْ رَّبُّكَ مُهْلِكَ الْقُرٰى بِظُلْمٍ وَّاَهْلُهَا غَافِلُونَ﴾

۱۳۱۔ الانعام۔۶

ترجمہ:

یہ اس لئے نہیں کہ آپ کا رب بستیوں کو ہلاک کرے گا ظلم کے ساتھ اس حال میں کہ ان کے باشندے غافل ہوں۔

تیسری آیت کریمہ:

﴿وَلَوْلَآ اَنْ تُصِيبَهُمْ مُّصِيبَةٌ م بِمَا قَدَّمَتْ اَيْدِيهِمْ فَيَقُولُوا رَبَّنَا لَوْلَآ اَرْسَلْتَ اِلَيْنَا رَسُولًا فَنَتَّبِعَ آيَاتِكَ وَنَكُونَ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ﴾

۴۷۔القصص۔۲۸

ترجمہ:

کہیں ایسا نہ ہو کہ جب ان کے کئے ہوئے اعمال کے باعث انہیں کوئی مصیبت پہنچنے لگے تو وہ یہ کہنے لگیں، اے ہمارے رب! تو نے ہماری طرف کوئی رسول کیوں نہ بھیجا

تا کہ ہم تیری آیات کی پیروی کرتے اور ہم ایمان لانے والوں سے ہوجاتے۔

چوتھی آیت کریمہ:

﴿وَلَوْ اَنَّآ اَهْلَكْنٰهُمْ بِعَذَابٍ مِّنْ قَبْلِهٖ لَقَالُوْا رَبَّنَا لَوْلَآ اَرْسَلْتَ اِلَيْنَا رَسُوْلًا فَنَتَّبِعَ اٰيٰتِكَ مِنْ قَبْلِ اَنْ نَّذِلَّ وَنَخْزٰى﴾

۱۳۴_طه_۲۰

ترجمہ:

اگر ہم اس سے پہلے ان کو کسی عذاب سے ہلاک کردیتے تو وہ کہتے اے ہمارے رب! تو نے ہماری طرف کوئی رسول کیوں نہ بھیجا کہ ہم ذلیل و رسوا ہونے سے پہلے تیری آیات کی پیروی کرتے۔

پانچویں آیت کریمہ:

﴿وَهٰذَا كِتٰبٌ اَنْزَلْنٰهُ مُبٰرَكٌ فَاتَّبِعُوْهُ وَاتَّقُوْا لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ. اَنْ تَقُوْلُوْٓا اِنَّمَآ اُنْزِلَ الْكِتٰبُ عَلٰى طَآئِفَتَيْنِ مِنْ قَبْلِنَا ص وَاِنْ كُنَّا عَنْ دِرَاسَتِهِمْ لَغٰفِلِيْنَ﴾

۱۵۶_۱۵۵_الانعام_۶

ترجمہ:

اور یہ کتاب ہے، اسے ہم نے اتارا ہے، بابرکت ہے، اس کی پیروی کرو اور ڈرو تا کہ تم پر رحم کیا جائے، تا کہ تم یہ نہ کہو کہ کتاب تو ہم سے پہلے دو گروہوں پر اتاری گئی تھی اور ہم تو ان کے پڑھنے پڑھانے سے بالکل بے خبر تھے۔

چھٹی آیت کریمہ:

﴿وَمَآ اَهْلَكْنَا مِنْ قَرْيَةٍ اِلَّا لَهَا مُنْذِرُوْنَ. ذِكْرٰى وَمَا كُنَّا ظٰلِمِيْنَ﴾

۲۰۹-۲۰۸_الشعرا_۲۶

ترجمہ:

اور ہم نے کسی بستی کو ہلاک نہیں کیا مگر اس کے ڈرانے والے بھیجے گئے تھے یاددہانی کے لئے، اور ہم ظالم نہیں تھے۔

ساتویں آیت کریمہ:

﴿وَمَا كَانَ رَبُّكَ مُهْلِكَ الْقُرٰى حَتّٰى يَبْعَثَ فِيْٓ اُمِّهَا رَسُوْلًا يَّتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِنَا﴾

۵۹_القصص_۲۸

ترجمہ:

اور آپ کا رب بستیوں کو ہلاک کرنے والا نہیں ہے یہاں تک کہ ان کے مرکزی شہر میں کوئی رسول بھیجے جو وہاں کے رہنے والوں کو ہماری آیتیں سنائے۔

آٹھویں آیت کریمہ:

﴿وَهُمْ يَصْطَرِخُوْنَ فِيْهَا ج رَبَّنَآ اَخْرِجْنَا نَعْمَلْ صَالِحًا غَيْرَ الَّذِيْ كُنَّا نَعْمَلُ ط اَوَلَمْ نُعَمِّرْكُمْ مَّا يَتَذَكَّرُ فِيْهِ مَنْ تَذَكَّرَ وَجَآءَكُمُ النَّذِيْرُ﴾

۳۷_الفاطر_۳۵

ترجمہ:

اور وہ اس میں چیختے چلاتے ہوں گے اے ہمارے رب! ایک بار ہمیں یہاں سے

نکال، ہم بڑے نیک اعمال کریں گے ایسے نہیں جیسے ہم پہلے کیا کرتے تھے (جواب ملے گا) کیا ہم نے تمہیں اتنی لمبی عمر نہ دی تھی جس میں بآسانی نصیحت قبول کر سکتا، جو نصیحت قبول کرنا چاہتا اور تمہارے پاس ڈرانے والا تشریف لایا تھا۔

ان علماء عظام نے اپنے موقف پر چھ احادیث سے استدلال کیا ہے۔

پہلی حدیث شریف:

امام احمد بن حنبل، اسحق بن راھویہ نے اپنی اپنی مسند میں اور بیہقی نے "دلائل النبوۃ" میں اسود بن سریع اور ابو ھریرہ رضی اللہ عنھما سے روایت کیا ہے۔اور بیہقی نے اس کو صحیح قرار دیا ہے۔

نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا!

چار افراد قیامت کے روز احتجاج کریں گے۔

بہرہ شخص جو بالکل نہیں سنتا، احمق، بہت بوڑھا اور زمانہ فترت میں ہلاک ہونے والا۔

بہرہ شخص عرض کرے گا، اے میرے پروردگار اسلام تو آیا مگر میں نے تو کچھ سنا ہی نہیں۔

احمق کہے گا، اسلام تو آیا مگر (بے عقلی کی وجہ سے میری تو یہ حالت تھی) کہ بچے مجھ پر مینگنیاں پھینکتے تھے۔

بہت بوڑھا شخص عرض کرے گا، اسلام تو آیا مگر میں کچھ سمجھ ہی نہ سکا۔

زمانہ فترت میں ہلاک ہونے والا شخص عرض کرے گا، میری طرف تو تیرا کوئی رسول ہی نہیں آیا۔

اللہ تعالیٰ (ان حجت بازوں) سے فرمانبرداری کا پختہ وعدہ لے گا پھر ان کی طرف

پیغام بھیجے گا جہنم میں داخل ہو جاؤ۔

جو داخل ہو جائیں گے ان کے لئے جہنم ٹھنڈی اور سلامتی والی ہو جائے گی۔اور جو

رک جائیں گے ان کو زبردستی گھسیٹ کر پھینک دیا جائے گا۔

دوسری حدیث شریف:

بزار نے اپنی مسند میں سند حسن کے ساتھ ترمذی کی شرط پر ابو سعید خدری

رضی اللہ تعالی عنہ سے روایت کیا ہے۔

نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا۔

(قیامت کے روز) زمانہ فترت میں ہلاک ہونے والا، بے عقل اور بچہ پیش کیا

جائے گا۔

زمانہ فترت میں ہلاک ہونے والا عرض کرے گا اے میرے پروردگار! میرے

پاس نہ کوئی کتاب آئی نہ کوئی رسول۔

بے عقل عرض کرے گا اے میرے پروردگار! تو نے مجھے عقل ہی نہیں دی کہ میں شر

اور خیر میں تمیز کر سکتا۔

بچہ کہے گا میں نے عمل کرنے کی عمر نہیں پائی۔

(ان باتوں کے بعد) ان پر جہنم بلند کی جائے گی اور ان سے کہا جائے گا: اس میں

کود جاؤ وہ شخص اس میں داخل ہو جائے گا، جو علم الٰہی میں خوش بخت تھا، اگر وہ عمل پاتا اور وہ

شخص رک جائے گا، جو علم الٰہی میں بد بخت تھا اگر وہ عمل پاتا۔

اللہ تعالیٰ (ان رک جانے والوں) سے فرمائے گا۔

تم نے تو میری خاص نافرمانی کی تمہارا معاملہ بالغیب میرے رسولوں کے سامنے کیسا ہوتا؟

تیسری حدیث شریف:

عبد الرازق، ابن جریر، ابن ابی حاتم اور ابن المنذر نے اپنی اپنی تفسیروں میں شرط شیخین پر صحیح سند کے ساتھ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالی عنہ سے روایت کیا ہے۔

قیامت کے روز اللہ تعالیٰ اہل فترت، بے عقل، بہرے، گونگے اور ان بوڑھوں کو جمع فرمائے گا، جنہوں نے زمانہ اسلام نہیں پایا۔ پھر ان کی طرف پیغام بھیجے گا، جہنم میں داخل ہو جاؤ۔

وہ عرض کریں گے، کیونکر؟ ہماری طرف تو کوئی رسول ہی نہیں آیا۔ فرمایا اللہ تعالیٰ کی قسم اگر وہ اس میں داخل ہو جاتے تو وہ ضرور ان پر ٹھنڈی اور سلامتی والی ہو جاتی۔

پھر ان کی طرف حکم آئے گا اطاعت کرو۔

(یہ حکم سن کر وہی) شخص اطاعت کرے گا جو ارادہ الٰہی میں مطیع ہوگا۔

(اس روایت کے بعد) حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے ارشاد فرمایا۔

اگر چاہو تو پڑھو۔

﴿وَمَا كُنَّا مُعَذِّبِيْنَ حَتّٰى نَبْعَثَ رَسُوْلًا﴾

۱۵۔ الاسرائیل۔ ۱۷

ترجمہ:

اور ہم ہلاک کرنے والے نہیں ہیں یہاں تک کہ ہم کوئی رسول نہ بھیج نہ لیں۔

چوتھی حدیث شریف:

اس حدیث کو امام حاکم نے اپنی "المستدرک"[۱۴] میں حدیث ثوبان رضی اللہ تعالی عنہ سے روایت کیا ہے۔ (اور اس کے بارے) ارشاد فرمایا "یہ حدیث شرط شیخین پر صحیح ہے" امام ذھبی نے اس کو برقرار رکھا ہے۔

پانچویں حدیث شریف:

اس حدیث کو بزار اور ابو یعلی نے حضرت انس رضی اللہ تعالی عنہ سے روایت کیا ہے۔

چھٹی حدیث شریف:

اس حدیث شریف کو امام ابو نعیم نے "الحلیہ" میں حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ تعالی عنہ سے روایت کیا ہے۔

علماء کرام نے ارشاد فرمایا ہے۔ یہ آیات کریمہ اور احادیث شریفہ ان مخالف احادیث طیبہ کی ناسخ ہیں جو صحیح مسلم اور دوسری کتب حدیث میں وارد ہیں۔ جس طرح اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے۔

﴿وَلَا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِّزْرَ اُخْرٰی﴾

۱۵۔الاسرائیل۔۱۷

ترجمہ:

کوئی بوجھ اٹھانے والی دوسرے کا بوجھ نہیں اٹھائے گی۔

اور اس سلسلہ میں وارد ہونے والی احادیث ان احادیث کے لئے ناسخ ہیں جن

میں یہ آیا ہے۔

کہ مشرک لوگوں کے بچے جہنم میں ہیں۔

یہی نظریہ ایک جماعت کا ہے جن کے آخر میں اپنے زمانے کے حفاظ کے امام قاضی القضاۃ شہاب الدین احمد ابن حجر عسقلانی ہیں۔ وہ ارشاد فرماتے ہیں۔

نبی اکرم ﷺ کے ان تمام، آبائے کرام جو بعث سے پہلے انتقال فرما گئے، کے متعلق گمان (غالب) یہی ہے کہ وہ وقت امتحان اطاعت کا مظاہرہ کریں گے کیونکہ اس سے نبی اکرم ﷺ کی آنکھیں ٹھنڈی ہوں گی۔

اس امر پر وہ حدیث طیبہ دلالت کرتی ہے جو ابن جریر نے اپنی تفسیر میں حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالی عنہ سے اللہ رب العزت کے فرمان۔

﴿وَلَسَوْفَ يُعْطِيكَ رَبُّكَ فَتَرْضَىٰ﴾

۵_الضحی_۹۳

ترجمہ:

اور عنقریب آپ کا رب آپ کو اتنا عطا کرے گا کہ آپ راضی ہو جائیں گے۔

کے تحت نقل کی ہے کہ۔

"نبی اکرم ﷺ کی رضا یہ ہوگی کہ ان کے اہل بیت سے کوئی بھی دوزخ میں نہ جائے۔

اس امر پر یہ حدیث بھی دلالت کرتی ہے جسے امام حاکم نے حضرت ابن مسعود رضی اللہ تعالی عنہ سے روایت کیا ہے اور صحیح قرار دیا ہے۔

"نبی اکرم ﷺ سے ان کے والدین کریمین کے بارے سوال کیا گیا۔

تو نبی اکرم ﷺ نے (جواباً) ارشاد فرمایا۔

میں ان کے بارے جو اللہ رب العزت سے سوال کروں گا وہ مجھے عطا فرمائے گا

اور اس (قیامت) دن میں مقام محمود پر فائز ہوں گا۔

اس سے ظاہر ہے کہ وقت امتحان ان کے لئے شفاعت کی امید ہوگی اگر ان کے لئے دعوت کا نہ پہنچنا ثابت نہ ہوتا تو یہ شفاعت بھی نہ ہوتی کیونکہ شفاعت اس شخص کے لئے نہ ہوگی جسے دعوت پہنچی ہو اور اس سے عناد کا ظہور ہوا ہو، اور اس تلویح پر یہ حدیث طیبہ تصریح ہے جسے امام رازی نے اپنے فوائد میں سند ضعیف کے ساتھ حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالی عنہما سے روایت کیا ہے۔

نبی اکرم ﷺ کا ارشاد گرامی ہے۔

جب قیامت کا دن ہوگا تو میں اپنے والد گرامی، والدہ ماجدہ، چچا ابو طالب اور زمانہ جاہلیت والے بھائی کی شفاعت کروں گا۔

اسی روایت کو محب طبری نے اپنی کتاب ذخائر العقبی فی مناقب ذوی القربی میں وارد کیا ہے۔ اور آپ کا شمار حفاظ اور فقہاء میں ہوتا ہے۔

آپ نے فرمایا!

یہ روایت اگر ثابت ہو تو ابو طالب کے حق میں اس کی تاویل ہوگی کیونکہ ان کے حق میں صحیح میں وارد ہے۔ کہ نبی اکرم ﷺ کی شفاعت سے ان کا عذاب ہلکا ہوگا۔

ابو طالب کے حق میں تاویل اس لئے ہوگی کہ انہوں نے زمانہ بعثت پایا مگر اسلام قبول نہ کیا۔

دوسرا درجہ

بے شک خداوند قدوس نے والدین کریمین کو (دوبارہ) زندہ فرمایا اور وہ نبی اکرم ﷺ پر ایمان لے آئے اور یہ امر حجۃ الوداع کے موقع پر ظاہر ہوا۔

اس سلسلہ میں سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالی عنہا سے ایک روایت مروی ہے خطیب بغدادی نے ''السابق واللاحق'' میں دار قطنی اور ابن عساکر نے ''غرائب مالک'' میں ابن شاہین نے ''الناسخ والمنسوخ'' میں اور محب طبری نے اپنی ''سیرت'' میں روایت کیا ہے۔ امام سہیلی نے ''الروض الانف'' میں ایک اور طریق سے مختلف الفاظ سے وارد کیا ہے۔

اس کی اسناد ضعیف ہے۔ اس کے ضعف کے باوجود تینوں اس کی طرف مائل ہوتے ہیں

اسی طرح امام قرطبی اور ابن منیر کا معاملہ ہے۔

ابن سید الناس نے بعض اہل علم سے اسے نقل کیا ہے۔

صلاح الصفدی نے اپنی نظم میں اس کا ذکر کیا ہے۔

حافظ شمس الدین بن ناصر الدین الدمشقی نے اپنی ابیات میں ذکر کیا ہے۔

ان (علمائے کرام) نے اس روایت کو مخالف احادیث کے لئے ناسخ قرار دیا ہے کہ یہ متاخر ہے۔

انہوں نے اس روایت کے ضعیف ہونے کی پرواہ نہیں کی۔ کیونکہ حدیث ضعیف فضائل ومناقب میں معمول بہ ہوتی ہیں اور یہ امر منقبت ہی تو ہے۔

بعض (علماء عظام) نے اس حدیث کی تائید اس متفق علیہ قاعدہ سے بھی کی ہے کہ جو معجزہ اور خصوصیت کسی نبی کو عطا ہوئی اس کی مثل ہمارے نبی معظم کو بھی عطا ہوئی تو جب حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے لئے قبروں سے مردوں کا زندہ ہونا ثابت ہے تو یہ امر ضروری ہے کہ اس کے مثل ہمارے نبی مکرم ﷺ کے لئے بھی ثابت ہو، اور اسی نوعیت کا یہ ہی قصہ وارد ہے تو اس کا ثبوت ہرگز بعید نہ سمجھنا چاہئے۔ اگرچہ بکری کے بھنے ہوئے زہر آلودہ بازو کا بولنا اور کھجور کے سوکھے تنے کا کلام کرنا بھی اسی قبیل سے ہے مگر یہ والدین کریمین کے دوبارہ زندہ ہونے کا واقعہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے مردوں کو زندہ کرنے کے زیادہ مماثل ہے اور اس امر میں قطعاً شک نہیں کہ قواعدہ مقررہ کی موافقت ان وجوہ سے ہے جن سے حدیث ضعیف کو تقویت مل جاتی ہے۔

حافظ ابن ناصر الدین الدمشقی ارشاد فرماتے ہیں۔

اشعار:

اللہ تعالیٰ نے نبی اکرم ﷺ کو فضل در فضل عطا فرمایا، کیونکہ وہ ان پر رؤف ہے۔

آپ کے والدین کو دوبارہ زندہ فرمایا تاکہ وہ آپ ﷺ پر ایمان لے آئیں یہ فضل لطیف ہے۔

پس اس امر کو تسلیم کرے اور قدیم اس امر پر قادر ہے اگرچہ اس ضمن میں وارد ہونے والی حدیث ضعیف ہے۔

تیسرا درجہ

والدین کریمین توحید اور دین ابراھیم علیہ السلام پر تھے جیسا کہ اسی پر ایک عرب گروہ تھا۔ جیسے زید بن عمرو بن نفیل، قیس بن ساعدہ، ورقہ ابن نوفل عمیر بن حبیب جھنی اور عمر بن عتبہ.

یہ امام فخر الدین رازی علیہ الرحمۃ کا طریقہ ہے۔ آپ نے اس پر زیادہ فرمایا کہ

نبی اکرم ﷺ کے سارے کے سارے آباء کرام حضرت آدم علیہ السلام تک توحید پر تھے ان میں سے ایک بھی مشرک نہ تھا۔

آپ نے ارشاد فرمایا۔

نبی اکرم ﷺ کے تمام آباء کرام سے شرک کی نفی مندرجہ ذیل حدیث طیبہ اور فرمان خداوندی سے ثابت ہوتی ہے۔

حدیث شریف:

نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا۔

میں ہمیشہ پاک پشتوں سے پاک رحموں میں منتقل ہوتا رہا ہوں فرمان خداوندی ہے

﴿اِنَّمَا الْمُشْرِكُوْنَ نَجَسٌ﴾

۲۸۔ توبہ۔ ۹

ترجمہ:

بے شک مشرک پلید ہیں۔

ان دونوں کو ملانے سے نتیجہ صاف ظاہر ہے کہ آپ ﷺ کے آباء کرام میں سے ایک بھی مشرک نہیں ہے۔

امام رازی فرماتے ہیں۔اسی طرح یہ فرمان خداوندی ہے۔

﴿اَلَّذِیْ یَرَاکَ حِیْنَ تَقُوْمُ. وَتَقَلُّبَکَ فِی السَّاجِدِیْنَ﴾

۲۱۹-۲۱۸-الشعراء-۲۶

ترجمہ :

وہ آپ کو دیکھتا ہے جب آپ کھڑے ہوتے اور سجدہ گزاروں میں پلٹتے ہیں۔

اس کا معنی ہے کہ آپ کا نور پاک سجدہ گزار سے سجدہ گزار کی طرف منتقل ہوتا رہا۔

اس تقریر سے معلوم ہوا کہ نبی مکرم ﷺ کے تمام آباء مسلمان تھے۔

امام رازی فرماتے ہیں۔اس وضاحت سے قطعی طور پر معلوم ہوا کہ ابراھیم علیہ السلام کے والد گرامی ہرگز کافر نہ تھے۔کافر آپ کے چچا تھے۔

اس بحث میں زیادہ تر یہی ہے کہ۔

﴿وَتَقَلُّبَکَ فِی السَّاجِدِیْنَ﴾

کا محمل اور ہو۔

مگر جب تفسیر کی ساری وجوہ پر روایات وارد ہیں اور ان میں باہمی منافاۃ بھی نہیں ہے تو تمام وجوہ پر آیت کا حمل واجب ہے۔

اس وضاحت سے ثابت ہو گیا کہ ابراھیم علیہ السلام کے والد گرامی بت پرستوں سے نہ تھے اور آزر (جن کا ذکر قرآن حکیم میں بت پرست کے طور پر ہوا) آپ کے والد نہ تھے بلکہ چچا تھے۔

یہ امام فخر الدین رازی کے کلام کی تلخیص ہے۔

امام ماوردی جو "الحاوی الکبیر" کے مصنف ہیں، اور ہمارے اصحاب کے آئمہ سے ہیں انہوں نے اس آیت کریمہ کے اس معنی پر امام فخر الدین رازی سے موافقت کی۔

اس کے بعد میں نے اس مقالہ کی تائید میں ایسے دلائل پائے جو مجمل اور مفصل کے درمیان دائر ہیں۔

پس مجمل دو مقدموں سے مرکب دلیل ہے۔

پہلا مقدمہ:

صحیح احادیث اس امر پر دلالت کرتی ہیں کہ نبی اکرم ﷺ کے اصول میں سے ہر اصل حضرت آدم علیہ السلام سے لے کر حضرت عبد اللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ تک اپنے زمانہ میں سب سے بہتر تھے۔

دوسرا مقدمہ:

صحیح احادیث اس امر پر بھی دلالت کرتی ہیں کہ حضرت نوح علیہ السلام کے زمانہ سے لے کر نبی اکرم ﷺ کے زمانہ بعثت تک روئے زمین کبھی بھی ایسے لوگوں سے خالی نہیں ہوئی جو فطرت پر قائم ہیں۔ اللہ تعالیٰ کی عبادت کرتے ہوں، توحید کے قائل ہوں، اللہ تعالیٰ کی نماز پڑھتے ہوں۔ ایسے لوگوں کی برکت سے ہی زمین محفوظ رہی ہے اگر ایسے لوگ نہ ہوتے تو زمین اور اہل زمین ہلاک ہو جاتے۔

پہلے مقدمہ کے دلائل:

حدیث بخاری: میں بنو آدم کے بہترین زمانوں میں آتا رہا حتی کہ میں اس زمانے میں مبعوث ہوا جس میں اب ہوں۔

حدیث بیہقی: جب بھی لوگوں کے دو گروہ ہوئے اللہ تعالیٰ نے مجھے ان میں سے بہترین گروہ میں رکھا حتی کہ میں اپنے والدین سے ظاہر ہوا۔ مجھے زمانہ جاہلیت کی کوئی برائی نہ پہنچی۔ میں نکاح سے ظہور پذیر ہوتا رہا ہوں بدکاری سے نہیں۔ حضرت آدم علیہ السلام سے لے کر اپنے والدین کریمین تک۔ سو میں تم سے ذات کے اعتبار سے بھی بہتر ہوں، اور والدین کی جہت سے بھی بہتر ہوں۔

حدیث ابونعیم وغیرہ: خداوند قدوس ہمیشہ مجھے صاف و شفاف حالت میں پاک پشتوں سے پاک رحموں میں منتقل کرتا رہا ہے۔ جب بھی دو گروہ بنے، میں بہترین گروہ سے تھا

اس سلسلہ میں بہت سی احادیث کریمہ ہیں۔

دوسرے مقدمہ کی دلیلیں:

عبد الرزاق نے "مصنف" میں اور ابن المنذر نے اپنی تفسیر میں صحیح سند کے ساتھ شیخین کی شرط پر حضرت علی ابن ابی طالب رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔

روئے زمین پر ہمیشہ اللہ تعالیٰ کی عبادت کرنے والے رہے ہیں۔

امام احمد بن حنبل نے 'الزہد' میں اور خلال نے 'کرامات الاولیاء' میں سند صحیح کے ساتھ شرط شیخین پر حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالی عنہما سے روایت کیا ہے۔

حضرت نوح علیہ السلام کے بعد روئے زمین پر کم از کم سات افراد ایسے رہے ہیں جن کی برکت سے اللہ تعالیٰ اہل زمین کو عذاب سے محفوظ رکھتا رہا ہے۔

جب ان دونوں مقدموں کو ملایا جائے تو قطعی طور پر یہ نتیجہ برآمد ہوتا ہے کہ نبی مکرم ﷺ کے آباء کرام سے کوئی ایک بھی مشرک نہ تھا۔ کیونکہ ان میں سے ہر ایک کے بارے ثابت ہے کہ وہ اپنے زمانے کے بہترین شخص تھے۔

پس اگر وہی لوگ جو فطرت پر قائم رہے ہوں وہی آباء کرام ہوں تو یہی مدعا ہے۔ اور اگر ان کے غیر ہوں اور وہ مشرک ہوں تو دو میں سے ایک امر لازم آتا ہے۔ یا تو یہ کہ مشرک مسلمان سے بہتر ہو اور یہ قرآن کی نص اور اجماع سے باطل ہے۔ اور یا یہ کہ ان آباء کرام کا غیر ان سے بہتر ہو اور یہ احادیث صحیحہ کی مخالفت کی بنا پر باطل ہے۔

پس یہ قطعاً واجب ٹھہرا کہ ان آباء کرام سے کوئی ایک بھی مشرک نہ ہو، تاکہ وہ اپنے زمانہ میں روئے زمین پر بسنے والے لوگوں سے بہتر رہیں۔

رہی تفصیل تو بزار نے اپنی مسند میں۔ ابن جریر۔ ابن حاتم اور ابن المنذر نے اپنی اپنی تفسیروں میں اور حاکم نے صحیح قرار دیتے ہوئے حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالی عنہما سے روایت کیا ہے۔

فرمان خداوندی ہے:

﴿كَانَ النَّاسُ أُمَّةً وَّاحِدَةً﴾

۲۱۳_البقرہ_۲

ترجمہ:

لوگ ایک ہی امت تھے۔

آپ نے فرمایا کہ حضرت آدم علیہ السلام اور حضرت نوح علیہما السلام کے درمیان دس صدیاں تھیں ان میں سبھی لوگ شریعت حقہ پر تھے پھر ان میں اختلاف ہوا تو اللہ تعالیٰ نے انبیاء علیہم السلام کو مبعوث فرمایا۔

ابن ابی حاتم حضرت قتادہ رضی اللہ تعالی عنہ سے اسی آیت کریمہ کے تحت روایت کیا ہے۔ ہم سے ذکر کیا گیا کہ حضرت نوح وحضرت آدم علیہما السلام کے مابین دس صدیاں تھی۔ ان میں سبھی لوگ ہدایت یافتہ علماء تھے اور شریعت حقہ پر گامزن تھے۔ پھر اس کے بعد اختلاف ظاہر ہوا تو اللہ تعالیٰ نے حضرت نوح علیہ السلام کو مبعوث فرمایا۔ اور آپ پہلے رسول تھے جن کو اہل زمین کی طرف بھیجا گیا۔

قرآن پاک میں حضرت نوح علیہ السلام کا قول حکایۃً موجود ہے۔

﴿رَبِّ اغْفِرْلِیْ وَلِوَالِدَیَّ وَلِمَنْ دَخَلَ بَیْتِیَ مُؤْمِنًا......﴾

۲۸۔نوح۔۷۱

ترجمہ:

اے رب مجھے، میرے والدین اور جو میرے گھر میں مومن بن کر داخل ہو، بخش دے۔

اس سے نبی مکرم ﷺ کے ان اجداد کرام کا ایمان ثابت ہو گیا جو حضرت آدم ونوح علیہما السلام کے درمیانی زمانہ میں تھے۔

حضرت نوح علیہ السلام کے فرزندار جمند جناب سام قرآن کی نص اور اجماع سے مومن ہیں۔ کیونکہ انہوں نے اپنے والد گرامی کے ہمراہ کشتی میں نجات پائی تھی اور اس طوفان سے نجات فقط اہل ایمان کو ہی میسر آئی تھی۔

اسی طرح قرآن حکیم میں ہے۔

﴿وَجَعَلْنَا ذُرِّيَّتَهٗ هُمُ الْبَاقِيْنَ﴾

۷۷۔الصافات۔۳۷

ترجمہ:

اور ہم نے فقط ان کی نسل کو باقی رہنے والا بنا دیا۔

بلکہ حضرت سام کے بارے نص میں وارد ہے کہ وہ نبی تھے۔ان کے فرزند کا اسم گرامی ارفخشد تھا جن کے ایمان پر حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالی عنہما کا اثر نص ہے۔

ابن عبد الحکیم نے "تاریخ مصر" میں روایت کیا ہے۔

ان (ارفخشد) نے اپنے دادا جان حضرت نوح علیہ السلام کا زمانہ اقدس پایا تھا۔اور آپ نے ان کی اولاد کے لئے بادشاہی اور نبوت کی دعا کی تھی۔شارخ سے لے کر تارخ تک کے تمام آباء کرام کے ایمان پر وہ اثر نص ہے جن کو ابن سعد می 'طبقات' میں طریق کلبی سے روایت کیا ہے۔

رہا آزر تو ان کے بارے ارجح بات یہ ہے کہ وہ حضرت ابراھیم علیہ السلام کے والد گرامی نہ تھے بلکہ چچا تھے اسی طرح امام رازی نے کہا ہے اسی نظریہ کی طرف سلف صالحین کی ایک جماعت ہے۔

ہم نے سندوں کے ساتھ ابن عباس مجاھد ابن جریج اور سدی سے روایت کیا ہے کہ آزر حضرت ابراھیم علیہ السلام کے والد نہ تھے آپ کے والد گرامی کا نام تارخ ہے۔

ابن منذر کی تفسیر میں ایک اثر ہے جس میں تصریح ہے کہ آذر حضرت ابراھیم کے چچا تھے۔

پس اس ہماری بحث سے ثابت ہو گیا کہ نبی مکرم ﷺ کے آباء کرام حضرت ابراھیم علیہ السلام تک نصا اہل ایمان تھے۔ ان کا ایمان متفقہ طور پر ثابت ہے اختلاف فقط آزر کے بارے ہے کہ وہ حضرت ابراھیم علیہ السلام کے چچا تھے یا والد۔ پس اگر وہ باپ ہوں تو اجداد سے ان کا استثناء ہو گا اور اگر چچا ہوں تو پھر سلسلہ آباء کرام سلامت رہے گا۔

اور حضرت ابراھیم واسماعیل علیھما السلام کے بعد عرب عمر بن لحی الخزاعی تک تمام کے تمام دین ابراھیم علیہ السلام پر رہے نہ ہی کسی نے کفر اختیار کیا نہ ہی کسی نے بت پرستی کی۔

عمر بن لحی الخزاعی وہ پہلا شخص تھا جس نے دین ابراھیمی کو بدلا۔ بتوں کی عبادت کو رواج دیا اور سائبہ کو رواج دیا۔

اس امر پر احادیث صحیحہ اور نصوص علماء متفق ہیں۔

امام بخاری اور امام مسلم نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالی عنہ سے روایت کیا ہے۔ نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا۔ میں عمر بن عامر الخزاعی کو جہنم میں اپنی آنتیں گھسیٹتے ہوئے دیکھتا ہوں یہ وہی پہلا شخص ہے جس نے سائبہ کو رواج دیا۔

ابن جریر نے اپنی تفسیر میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالی عنہ سے رویت کیا ہے نبی مکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا۔

میں عمر بن لحی بن قمعہ بن خندف کو جہنم میں آنتیں گھسیٹتے ہوئے دیکھتا

ہوں۔ یہی وہ پہلا شخص جس نے دین ابراھیم علیہ السلام کو تبدیل کیا۔

امام احمد نے اپنی مسند میں حضرت ابن مسعود رضی اللہ تعالی عنہ سے روایت کیا ہے نبی مکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا۔

پہلا شخص جس نے سائبہ کو رواج دیا اور بتوں کی عبادت کی وہ ابو خزاعہ عمرو بن عامر ہے اور بے شک میں اس کو جہنم میں اپنی آنتیں گھسیٹتے ہوئے دیکھتا ہوں۔

امام شہرستانی نے "الملل والنحل" میں کہا۔ دین ابراھیم علیہ السلام، سلامت تھا۔ صدر عرب میں توحید عام تھی۔ پہلا شخص جس نے اس دین میں تبدیلی کی بتوں کی عبادت کو رواج دیا وہ عمرو بن لحی ہے۔

حافظ عماد الدین کثیر نے کہا عمرو بن عامر کے مکہ کے والی بننے تک عرب دین ابراھیم علیہ السلام پر رہے۔ اس نے بیت اللہ شریف کی ولایت نبی مکرم ﷺ کے اجداد کرام سے چھین لی۔ اسی نے بت پرستی کو رواج دیا۔ عربوں میں گمراہیوں کا آغاز کیا۔ تلبیہ میں لاشریک لک کے بعد ان کلمات کا اضافہ کیا۔

اَلا شَرِیْکًا ھُوَ لَکَ تَمْلِکُہٗ وَمَامَلَکَ.

یہ کہنے والا یہی پہلا شخص ہے۔ عربوں نے شرک میں اسی کی فرمانبرداری کی ان عربوں کے سلف تو ایمان پر قائم تھے۔ مگر یہ لوگ احداث کفر میں قوم نوح کی طرح ہو گئے۔ مگر ان میں کچھ ایسے لوگ باقی تھے جو دین ابراھیم پر قائم تھے۔

ابن حبیب نے اپنی تاریخ میں حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالی عنہما سے روایت کیا ہے۔ عدنان معد ربیعہ مضر خزیمہ اور اسد دین ابراھیم علیہ السلام پر تھے ان کا ذکر ہمیشہ خیر کے ساتھ کرو۔

ابن سعد نے ''طبقات'' میں عبد اللہ بن خالد سے مرسلاً روایت کیا ہے۔

نبی مکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا۔ مضر کو گالی نہ دو وہ یقیناً مسلمان تھے۔

امام سہیلی نے ''الروض الانف'' میں ذکر کیا ہے۔

نبی مکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا۔ الیاس کو گالی نہ دو وہ یقیناً مسلمان تھے۔

امام سہیلی نے بھی ذکر کیا۔

نبی مکرم ﷺ جب ان کی پشت میں تھے تو حج کے دنوں میں الیاس نبی کو نبی ﷺ کا تلبیہ سنتے تھے۔

مزید برآں ''الروض الانف'' میں ہے۔

کعب بن لوی وہ پہلے شخص تھے جنہوں نے یوم العروبہ کو اجتماع کا انعقاد کیا اس روز قریش ان کے ہاں جمع ہوتے تھے اور وہ ان سے خطاب کرتے تھے یہ نبی مکرم ﷺ کی بعثت کو بیان کرتے اور اس شرف کا بھی اظہار کرتے کہ نبی مکرم ﷺ ان کی اولاد سے ہوں گے۔ حاضرین کو ان کی پیروی کرنے اور ان پر ایمان لانے کا حکم دیتے اور اس ضمن میں کچھ اشعار بھی پڑھتے، جن میں سے ایک یہ ہے۔

اے کاش میں نبی ﷺ کی دعوت کا گواہ ہوتا، جب قریش حق کی شکست کا ارادہ کریں گے۔

امام سہیلی نے فرمایا!

اس خبر کو حضرت کعب رضی اللہ تعالی عنہ سے امام ماوردی نے اپنی کتاب ''الاعلام'' میں روایت کیا ہے۔

میں (جلال الدین السیوطی) کہتا ہوں۔

اس خبر کو ابو نعیم نے ''دلائل النبوۃ'' میں بھی بیان کیا ہے۔

اس بحث سے ثابت ہو گیا کہ نبی اکرم ﷺ کے اجداد کرام حضرت ابراھیم علیہ السلام سے لے کر کعب بن لوی تک اور ان کے بیٹے مرہ نصاً مومن ہیں ان کے ایمان کے بارے دو نے بھی اختلاف نہیں کیا۔

اب مرہ اور عبد المطلب کے درمیان چار افراد ہیں۔

کلاب، قصی، عبدمناف اور ھاشم ۔ان کے باری مجھے کوئی روایت میسر نہ آئی نہ مثبت نہ منفی۔

ابھی حضرت ابراھیم علیہ السلام کی اولاد سے نبی کریم ﷺ کے نسب شریف میں منظوم افراد کے حق میں تین دلائل باقی ہیں۔ پہلی دلیل فرمان خداوند قدوس ہے۔

﴿وَاِذْقَالَ اِبْرَاهِيْمُ لِاَبِيْهِ وَقَوْمِهٖٓ اِنَّنِیْ بَرَآءٌ مِّمَّا تَعْبُدُوْنَ. اِلَّا الَّذِیْ فَطَرَنِیْ فَاِنَّهٗ سَيَهْدِيْنِ. وَجَعَلَهَا كَلِمَةًۢ بَاقِيَةً فِیْ عَقِبِهٖ﴾

۲۸_۲۷_۲۶_الزخرف_۴۳

ترجمہ:

اور جب ابراھیم نے اپنی قوم اور اپنے چچا سے کہا: بے شک میں ان سے بری ہوں جن کی تم عبادت کرتے ہو، سوائے اس کے جس نے مجھے پیدا کیا۔ بے شک وہی مجھے ہدایت دے گا۔ اور آپ نے کلمہ توحید کو اپنی اولاد میں باقی رہنے والا بنا دیا۔

عبد بن حمید حضرت ابن عباس رضی اللہ عنھما سے روایت کیا ہے کہ

﴿وجعلها كلمةً باقيةً فی عقبه﴾

سے مراد یہ ہے۔ کہ حضرت ابراھیم علیہ السلام کی اولاد میں لا الہ الا اللہ باقی رہا۔

اس طرح عبد بن حمید نے مجاھد سے روایت کیا ہے۔

قتادہ سے روایت کیا کہ آیت کریمہ کا معنی یہ ہے کہ آپ کی اولاد میں ایسے شخص رہے جو لا الہ کی گواہی دیتے رہے۔

ابن المنذر نے ابن جریج سے روایت کیا ہے کہ اس جملہ کا مفہوم یہ ہے کہ حضرت ابراھیم علیہ السلام کی اولاد سے کلمہ توحید پڑھنے والے باقی رہے۔

عبد الرزاق اور ابن المنذر نے حضرت قتادہ رضی اللہ تعالی عنہ سے روایت کیا ہے کہ کلمہ باقیہ سے مراد اخلاص اور توحید ہے حضرت ابراھیم علیہ السلام کی اولاد میں ہمیشہ ایسے شخص رہے جو اللہ تعالیٰ کی وحدانیت کو تسلیم کرتے اور اسی کی عبادت کرتے تھے۔

دوسری دلیل: فرمان رب العالمین،

﴿رَبِّ اجْعَلْنِیْ مُقِیْمَ الصَّلٰوۃِ وَمِنْ ذُرِّیَّتِیْ﴾

۴۰۔ابراھیم۔۱۴

ترجمہ:

اے رب مجھے اور میری اولاد کو نماز قائم کرنے والا بنادے۔

فرمایا حضرت ابراھیم علیہ السلام کی اولاد سے ہمیشہ ایسے لوگ رہے جو فطرت پر قائم تھے اور اللہ تعالیٰ کی عبادت کرتے تھے۔

تیسری دلیل۔فرمان خداوند قدوس۔

﴿وَاِذْقَالَ اِبْرٰاھِیْمُ رَبِّ اجْعَلْ ھٰذَا الْبَلَدَ اٰمِنًا وَّاجْنُبْنِیْ وَبَنِیَّ اَنْ نَّعْبُدَ الْاَصْنَامَ﴾

۳۵۔ابراھیم۔۱۴

ترجمہ:

اور یاد کرو جب ابراہیم نے کہا اے میرے رب اس شہر کو امن والا بنادے اور مجھے اور میری اولاد کو بت پرستی سے محفوظ رکھ۔۔

ابن حریر نے اسی آیت کریمہ کے تحت مجاھد سے روایت کیا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراھیم علیہ السلام کی دعاان کی اولاد کے حق میں قبول فرمالی۔ان کی اولاد میں سے کسی نے بھی اس دعا کے بعد بت پرستی نہ کی، اس شہر کو امن کا گہوارہ بنایا۔ مکہ کے باسیوں کو پھل عطا کیئے، آپ کو منصب امامت سے سرفراز فرمایا اور آپ کی اولاد سے ایسے لوگ ہمیشہ رہے جو نماز قائم کرتے۔

ابن ابی حاتم نے سفیان بن عینیہ سے روایت کیا ہے۔

کسی نے آپ سے سوال کیا، کیا حضرت اسمعیل کی اولاد سے کسی نے بت پرستی کی؟ فرمایا نہیں کیا تو نے آپ کی یہ دعا نہیں سنی؟ مجھے اور میرے بیٹوں کو بت پرستی سے محفوظ رکھ۔

کہا گیا اس دعا میں حضرت اسحق کی اولاد اور حضرت ابراھیم علیہ السلام کی باقی اولاد کیوں کر داخل نہیں ہوگی۔

فرمایا کیونکہ جب آپ نے حضرت اسماعیل کو وہاں ٹھہرایا تو خاص اس شہر والوں کے لئے دعا کی اور فرمایا!

اس شہر کو امن کا گہوارہ بنا۔آپ نے یہ دعا سارے شہروں کے لئے نہیں کی۔فرمایا مجھے اور میری اولاد کو اس میں بت پرستی سے محفوظ رکھ۔

تو آپ نے اپنی دعا میں اہل مکہ کو خاص کیا۔

ہمارے ان سارے دلائل اور نقول کی بحث سے امام فخر الدین رازی کا موقف ظاہر ہو گیا۔

حافظ شمس الدین بن ناصر الدین الدمشقی نے کیا خوب ارشاد فرمایا جناب احمد ﷺ نور عظیم کی صورت میں منتقل ہوتے رہے سجدہ گزاروں کی پیشانیوں میں جگمگاتے رہے۔

ان میں قرناً بعد قرن پلٹتے رہے۔ حتی کہ خیر المرسلین بن کر تشریف لے آئے۔

اب صرف عبد المطلب باقی بچے ان کے حق میں علماء کا اختلاف ہے سب سے خوبصورت بات یہ ہے کہ ان تک دعوت ہی نہیں پہنچی۔

شہرستانی نے کہا جب نبی اکرم ﷺ کا نور پاک عبد المطلب کی پیشانی میں چمکا تو اسی نور کی برکت سے اپنے بیٹے کو ذبح کرنے کی نذر کا خیال پیدا ہوا اسی کی برکت سے آپ نے ابرھہ سے کہا۔

اس گھر کا بھی کوئی مالک ہے وہ اس کی حفاظت کرے گا۔

اس کی برکت سے آپ نے کوہ ابو قبیس پر چڑھ کر یہ اشعار کہے۔

اشعار:

اے اللہ! انسان اپنے گھر کی حفاظت کرتا ہے تو بھی اپنے گھر کی حفاظت کر۔

کہیں ان کی صلیب اور طاقت تیری طاقت پر غالب نہ آجائے۔

آج صلیب کے پرستاروں کے خلاف اپنے بندوں کی مدد کر۔

اسی نور پاک کی برکت تھی۔ عبد المطلب اپنے لخت جگر کو ترک ظلم و بغاوت کی

نصیحت کرتے تھے۔ مکارم اخلاق کی ترغیب دیتے تھے اور گھٹیا کاموں سے روکتے تھے اور اسی نور پاک کی برکت تھی کہ آپ اپنی وصیتوں میں فرمایا کرتے تھے۔

ظالم ظلم کا بدلہ دیئے بغیر اس دنیا سے رخصت نہ ہوگا۔

پھر ایک ظالم شخص ظلم کا بدلہ دئے بغیر اس جہان سے رخصت ہوا تو اس بارے آپ سے سوال کیا گیا۔ عبدالمطلب نے کچھ غور و فکر کیا اور فرمایا۔ اللہ کی قسم اس جہان کے بعد بھی ایک جہان ہے جہاں محسن کو احسان کی جزا ملے گی اور بدکاروں کو بدی کی سزا ملے گی۔

یہ امر اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ آپ تک صحیح طور پر دعوت نہ پہنچی تھی اور نہ ہی کوئی ایسا شخص ملا تھا جو ان حقائق کو پہچانتا ہو جو رسول لائے تھے۔ اگر آپ کسی ایسے شخص سے ملے ہوتے جس نے خبر دی ہوتی کہ انبیاء کرام مرنے کے بعد جی اٹھنے کا عقیدہ لے کر آئے ہیں تو اس سے غافل نہ ہوتے کہ یہ واقعہ مذکورہ پیش آتا اور آپ کو غور و فکر کی حاجت ہوتی اور پھر اس سے استدلال کرتے کہ کوئی اور جہاں بھی ہے۔

اس مقام پر ایک قول ساقط ہے کہ خداوند قدوس نے ان کو زندہ فرمایا اور یہ نبی مکرم ﷺ پر ایمان لے آئے۔

اس قول کو **ابن سید الناس** وغیرہ نے اپنی سیرت میں روایت کیا ہے یہ قول مردود ہے کسی ایک نے بھی آئمہ اہل سنت سے اس قول کی حکایت نہیں کی بعض شیعہ حضرات نے اس قول کی حکایت کی ہے۔ یہ ایسا قول ہے جس پر کوئی دلیل نہیں۔ اس سلسلہ میں کوئی حدیث وارد نہیں، نہ ضعیف نہ غیر ضعیف۔ اس سے **امام فخر الدین رازی** کا قول جدا ہو گیا قائل یہ دعوی کرتا ہے کہ بیشک **عبدالمطلب** زندہ ہوئے اور نبی مکرم ﷺ پر ایمان لائے اور آپ کی ملت سے ہو گئے **امام فخر الدین رازی** اس امر کے قائل نہیں ہیں۔ وہ فرماتے

ہیں کہ عبد المطلب اصلاً ملت ابراہیمی پر تھے۔ اس ملت میں دخول ان کو حاصل نہ ہوا تھا۔

نبی اکرم ﷺ کی والدہ ماجدہ کے حق میں اسی امر کو تقویت ملتی ہے۔

امام ابو نعیم نے ''دلائل النبوۃ'' میں سند ضعیف کے ساتھ طریق زھری سے ام اسماء بنت ابی رھم سے انہوں نے اپنی ماں سے روایت کیا ہے، وہ فرماتی ہیں۔

میں حضرت آمنہ ام رسول ﷺ کے اس مرض کے وقت موجود تھی جس میں ان کا وصال ہوا تھا حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کی عمر شریف اس وقت پانچ سال تھی اور آپ ﷺ اپنی والدہ ماجدہ کے سرہانے تشریف فرما تھے حضرت آمنہ رضی اللہ تعالی عنها نے اپنے لخت جگر کے چہرے کو تکتے ہوئے مندرجہ ذیل شعر کہے۔

۱۔ اے سرداروں کے سردار کے فرزند اللہ تعالیٰ تجھے برکات کا سرچشمہ بنائے۔

۲۔ وہ (آپکے والد گرامی) نعمتوں کی برسات کرنے والے بادشاہ کی مدد سے نجات پا گئے ان کے بدلے قرعہ اندازی کر کے فدیہ دیا گیا۔

۳۔ ایک سو تندرست اونٹوں کا اگر وہ کچھ صحیح ہے جو میں نے خواب میں دیکھا ہے۔

۴۔ تو آپ ایک دن ذوالجلال والاکرام کی طرف سے ساری کائنات کی طرف مبعوث ہو گے۔

۵۔ حل وحرم میں آپ کی بعثت ہوگی اور تحقیق اور اسلام کے ساتھ آؤ گے۔

۶۔ آپ کے جدامجد ابراھیم علیہ السلام کا دین سراسر نیکی ہے اللہ تعالیٰ نے آپ کو بتوں سے روک رکھا ہے۔

۷۔ آپ دوسرے لوگوں کی بت پرستی میں پیروی نہیں کرو گے۔

پھر ان اشعار کے بعد حضرت آمنہ رضی اللہ تعالی عنها نے ارشاد فرمایا۔

ہر ذی روح کو مرنا ہے، ہر نئے کو بوسیدہ ہونا ہے، ہر بڑے کو فنا ہونا ہے، میں اس جہاں سے رخصت ہو رہی ہوں، مگر میرا ذکر باقی رہے گا۔ میں نے اپنے پیچھے بھلائی کو چھوڑا ہے اور ایک پاکیزہ شخص کو جنم دیا ہے۔

(ان کلمات کی ادائی کے بعد) آپ وصال فرما گئیں۔

ہم ان کے وصال پر جنوں کے نوحے سنتے تھے ان کو ہم نے محفوظ کر لیا۔ ان میں یہ اشعار ہیں۔

ا۔ ہم ایک پاکیزہ، امانت دار، صاحب جمال، عفت مآب اور عصمت شعار خاتون پر آنسو بہاتے ہیں۔

۲۔ وہ حضرت عبداللہ کی زوجہ اور ان کی رفیقہ حیات تھیں اللہ تعالیٰ کے نبی مکرم ﷺ کی باوقار والدہ ماجدہ ہیں۔

۳۔ وہ سرزمین مدینہ کے صاحب منبر ہوں گے اب وہ (والدہ ماجدہ) لحد کے سپرد کی جا رہی ہیں۔

(اے قاری) آپ نے دیکھا کہ حضرت آمنہ رضی اللہ تعالی عنها کے کلام میں کتنی وضاحت کے ساتھ لوگوں کے ہمراہ بتوں کی دوستی سے روکا گیا ہے۔ ان کے کلام میں دین ابراہیمی کا اعتراف ہے اور یہ ذکر ہے کہ ان کا لخت جگر خداوند بزرگ و برتر کی طرف سے ساری کائنات کی طرف مبعوث ہوگا۔ یہ سارا کلام شرک کے منافی ہے۔

اس کے بعد میں (جلال الدین السیوطی) نے انبیاء علیہم السلام کی ماؤں کے حالات کی تحقیق کی تو ان میں سے اکثر کا ایمان منصوص علیہ پایا اور جن کے بارے نص وارد نہیں ہوئی ان کے حق میں کسی نوعیت کی نقل موجود نہیں ہے اور ظاہر ان کا ان شاء اللہ

ایمان ہی ہے اور اس ایمان کے پس منظر میں اس نور عظیم کی جلوہ گری ہے جس کی وہ زیارت کرتیں تھیں اسی طرح حدیث میں وارد ہے۔

احمد ، بزار ،طبرانی ،حاکم اور بیہقی نے عرباض بن ساریہ رضی اللہ تعالی عنہ سے روایت کیا ہے۔

نبی کونین ﷺ کا ارشاد گرامی ہے۔

میں اللہ کی تعالیٰ کی بارگاہ میں اس وقت بھی منصب ختم نبوت پر فائز تھا جب حضرت آدم علیہ السلام ابھی گارے اور مٹی کے مراحل میں تھے اس سلسلہ میں تمہیں اپنے جدامجد کی دعا حضرت عیسی علیہ السلام کی بشارت اور اس مشاہدہ کی خبر دوں گا جو میری والدہ ماجدہ نے دیکھا اس طرح وہ خواب انبیاء علیہم السلام کی مائیں بھی بیان کرتی ہیں۔

بے شک نبی کونین ﷺ کی والدہ ماجدہ نے حالت حمل اور وقت ولادت باقی انبیاء کی ماؤوں سے کہیں زیادہ نشانیوں کا مشاہدہ کیا تھا۔

جس طرح کہ ہم نے اس سلسلہ میں ''کتاب المعجزات'' میں اخبار کثیرہ کا ذکر کیا ہے۔

اس سلسلہ میں میری تیسری تصنیف ہے اور یہ نہایت مختصر ہے میں نے والدین کریمین کے احیاء پر ایک مستقل تصنیف کی ہے، اور اس میں فن حدیث کے اعتبار سے کلام کیا ہے۔

خاتمہ:

میں نے شیخ کمال الدین شمنی جو کہ ہمارے شیخ امام تقی الدین کے والد گرامی ہیں، ان کے کلام سے نقل کیا ہے۔

قاضی ابو بکر ابن العربی سے ایک شخص کے بارے سوال کیا گیا۔ جو کہتا تھا کہ (**العیاذ باللہ**) نبی کونین کے والد گرامی جہنم میں ہیں۔ آپ نے جواب دیا کہ ایسا شخص ملعون ہے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد گرامی ہے۔

﴿اِنَّ الَّذِیْنَ یُؤْذُوْنَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ لَعَنَهُمُ اللّٰهُ فِی الدُّنْیَا وَالْاٰخِرَةِ وَاَعَدَّ لَهُمْ عَذَابًا مُّهِیْنًا﴾

۵۷۔ الاحزاب۔ ۳۳

ترجمہ:

بے شک جو لوگ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کو اذیت دیتے ہیں ان پر دنیا اور آخرت میں اللہ تعالیٰ کی لعنت ہے اور ان کے لئے اس نے رسوا کن عذاب تیار کر رکھا ہے۔

فرمایا: آپ کو اس سے بڑی اذیت اور کیا ہو سکتی ہے کہ آپ ﷺ کے والد گرامی کے بارے کہا جائے کہ وہ (**العیاذ باللہ**) جہنمی ہیں۔ انتھی

محب طبری نے اپنی کتاب ''**ذخائر العقبی**'' میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالی عنہ سے روایت کیا ہے۔

سبیعہ بنت ابی لھب بارگاہ رسالت میں حاضر ہوئی۔

عرض کی: یارسول اللہ! ﷺ لوگ مجھے کہتے ہیں کہ تو جہنم کے ایندھن کی بیٹی ہے،

(یہ سن کر) نبی کونین ﷺ غصہ کے عالم میں کھڑے ہوے اور ارشاد فرمایا!

ان لوگوں کا کیا حشر ہوگا جو مجھے میرے رشتہ داروں کے حق میں تکلیف دیتے ہیں سنو جس نے میرے رشتہ دار کو تکلیف دی اس نے مجھے تکلیف دی اور جس نے مجھے تکلیف دی اس نے اللہ تعالیٰ کو تکلیف دی۔

ابو نعیم نے ''الحلیہ'' میں عبد اللہ بن یونس کے طریق سے روایت کیا ہے۔انہوں نے فرمایا کہ ہم نے اپنے بعض شیوخ سے سنا ہے کہ عمر بن عبد العزیز کے پاس سیکرٹری لایا گیا، جو خود تو مسلماں تھا مگر اس کا باپ کافر تھا۔

عمر بن عبد العزیز نے کہا کاش تو مہاجرین کے بیٹوں میں سے کوئی لاتا۔ یہ سن کر اس کاتب نے کہا (اگر میرا باپ کافر تھا تو کیا ہوا) رسول اللہ ﷺ کے والد گرامی بھی تو............

اس کے بعد اس نے ایک کلمہ کہا میں (جلال الدین سیوطی) نے اس کو حذف کر دیا ہے۔

حضرت عمر بن عبدالعزیز غضبناک ہوئے اور فرمایا۔ کبھی میرے سامنے کچھ نہ لکھنا۔

شیخ الاسلام هروی نے ''ذم کلام'' کی بحث میں ابن ابی جمیلہ سے روایت کیا ہے۔

عمر بن عبدالعزیز نے سلیمان بن سعد سے کہا کہ مجھے یہ خبر پہنچی ہے کہ تیرے باپ نے فلاں فلاں جگہ پر ہم سے معاملہ کیا ہے، حالانکہ وہ کافر ہے۔

اس نے جواب دیا نبی کریم ﷺ کے والد گرامی بھی تو............

اس کے بعد والے کلام کو میں (جلال الدین سیوطی) نے حذف کر دیا۔

اس جواب کو سن کر حضرت عمر بن عبد العزیز شدید غضبناک ہوئے اور اسے اپنے دفاتر سے معزول کر دیا۔

قاضی تاج الدین سبکی نے اپنی کتاب ''الترشیح[4]'' میں ذکر کیا۔

امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی بعض نصوص میں فرمایا کہ نبی کریم ﷺ

نے ایک ایسی عورت کا ہاتھ کاٹ دیا جو صاحب شرافت تھی پھر اس سلسلہ میں کلام فرمایا اور ارشاد فرمایا کہ اگر فلاں بھی چوری کرتی تو میں اس کا ہاتھ بھی کاٹ دیتا۔

اس پر ابن سبکی نے تبصرہ کیا امام شافعی کے کلام پر، سوچو کہ انہوں نے سیدہ فاطمہ رضی اللہ تعالی عنہا کا نام اس سلسلہ میں ظاہر نہ کیا۔ اگرچہ نبی اکرم ﷺ نے اپنی لخت جگر کا نام لیا تھا۔ کیونکہ یہ آپ سے تو مناسب تھا مگر کسی اور کے لئے مناسب نہیں ہے۔ (یہ کلام سبکی کا ہے)

امام ابو داؤد صاحب سنن نے بھی اسی ادب کا مظاہرہ کیا۔ آپ نے اپنی سنن میں ایک ایسی روایت بیان کی ہے جس کے آخر میں حضرت عبد المطلب کے بارے کچھ ہے جب امام صاحب ان کے ذکر تک پہنچے تو فرمایا۔

اس کا ذکر تشدید اکیا مگر تصریح نہیں فرمائی حالانکہ یہ حدیث مسند احمد اور نسائی میں مکمل موجود ہے۔

اس طرح کے واقعات میں ان آئمہ کبار کی طرف سے ہمارے لئے ارشاد اور نصیحت ہے کہ ہم ادباً اس طرح کے کلمات کے تلفظ سے پرہیز کریں۔ یہی وجہ ہے کہ اس کتاب میں اور اس سلسلہ کی دوسری کتب میں، میں نے چوتھے گروہ کے قول کی حکایت سے گریز کیا ہے اور تین گروہوں کی حکایت پر ہی اقتصار کیا ہے۔ واللہ المستعان

المقامة السندسيه

فی

النسبة المصطفويه

تصنیف

شیخ الاسلام امام جلال الدین سیوطی علیہ الرحمہ

ترجمہ

ساجد الہاشمی

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡم

تمام تعریفیں اللہ تعالیٰ کے لئے ہیں اور وہی کافی ہے اور سلام ہو اللہ تعالیٰ کے پسندیدہ بندوں پر۔اس کے بعد عرض ہے کہ

یہ عظیم الشرف تصنیف، بلند پایہ تالیف شیخ امام علامہ، عمدۃ الفہامہ، یکتائے زمانہ، نابغہ عصر، بکھرے ہوئے فضائل کے جامع، متاخرین اور متقدمین کے موتیوں کے حامل، جلال الدین ابو الفضل عبد الرحمن جو امام بہت ہی بلند عالم کمال الدین ابو بکر السیوطی الشافعی کے لخت جگر ہیں، کی ہے۔ اللہ تعالیٰ ان دونوں کو اپنی رحمت میں ڈھانپ لے اور اپنی جنت کے وسط میں جگہ عنایت فرمائے۔

اس تصنیف میں نبی مکرم ﷺ کے والدین کریمین کے اسلام پر وہ دلائل اور شواہد ہیں، جو پوشیدہ تھے۔ امام سیوطی علیہ الرحمہ نے اس تصنیف کا نام
"المقامة السندسية فی النسبة المصطفويه" رکھا ہے آپ نے ارشاد فرمایا!

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡم

﴿لَقَدۡ جَآءَکُمۡ رَسُوۡلٌ مِّنۡ اَنۡفُسِکُمۡ عَزِیۡزٌ عَلَیۡہِ مَا عَنِتُّمۡ حَرِیۡصٌ عَلَیۡکُمۡ بِالۡمُؤۡمِنِیۡنَ رَءُوۡفٌ رَّحِیۡمٌ﴾

۱۲۸۔التوبہ۔۹

ترجمہ:

بے شک تمہارے پاس تم میں سے وہ رسول تشریف لائے جن پر تمہارا مشقت میں پڑنا گراں ہے۔ تمہاری بھلائی کے نہایت چاہنے والے، مسلمانوں پر کمال مہربان۔

نبی کونین ﷺ پیکر شرافت وسخاوت ہیں۔ آپ کی شان نہایت بلند و بالا ہے۔

آپ کی برہان بڑی واضح اور ظاہر ہے۔ ماں اور باپ کی جہت سے خیر الخلیقہ ہیں۔ حسب ونسب کے اعتبار سے ساری دنیا میں پاکیزہ تر ہیں۔ آپ کے لئے اللہ تعالیٰ نے دونوں جہانوں کو پیدا کیا ہے۔ آپ کی ذات پاک سے اہل ایمان کی آنکھیں ٹھنڈی ہیں۔ آپ کو اس وقت نبی الانبیاء بنایا، جب حضرت آدم علیہ السلام ابھی مٹی اور گارے کے مرحلے میں تھے۔ آپ کے مرتبہ اور فضیلت کے اظہار کے لئے آپ کا اسم گرامی عرش پر لکھا۔ آپ کی ذات پاک کا توسل حضرت آدم علیہ السلام نے پیش کیا تو آپ کی توبہ قبول ہوئی۔ آپ ﷺ نے خود خبر دی کہ اگر آپ نہ ہوتے تو کائنات پیدا نہ ہوتی۔ آپ کی خداوند قدوس کی بارگاہ میں عظمت وشان سے خبردار رہنا چاہیئے،

نبی مکرم ﷺ اولیت کے ساتھ مختص ہوئے، آدم تو ابھی مٹی اور پانی کے درمیان تھے۔

آپ ﷺ سخاوت کی برسات ہیں۔ دونوں ہاتھوں سے لٹاتے ہیں۔ آپ کا چہرہ اقدس سراپا رحمت ہے۔

امام غزالی اور دوسرے علماء نے نبی کریم ﷺ کے خصائص میں ذکر کیا ہے۔

خداوند قدوس نے آپ کو جنت کا مالک بنا دیا اور اجازت مرحمت فرما دی، جس کو جس قدر پسند فرمائیں، جنت عطا فرمائیں۔ آپ پر عظیم احسان کیا۔

آپ کی عظمت شان کی خاطر نسب کی پاکیزگی عطا فرمائی آپ کی برہان کی تکمیل کے لئے آپ کے آباء کرام کو پلیدی سے محفوظ رکھا آپ کے آباء کرام میں سے ہر فرد کو اپنے زمانہ میں خیر الناس بنایا۔

جس طرح حدیث بخاری میں ہے۔

''ہر ایک زمانہ میں، میں بہترین زمانہ میں آتا رہا حتی کہ میں اس موجودہ زمانہ میں ظاہر ہوا۔

نبی کونین ﷺ نے ارشاد فرمایا۔

میں نسب صہر اور حسب کے اعتبار سے تم سب سے نفیس ترین ہوں۔ خداوند قدوس مجھے ہمیشہ منتخب و پسندیدہ کیفیت میں پاک پشتوں سے پاک رحموں کی طرف منتقل کرتا رہا۔ جب بھی کسی قبیلہ کی دو شاخیں ہوئیں، میں اس میں تھا جو ان میں بہتر تھی۔ میں تم سب سے ذات کے اعتبار سے بھی بہتر ہوں اور آباء کے اعتبار سے بھی بہتر ہوں۔

صاحب البردہ امام بوصیری کا فرمان کتنا حسین ہے۔ عرصات قیامت میں ان کے لئے ذخیرہ ہوگا۔

۱۔ کریموں سے منتقل ہوتے ہوئے کریم بن کر منصۂ شہود پر ظاہر ہوئے۔ آپ کے آباء بھی کریم ہیں۔

۲۔ آپ کا نسب ایسا ہے کہ بلندی جس کے زیور سے گمان کرتی ہے کہ جوزاء نے اپنے ستارے اس میں ٹانک دیئے ہیں۔

۳۔ سرداری اور فخر کا گلوبند کتنا حسین ہے اور آپ اس میں انتہائی قیمتی موتی ہیں۔

اس ضوفشاں اور حسین و جمیل سلسلہ میں حافظ العصر ابو الفضل ابن حجر ارشاد فرماتے ہیں۔

نبی معظم سراپا ہدایت مصفی و مہذب آل ہاشم سے ہیں۔ ہر صاحب شرف رفعت ان کی رفعت تک رسائی سے قاصر ہے۔

اپنے آباء میں سے جس کی صلب بھی آپ کے نور عظیم سے مشرف ہوئی وہ چودھویں

رات کے چاند کی طرح چمکنے لگتا۔

احادیث میں وارد ہے کہ قریش اللہ تعالیٰ کے حضور حضرت آدم علیہ السلام کی تخلیق سے دو ہزار سال پہلے نور کی صورت میں موجود تھے۔ یہ نور تسبیح کرتا اور یہی تسبیح فرشتے بھی کرتے، پھر یہ نور حضرت آدم علیہ الصلوۃ والسلام کی پشت میں رکھا گیا یہ ایک درخشندہ موتی تھا۔

پھر ارشاد فرمایا!

خداوند کریم مجھے اصلاب کریمہ سے ارحام طاہرہ کی طرف منتقل کرتا رہا۔

نبی مکرم ﷺ کے چچا حضرت عباس رضی اللہ تعالی عنہ کے آپ کی موجودگی میں اشعار اس امر پر شہادت ہیں۔

ا۔ آپ اس سے پہلے سایہ خاص میں بسر کر رہے تھے اور اس منزل محفوظ میں تھے جہاں پتوں سے بدن ڈھانپا گیا۔

۲۔ پھر آپ نے دنیا کی طرف نزول فرمایا اس وقت نہ آپ بشر تھے، نہ گوشت کا ٹکڑا، نہ خون کا لوتھڑا۔

۳۔ بلکہ آپ نطفہ تھے جو کشتیوں پر سوار تھا جب سیلاب کی موجیں چوٹی کو چھو رہی تھیں اور لوگ ڈوب رہے تھے۔

۴۔ پشتوں سے رحموں کی طرف منتقل ہوتے پھر جب ایک عالم گزر چکا، مرتبہ حال کا ظہور ہوا۔

۵۔ تا آنکہ آپ کا محافظ وہ صاحب شوکت گھرانہ ہوا جو خندف جیسی رفیع المرتبت خاتون کا ہے جس کا دامن زمین پر لوٹتا ہے۔

۶۔اور جب آپ اس جہاں میں جلوہ گر ہوئے زمین جگمگا اٹھی اور آپ کے نور پاک سے افق جگمگا اٹھے۔

۷۔ہم اسی روشنی، اسی نور اور ہدایت کے راستوں میں چل رہے ہیں۔

اور خداوند قدوس نے انبیاء کرام علیہم الصلوۃ والسلام سے پختہ وعدہ لیا کہ نبی آخر الزمان ﷺ ان کے پاس تشریف لائیں تو ان پر ایمان لائیں گے ان کے مشن کی مدد کریں گے اور اگر ان کا زمانہ پالیں تو ہر صورت ان کی پیروی کریں گے حد سے بڑھ کر توقیر کریں گیا ور تعظیم کریں گے خداوند قدوس نے آپ ﷺ کو ساری کائنات، انسانوں، جنوں اور پاکیزہ فطرت فرشتوں کی طرف بھیجا۔

امام بارزی نے ارشاد فرمایا!

نبی مکرم ﷺ کی دعوت میں حیوانات، جمادات، پتھر اور درخت شامل ہیں۔

امام سبکی نے ارشاد فرمایا!

نبی مکرم ﷺ متقدمین اور متاخرین سب کی طرف رسول بن کر تشریف لائے۔

آپ نے ارشاد فرمایا!

تمام انبیاء کرام علیہم السلام اور ان کی امتیں آپ کی امت ہیں۔آپ کی نبوت اور رسالت تلے ہیں۔یہی وجہ ہے کہ آخری زمانہ میں حضرت عیسی علیہ السلام آپ کی شریعت کے ساتھ تشریف لائیں گے تمام شریعتیں جو تمام انبیاء علیہم السلام لے کر آتے رہے وہ آپ کی ہی شریعتیں ہیں آپ کی طرف ہی منسوب ہیں آپ نبی الانبیاء ہیں پہلے انبیاء علیہم السلام جو احکام لے کر آتے رہے وہ آپ ہی کے احکام تھے۔

اس طرح اس عظیم ترین عالم نے بحث کی ہے جو اپنے زمانے میں بے نظیر عالم تھے

اس سلسلہ میں آپ نے ایک مستقل تصنیف کی جو ریشم پر سونے سے لکھنے کے قابل ہے۔ امام بوصیری کا حسین ترین کلام منظوم اسی فکر کے موافق ہے۔

ا۔ وہ تمام تر معجزات جو رسل کرام لاتے رہے، وہ ان کو آپ کے نور پاک کے تصدق سے ہی ملے تھے۔

۲۔ آپ فضل وشرف کے سورج ہیں۔ باقی انبیاء علیھم السلام ستارے ہیں۔ اندھیروں میں ان کے انوار لوگوں کے لئے ظاہر رہے۔

۳۔ اللہ تعالیٰ کے تمام رسول ان سے ہی مانگ رہے ہیں چلو سمندر سے یا موسلا دھار بارش سے۔

۴۔ تمام پیغمبر حضور انور ﷺ کی بارگاہ میں اپنی حد پر اس طرح کھڑے ہیں جس طرح نقطہ اور اعراب اپنی جگہ پر متمکن ہوتے ہیں اور حد سے تجاوز نہیں کرتے۔

آپ کے دست ہائے مقدس پر ہزاروں معجزات ظاہر ہوئے۔ آپ منفرد خصائص کے ساتھ تشریف لائے۔ ان معجزات اور خصائص سے آپ کے والدین کریمین کا دوبارہ زندہ ہونا ہے، تاکہ وہ آپ پر ایمان لے آئیں۔

ہمیشہ اہل علم اور اہل حدیث متقدمین اور متاخرین اس روایت کو بیان کرتے رہے اور اس سے مسرت حاصل کرتے رہے وہ اسے لوگوں کے درمیان نشر کرتے تھے چھپاتے نہ تھے۔ اسے خصائص اور معجزات میں شمار کرتے۔ منقبت، ومحامد میں داخل کرتے وہ سمجھتے کہ اسناد کا ضعف اس مقام پر مقبول ہے۔ فضائل ومناقب میں ضعیف احادیث کا وارد کرنا معتبر ہے۔ آئمہ دین نے فضائل کے باب میں اس سے بھی ضعیف احادیث روایت کی ہیں۔ جو حدیث ضعیف کے درجہ کو نہیں پہنچتی اور نہ ان کے برابر ہوتی ہیں ان میں چشم پوشی کی ہے۔

طرح طرح سے ان کی توجیہہ کی ہے ایسی روایت پر تبرہ اور تنزیہ کی وجہ سے راضی رہے ہیں۔

امام قرطبی نے ارشاد فرمایا۔

نبی مکرم ﷺ کے فضائل اور خصائص وصال شریف تک مسلسل ظہور پذیر ہوتے رہے ہیں اور وقت وفات تک پے درپے آتے رہے ہیں۔ یہ خداوند قدوس کے خصوصی فضل کرم کی وجہ سے ہے۔ آپ ﷺ کے والدین کا دوبارہ زندہ ہونا نہ عقلاً ممتنع ہے نہ شرعاً۔

ابن سید الناس نے ارشاد فرمایا۔

بعض اہل علم نے بیان کیا ہے کہ نبی کائنات ﷺ ہمیشہ بلند مقامات اور اونچے درجات کے زینے عبور کرتے رہے ہیں۔ یہ معاملہ آپ کے وصال شریف تک رہا، اپنی بارگاہ میں آنے تک خداوند قدوس ان کو اپنے خصوصی انعامات سے نوازتا رہا۔

ممکن ہے کہ یہ والدین کے زندہ ہونے کا درجہ بعد میں حاصل ہوا ہو، اور دوبارہ زندہ ہونے اور ایمان لانے کا واقعہ معارض احادیث سے متاخر ہو۔

حافظ شمس الدین بن ناصر الدین دمشقی نے نظم میں ارشاد فرمایا۔

ا۔ خداوند کریم نے نبی مکرم ﷺ کو فضل در فضل سے نوازا۔ وہ آپ ﷺ پر بہت ہی مہربان ہے۔

۲۔ آپ کے والدین کریمین کو آپ ﷺ پر ایمان لانے کی غرض سے دوبارہ زندہ کیا اور یہ خصوصی فضل ہے۔

۳۔ اسے تسلیم کرلے کیونکہ خداوند کریم اس امر پر قادر ہے اگرچہ اس امر میں وارد ہونے والی حدیث ضعیف ہے۔

بعض اساطین نے اس امر کی تائید کی ہے، ثابت رکھا ہے، مضبوط کیا ہے، اس

انداز کو پسند کیا ہے اور صحیح قرار دیا ہے۔ کیونکہ یہ امر اس قاعدہ کے موافق ہے جس پر تمام امت متفق ہے۔ وہ متفقہ قاعدہ یہ ہے کہ انبیاء کو جو معجزات اور خصائص عطا ہوئے ان سب کی مثل نبی کونین ﷺ کو بھی عطا ہوئے۔

حضرت عیسی علیہ الصلوۃ والسلام کو قبروں سے مردوں کو زندہ کرنے کا معجزہ عطا ہوا تو ضروری ہے کہ اس معجزہ احیاء کی نظیر نبی اکرم ﷺ کے لئے ثابت ہو اور اس ضمن میں یہ واقعہ ماثورہ مشہور ہے، اگرچہ بکری کی بھنی ہوئی دستی کا بولنا اور کھجور کے سوکھے تنے کا ہجر و فراق میں رونا اسی قبیل سے ہے، مگر ابوین کریمین کے زندہ ہونے کا واقعہ مماثلت میں زیادہ قریب ہے اور مشاکلت میں زیادہ مناسبت رکھتا ہے۔

اور یہ امر طے شدہ اصولوں سے ہے کہ ثابت شدہ قواعد کی موافقت حدیث ضعیف کو تقویت دیتی ہے۔

محقق علماء والدین کریمین کے سلسلہ میں جس امر کی طرف گئے ہیں وہ مدرکاً زیادہ مضبوط ہے اور مسلکاً زیادہ صحیح ہے۔ وہ یہ ہے کہ والدین کریمین کا حکم ان اصحاب فترت والا ہے جن تک دعوت نہیں پہنچی۔ کیونکہ یہ ہرگز ثابت نہیں ہے کہ کسی نے ان کو دعوت دی اور انہوں نے عناد کا اظہار کیا ہو۔

اور یہ طے شدہ بات ہے کہ ہر پیدا ہونے والا فطرت پر پیدا ہوتا ہے اس پر مستزاد یہ ہے کہ یہ دونوں اصحاب اوائل جوانی میں ہی وصال فرما گئے تھے، اور دونوں زیادہ عمر تک زندہ نہ رہے تھے، اور نہ ہی ان کی عمر نے بڑے علماء سے اخبار پر اطلاع کی مہلت دی، اور نہ ہی وہ علماء سے صحائف پر اطلاع پانے کے لئے سفر کر سکے تھے۔

اصحاب فترت کے بارے صحیح اور حسن احادیث وارد ہیں کہ وہ بادشاہ حقیقی کی بارگاہ

میں قیامت کے دن پیش ہوں گے جو سعادت ازلی سے بہرہ ور ہوگا، وہ اطاعت کرے گا اور جو ازلی بد بخت ہوگا وہ نافرمانی کرے گا اور جہنم میں جائے گا۔

یہاں تک ان اصحاب کے لئے قاعدہ رونما ہوا جن تک دعوت نہیں پہنچی امام شافعی اور اشعری علیهما الرحمه کے پیروکاران کی نجات کے حق میں ہیں۔

اور صحیح مسلم میں وارد ہونے والی احادیث کے بارے میں وہ جواب دیتے ہیں کہ یہ منسوخ ہیں ان دلائل کی بنا پر جن پر شکر منعم کے قاعدہ کی بنیاد ہے۔

اس سلسلہ میں قرآن حکیم میں اصول وارد ہیں۔

پہلی آیت کریمہ:

﴿وَمَا كُنَّا مُعَذِّبِيْنَ حَتّٰى نَبْعَثَ رَسُوْلًا﴾

۱۵۔الاسرائیل ۔۱۷

ترجمہ:

اور ہم عذاب نازل نہیں کرتے جب تک ہم کوئی رسول نہ بھیجیں۔

اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا کہ بعثت سے قبل انتقال کرنے والوں پر عذاب نہ ہوگا۔

دوسری آیت کریمہ:

﴿وَلَوْ اَنَّآ اَهْلَكْنٰهُمْ بِعَذَابٍ مِّنْ قَبْلِهٖ لَقَالُوْا رَبَّنَا لَوْلَآ اَرْسَلْتَ اِلَيْنَا رَسُوْلًا فَنَتَّبِعَ اٰيٰتِكَ مِنْ قَبْلِ اَنْ نَّذِلَّ وَنَخْزٰى﴾

۱۳٤۔طه۔ ۲۰

ترجمہ:

اگر ہم ان کو اس سے پہلے عذاب سے ہلاک کر دیتے تو وہ ضرور کہتے اے ہمارے

رب! تو نے ہماری طرف کوئی رسول کیوں نہ بھیجا کہ ہم ذلیل ورسوا ہونے سے پہلے تیری آیات کی پیروی کرتے۔

تیسری آیت کریمہ:

﴿وَلَوْ لَآ اَنْ تُصِيْبَهُمْ مُّصِيْبَةٌ م بِمَا قَدَّمَتْ اَيْدِيْهِمْ فَيَقُوْلُوْا رَبَّنَا لَوْ لَآ اَرْسَلْتَ اِلَيْنَا رَسُوْلاً فَنَتَّبِعَ اٰيٰتِكَ وَنَكُوْنَ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ﴾

۴۷_القصص_۲۸

ترجمہ:

کہیں ایسا نہ ہو کہ جب ان کے کئے ہوئے اعمال کے باعث انہیں کوئی مصیبت پہنچنے لگے تو وہ یہ کہنے لگیں، اے ہمارے رب! تو نے ہماری طرف کوئی رسول کیوں نہ بھیجا تا کہ ہم تیری آیات کی پیروی کرتے اور ہم ایمان لانے والوں میں سے ہو جاتے۔

چوتھی آیت طیبہ:

﴿وَمَا كَانَ رَبُّكَ مُهْلِكَ الْقُرٰى حَتّٰى يَبْعَثَ فِيْٓ اُمِّهَا رَسُوْلاً يَّتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِنَا ج وَمَا كُنَّا مُهْلِكِى الْقُرٰٓى اِلَّا وَاَهْلُهَا ظٰلِمُوْنَ﴾

۵۹_القصص_۲۸

ترجمہ:

اور آپ کا رب بستیوں کو ہلاک کرنے والا نہیں ہے یہاں تک کہ ان کے مرکزی شہر میں کوئی رسول بھیجے، جو وہاں رہنے والوں کو ہماری آیات سنائے۔

پانچویں آیت کریمہ:

﴿ذٰلِکَ اَنْ لَّمْ یَکُنْ رَّبُّکَ مُھْلِکَ الْقُرٰی بِظُلْمٍ وَّاَھْلُھَا غٰفِلُوْنَ﴾

۱۳۱۔الانعام۔۶

ترجمہ:

یہ اس لئے کہ آپ کا رب بستیوں کو ہلاک کرنے والا نہیں ہے۔اس حال میں کہ اس کے باشندے بے خبر ہوں۔

چھٹی آیت کریمہ:

﴿اَنْ تَقُوْلُوْآ اِنَّمَآ اُنْزِلَ الْکِتَابُ عَلٰی طَآئِفَتَیْنِ مِنْ قَبْلِنَا ص وَاِنْ کُنَّا عَنْ دِرَاسَتِھِمْ لَغٰفِلِیْنَ﴾

۱۵۶۔الانعام۔۶

ترجمہ:

تاکہ تم یہ نہ کہو کہ کتاب تو ہم سے پہلے دو گروہوں پر اتاری گئی تھی اور ہم تو اس کے پڑھنے سے بالکل بے خبر تھے۔

ساتویں آیت کریمہ:

﴿وَمَآ اَھْلَکْنَا مِنْ قَرْیَۃٍ اِلَّا لَھَا مُنْذِرُوْنَ. ذِکْرٰی وَمَا کُنَّا ظٰلِمِیْنَ﴾

۲۰۹۔۲۰۸۔الشعراء۔۲۶

ترجمہ:

اور ہم نے کسی بستی کو ہلاک نہیں کیا۔مگر اس کے لئے ڈرانے والے بھیجے گئے تھے

یاد دہانی کے لئے۔ اور ہم ظالم نہیں تھے۔

آٹھویں آیت کریمہ:

﴿وَهُمْ يَصْطَرِخُونَ فِيهَا ج رَبَّنَآ أَخْرِجْنَا نَعْمَلْ صَالِحاً غَيْرَ الَّذِي كُنَّا نَعْمَلُ ط أَوَلَمْ نُعَمِّرْكُم مَّا يَتَذَكَّرُ فِيهِ مَنْ تَذَكَّرَ وَجَآءَ كُمُ النَّذِيرُ﴾

۳۷_الفاطر_۳۵

ترجمہ:

اور وہ اس میں چیختے چلاتے ہوں گے۔ (فریاد کریں گے) اے ہمارے رب! ایک بار ہمیں یہاں سے نکال۔ ہم بڑے نیک اعمال کریں گے۔ ایسے نہیں جیسے ہم پہلے کیا کرتے تھے۔ (جواب ملے گا) کیا ہم نے تمہیں اتنی لمبی عمر نہ دی تھی۔ جس میں بآسانی نصیحت قبول کرسکتا تھا جو نصیحت قبول کرنا چاہتا، اور تمہارے پاس ڈرانے والا تشریف لے آیا تھا۔

مختصر یہ ہے ہمارے ہاں یہ قاعدہ فقہ واصول میں قطعی طور پر معلوم ہے۔ اپنی شہرت کی وجہ سے اس امر سے بے نیاز ہے کہ اس کو ثابت کرنے کے لئے نقول وارد کی جائیں۔

اسی کی نظیر مشرکین کے بچوں کی تعذیب کا قرآن حکیم کی آیت کریمہ

﴿وَلَاتَزِرُ وَازِرَةٌ وِّزْرَ أُخْرٰى﴾

۱۵_الاسرائیل_۱۷

ترجمہ:

اور کوئی بوجھ اٹھانے والی جان دوسرے کا بوجھ نہیں اٹھائے گی۔

سے منسوخ ہونا ہے۔

اسی تخریج پر حاکم کی صحیح قرار دی ہوئی حدیث شریف محمول ہوگی۔

ابن مسعود رضی اللہ تعالی عنه سے روایت ہے۔ نبی کونین ﷺ سے ان کے والدین کے بارے سوال کیا گیا۔

آپ ﷺ نے جواباً ارشاد فرمایا۔

ان کے حق میں جو خداوند قدوس سے سوال کروں گا وہ مجھے ضرور عطا فرمائے گا میں اس دن مقام محمود پر فائز ہوں گا۔

اس سے ظاہر ہوا کہ نبی کونین ﷺ والدین کریمین کے لئے مقام محمود پر شفاعت کریں گے اور یہ امتحان کے وقت طاعت کی توفیق کے لئے ہوگی۔

اسی امر پر حدیث ابن عمر رضی اللہ تعالی عنهما محمول ہوگی جس کو تمام الرازی نے اپنے "فوائد" میں روایت کیا ہے۔

قیامت کے روز میں اپنے والد گرامی، والدہ ماجدہ، چچا جان اور زمانہ جاہلیت کے بھائی کے لئے یقیناً شفاعت کروں گا۔

اس بھائی سے مراد حلیمه سعدیه کے لخت جگر رضاعی بھائی ہیں۔

علامه محب طبری نے آپ ﷺ کے چچا کے حق میں اس روایت کی تاویل کی ہے۔ اس سے مراد شفاعت فی التخفیف ہے (یعنی آپ ﷺ کی شفاوت سے عذاب میں تخفیف ہوگی) جیسا کہ صحیح مسلم میں ہے۔ چچا جان کے حق میں یہ تاویل ضروری ہے کیونکہ انہوں نے زمانہ بعثت پایا اور اسلام قبول نہ کیا۔

امام فخر الدین الرازی نے والدین کریمین کے حق میں ایسے مسلک کو اختیار کیا جو انتہائی تکریم و تعظیم پر مبنی ہے۔ آپ ارشاد فرماتے ہیں۔

والدین کریمین مشرک نہ تھے۔ بلکہ توحید اور ملت ابراہیمی پر تھے۔ مزید امام رازی نے یہ ارشاد فرمایا کہ نبی مکرم ﷺ کے تمام آباء واجداد توحید پر قائم تھے۔ یہ مسلک زیادہ انصاف پر مبنی ہے۔

امام رازی نے قرآن حکیم کی اس روح افزاء آیت کریمہ سے استدلال کیا ہے۔

﴿اَلَّذِیْ یَرَاکَ حِیْنَ تَقُوْمُ. وَتَقَلُّبَکَ فِی السَّاجِدِیْنَ﴾

۲۱۹-۲۱۸-الشعراء-۲۶

ترجمہ:

وہ آپ کو دیکھتا ہے جب آپ کھڑے ہوتے ہیں اور سجدہ گزاروں میں منتقل ہوتے تھے۔

اور اس آیت کریمہ سے استدلال کیا ہے۔

﴿اِنَّمَا الْمُشْرِکُوْنَ نَجَسٌ﴾

۲۸-التوبہ-۹

ترجمہ:

بے شک مشرکین تو نرے پلید ہیں۔

یہ کفار کی صفت ہے۔ حالانکہ نبی کائنات ﷺ نے ارشاد فرمایا، میں ہمیشہ پاک پشتوں سے پاک رحموں کی طرف منتقل ہوتا رہا ہوں۔

میں (جلال الدین سیوطی) نے نبی قصی کے اجداد کے بارے تحقیق کی تو ان تمام کو حضرت آدم علیہ السلام سے مرہ بن کعب بن لوی تک صاحبان ایمان وتقوی پایا۔

ہاں ان میں سے آزر کا استثناء ہے اگر وہ حضرت ابراھیم علیہ السلام کے

والد گرامی ہے، اور اگر وہ چچا جان ہیں جس طرح امام رازی اور سلف صالحین کی ایک جماعت کا موقف ہے تو پھر والدین کریمین کے بارے مندرجہ بالا امر اپنے عموم پر ہے۔

اس سلسلہ میں صحیح آثار وارد ہیں کہ حضرت آدم ونوح علیہما السلام کے درمیانی زمانہ میں ایک شخص بھی کافر نہ تھا۔ خداوند قدوس کا مندرجہ ذیل فرمان اس امر کا بیان ہے۔

﴿كَانَ النَّاسُ أُمَّةً وَّاحِدَةً﴾

۲۱۳۔البقرہ۔۲

ترجمہ:

لوگ ایک امت تھے۔

اسی طرح قرآن حکیم میں حضرت نوح علیہ السلام کی دعا کی حکایت ہے۔

﴿رَبِّ اغْفِرْلِيْ وَلِوَالِدَيَّ وَلِمَنْ دَخَلَ بَيْتِيَ﴾

۲۸۔نوح۔۷۱

اے میرے رب مجھے، میرے والدین اور جو میرے گھر داخل ہو، بخش دے۔

سام بن نوح کے بارے تو نبی ہونے کا بھی ایک قول ہے اور ان کے فرزند ارفخشد صدیق تھے۔ انہوں نے اپنے دادا نوح علیہ السلام کا زمانہ پایا تھا اور حضرت نوح علیہ السلام نے ان کے لئے دعا کی تھی یہ اپنے دادا کے بڑے اچھے خدمت گار تھے

''طبقات ابن سعد'' میں ہے کہ لوگ حضرت نوح علیہ السلام کے زمانہ سے لے کر نمرود بن کوش بن کنعان تک بابل میں اسلام پر رہے نمرود نے لوگوں کو بت پرستی کی طرف بلایا

رہے عرب تو ان کے بارے میں امام بخاری اور دوسرے مستند محدثین نے صحیح

احادیث روایت کی ہیں کہ وہ حضرت ابراھیم علیہ السلام سے لے کر عمرو بن عامر الخزاعی تک ان میں ایک بھی مشرک نہ تھا۔ اسی نے سب سے پہلے بت پرستی کی اور دین ابراھیم علیہ السلام کو تبدیل کیا۔

اسی سبب سے نبی اکرم ﷺ نے اسے جہنم میں آنتیں گھسیٹتے ہوئے دیکھا۔

اس امر پر علماء کی نصوص وارد ہیں اور علماء نے اس ضمن میں کئی اخبار روایت کی ہیں، ابن حبیب نے اپنی تاریخ میں حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالی عنھما سے روایت کیا۔ ان کا قول سیر میں معتبر ہے۔

عدنان، معد، ربیعہ، مضر، خزیمہ اور اسد ملت ابراھیمی پر تھے ان کو ہمیشہ بھلائی کے ساتھ یاد کرو۔

''الروض الانف'' میں ایک حدیث ہے۔

الیاس علیہ السلام کو گالی مت دو، وہ صاحب ایمان تھے۔

(اے قاری) یہ تجھے وضاحت کے لئے کافی ہے۔

ابو نعیم نے ''دلائل النبوۃ'' میں روایت کیا ہے کہ کعب بن لوی اپنے فرزند کو نبی مکرم ﷺ پر ایمان لانے کی وصیت کرتے تھے۔ اور علانیہ یہ شعر پڑھتے،

اے کاش میں ان کی دعوت کا مقام نجواء پر منظر دیکھتا جب قریش حق کی رسوائی کا ارادہ کریں گے۔

رہے کلاب، قصی، عبد مناف اور ھاشم ان کے بارے کسی جانب بھی مجھے نقل جازم نہیں ملی۔

عبد المطلب کے بارے اختلاف ہے زیادہ مناسب قول یہ ہے کہ وہ اہل فترت

سے تھے اوران لوگوں سے تھے جن کوایک بار بھی دعوت نہیں پہنچی۔ اس قول کے حامل علماء کرام نے اصحاب فیل کے قصہ سے استشہاد کیا ہے۔ اے اللہ انسان اپنے گھر کی حفاظت کرتا ہے تو بھی اپنے گھر کی حفاظت کر، صلیب کے پرستاروں کے خلاف اپنے بندوں کی مدد کر۔

مجاهد اورسفیان بن عینیہ نے حضرت ابراهیم علیہ السلام کی اولاد میں توحید کے استمرار پر مندرجہ ذیل آیات سے استدلال کیا ہے۔

﴿وَإِذْ قَالَ إِبْرَاهِيمُ رَبِّ اجْعَلْ هَٰذَا الْبَلَدَ آمِنًا وَاجْنُبْنِي وَبَنِيَّ أَنْ نَعْبُدَ الْأَصْنَامَ﴾

۳۵۔ابراهیم۔۱٤

ترجمہ:

اور یاد کرو جب ابراہیم نے کہا اے میرے رب اس شہر کوامن والا بنا اور مجھے اور میرے بیٹوں کو بت پرستی سے محفوظ رکھ۔

ایک مقتدر عالم ابن المنذر نے اپنی تفسیر میں ابن جریج سے فرمان خداوند قدوس۔

﴿رَبِّ اجْعَلْنِي مُقِيمَ الصَّلَاةِ وَمِنْ ذُرِّيَّتِي﴾

٤٠۔ابراهیم۔۱٤

ترجمہ:

اے میرے رب مجھے اور میری اولاد کو نماز قائم کرنے والا بنا۔

کے تحت روایت کیا ہے۔

حضرت ابراهیم علیہ السلام کی اولاد سے ہمیشہ لوگ فطرت پر قائم رہ کر اللہ تعالیٰ کی عبادت کرتے رہے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالی عنہما مجاهد اور قتادہ سے معتمد علیہ

سند کے ساتھ مندرجہ ذیل فرمان خداوند قدوس۔

﴿وَجَعَلَهَا كَلِمَةً م بَاقِيَةً فِي عَقِبِهِ﴾

۲۸ ۔الزخرف۔ ۴۳

ترجمہ:

اور کلمہ توحید کو اپنی ذریت میں باقی رہنے والا بنا دیا۔

کے تحت ارشاد فرمایا! اس سے مراد اخلاص اور توحید ہے آپ کی ذریت میں ہمیشہ ایسے لوگ رہے جو اللہ تعالیٰ کی وحدانیت کے قائل تھے اور اسی کی عبادت کرتے تھے۔

حافظ ابن ناصر الدین الدمشقی کے مندرجہ ذیل اشعار کس قدر حسین ہیں۔
نبی اکرم ﷺ نور عظیم کی صورت میں منتقل کرتے رہے۔اور سجدہ گزاروں کی پیشانیوں میں چمکتے رہے۔

قرنا بعد قرن بدلتے رہے۔

یہاں تک کہ خیر البشر بن کر تشریف لائے۔

یہ روایت اور دلائل کا خلاصہ ہے یہ چودھویں رات کے درخشندہ چاند کی مانند ہے ستارے اور ہلال نہیں ہے۔انہوں نے اہل علم کے سینوں کو کشادہ کر دیا ہے یہ دوپہر کے اس سورج کی طرح چمک رہے ہیں جس کے سامنے بالکل بادل نہ ہو۔

جس شخص نے ان دلائل میں غور و فکر کیا، سوچ بچار کی اور ان کی طرف نظر انصاف سے دیکھا اس پر ان دلائل کے پوشیدہ اسرار کھل گئے۔

اور جس شخص کے ہاں دوسرا مسلک مضبوط ہے اور اس کی نظر میں ان دلائل کو ترجیح حاصل ہے تو وہ انکار کرتا رہے۔ ہمیں یہ تو اختیار حاصل نہیں کہ ہم اسے جبراً قائل کر لیں۔

اگر وہ ایسا شخص ہے کہ جب دلائل میں نظر کرے تو وہ چمکیں اور جب مردوں کے سامنے کھڑا ہو تو غلطی در غلطی کرے، پس وہ جو چاہے اپنے لئے قول پسند کرے اور اپنی ترجیح میں جس مصیبت پر چاہے سوار ہو۔ اگر وہ سلامت ہاتھ والا ہے تو اپنی نصرت میں اپنی قوت خرچ کرے اور اگر اس کا بازو کوتاہ ہے اور اسے آگہی کم ہو تو اپنی زبان کو بدکاری میں دراز کرے گالی گلوچ کے درپے ہو۔

فَاِنَّا لِلّٰهِ وَلَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِذِی الطَّوْلِ.

اور اگر وہ اپنے گمان میں یہ خیال کرے کہ میں اپنی پسندیدہ چیز کو ترجیح دیتا ہوں تو میں نے اپنے موقف کے ہر پہلو کو ثابت کر دیا ہے اور میں نے تو فقط اپنی توفیق کے مطابق اصلاح کا ارادہ کیا ہے۔

مجھے ایک اہل حدیث کی اطلاع ملی۔ اس نے اس میں اپنی لمبی عمر شدید کوشش میں گزاری۔ اس سے جب میرے موقف کو بیان کیا گیا تو وہ چیخ اٹھا۔ ناپسندیدگی سے اس نے چہرہ پھیر لیا، اس کے منہ سے پیپ بہ نکلی، اس کی زبان پر بدکلامی جاری ہو گئی، اس کے چہرے کی صبح پر رات چھا گئی، بنات النعش کے ساتھ اڑنے لگا، جنگلی گائے کی طرح بدک اٹھا، بلبلایا اعراض وغضب سے دہکنے لگا، اس نے منہ بسورا، بدزبانی پر اترا۔ اور واضح انداز میں کہنے لگا (نعوذ باللہ) والدین کریمین جہنم میں ہیں۔

کہنے لگا.........

ان کے حق میں تو قرآن کریم میں یہ فرمان نازل ہوا۔

﴿وَلَا تُسْئَلُ عَنْ اَصْحٰبِ الْجَحِیْمِ﴾

البقرہ۔ ۲۔ ۱۱۹

ترجمہ :

اور آپ سے جہنمی لوگوں کے بارے ہرگز سوال نہ کیا جائے گا۔

میں نے ناقل سے کہا تو نے ایک بھاری بھرکم امر کا سہارا کیوں نہ لیا اور تو نے اس کے منہ کو اس کے شیخ کے کلام سے لگام کیوں نہیں دی جو حجر کا مضبوط ترین رکن ہے۔ کیا تو نے اس کی بھڑکتی ہوئی آگ کو سرد نہ کیا؟ کیا تو نے اسے بتایا نہیں کہ وہ ٹھنڈے لوہے پر ضرب لگا رہا ہے اور ہماری ضربیں تو پگھلے ہوئے سونے پر ہیں۔ وہ تو ٹوٹی ہوئی کمان سے تیر اندازی کر رہا ہے جبکہ ہمارے تیر صحیح جگہ پر جا رہے ہیں۔

اگر یہ شخص ذکر منقول تک ہی اکتفا کرتا اور حماقت کا اظہار نہ کرتا تو حرج نہ تھا۔ سبیل تو ان لوگوں پر ہے جو ظلم کرتے ہیں۔ اپنی رفعت پر نازاں یا حد غلو سے تجاوز کرتے ہیں یا اپنے آپ کو بڑا سمجھتے ہوئے اور اپنے غیر کو حقیر اور چھوٹا سمجھتے ہوئے، مجھ جیسے لوگوں پر مدد و نصرت طلب کرتے ہوئے۔

کیا اسے شکر المنعم کے قاعدوں کا اتقان ہے جس پر اس مسئلہ کی بناء ہے؟ کیا اسے قاعدہ تحسین اور تقبیح سے شناسائی ہے جس کی طرف اس قاعدہ کا رجوع ہے؟ کیا وہ غافل من حیث التکلیف کے حکم کا عارف ہے؟ کیا وہ جانتا ہے کہ بعثت سے پہلے افعال کا حکم تشدید کے ساتھ موصوف ہے یا تخفیف کے ساتھ؟ کیا وہ فن اصول قواعد و استدلال اور تعارض نقول کے وقت ترجیح سے واقف ہے؟

یہ مت گمان کر کہ بزرگی میٹھا پھل ہے جسے تو کھالے گا۔

مصبر کو چاٹے بغیر تو بزرگی تک نہیں پہنچ سکتا۔

کیا یہ شخص بھول گیا کہ انبیاء علیہم السلام کی عالم بیداری میں زیارت کے

مسئلہ پر جو خطاء فاحش اس سے ظاہر ہوئی اس امر کے امکان پر میرے فتوی کا انکار کیا، حالانکہ اس مسئلہ میں آئمہ اور حفاظ کی نصوص تھیں۔

اس شخص نے جلد بازی میں کہہ دیا کہ یہ امر محال ہے۔ اس نے خوبصورت چہرہ کو غبار آلود کر دیا۔ کثرت قیل وقال پر خوش ہوا اور یہ بھی نہ سوچا کہ اگر جہالت کا عذر نہ ہو، تو یہ قول تو کفر کی طرف جاتا ہے۔

جب میں نے نکیر میں شدت کو اختیار کیا اور اسے یہ خبر پہنچی کہ العیاذ باللہ اس سے کفر لازم ہوتا ہے تو اس نے اپنے قول کو بدل دیا۔ اس نے کہا میں نے تو دعوی اجماع کا انکار کیا تھا اور اس نے اپنے قول میں تاویل کر دی۔

اس کا یہ دوسرا قول پہلے قول سے زیادہ خطرناک تھا۔ کیونکہ ممکنات میں قدرت کی صلاحیت سے دو نے بھی انکار نہیں کیا۔ جو شخص جائز اور محال میں فرق نہیں کر سکتا ایسے شخص کے لئے انکار سے سکوت ہی زیادہ مناسب ہے۔ ایسے معاملات میں اس کا پڑنا اس کے لئے رسوا کن ہے۔ میں نے اسی واقعہ کے ضمن میں مندرجہ ذیل اشعار کہے۔

وصال کے بعد انبیاء کی زیارت کو حیز ممکنات میں داخل کرو۔

جس شخص نے اسے محال کیا اسے کہہ کہ گہرے پانی میں غوطہ زنی چھوڑ دے۔

تو محال، ممکن بالغیر اور بالذات سے ناواقف ہے۔

خبردار کفر کی لغزش نہ کھا اور لغزشوں کی جگہ سے بچ۔

اب ہم اسی مسئلہ کی طرف لوٹتے ہیں۔ اے کاش وہ اس امر کا شعور رکھتا کہ کس مسئلہ میں اس نے میرا انکار کیا اور کس سبب سے میری طرف تیروں کا رخ کیا؟ کیا جانب نجات کی ترجیح، جس مسئلہ میں میرے حق میں سلف صالحین ہیں؟ کیا میں نے ایسے آئمہ پیش

نہیں کیئے جو اگر پہاڑوں کے ساتھ وزن کیئے جائیں تو ان پر بھاری ہیں۔ اگر وہ عدم اطلاع کا عذر کرے تو اس کا عذر واضح ہے۔ یا نسیان کا عذر کرے، تو انسان نسیان سے ہی بنا ہے۔

انسان کو انسان، نسیان کی وجہ سے ہی کہتے ہیں۔

اور قلب کو تقلب کی وجہ سے ہی قلب کہتے ہیں

اور کیا یہ امر بعید ہے کہ اللہ تعالیٰ جن کے سبب سے دونوں جہانوں کو نجات عطا فرمائے گا ان کے سبب سے انہی کے والدین کریمین کو نجات عطا فرمائے گا۔ اگر وہ اس امر کو بعید جانے تو میرے نزدیک شدت نرمی سے زیادہ راجح نہیں ہے، اور اگر وہ اس کو زیادہ سمجھے تو اس نے دونوں امروں سے خوبصورت امر میں بخل کیا ہے۔

نبی اکرم ﷺ کے والدین کریمین کے بارے سخاوی نے بخل کیا ہے۔

اگر اس کے لئے بے کنار سمندر میں غوطہ زنی مشکل تھی تو موسلا دھار بارش سے ہی پانی حاصل کر لیتا۔ کیا اس کا گمان ہے کہ میں نے کسی سند سے بغیر جانب ترجیح پیش قدمی کی اور بغیر کسی معتمد دلیل کے محض اپنی خواہش کی پیروی کی۔ العیاذ باللہ نہیں میں نے تو یہ موقف اس وقت اختیار کیا جب میرے پاس جگمگاتی ہوئی خالص، چمکتی ہوئی، جامع، مانع، برسنے والی، دلنشیں، روشن، غالب ہونے والی، بلند پایہ، بلند مرتبہ، یقینی، لازمی، انتہائی مثبت، صریح، صحیح، تھکا دینے والی، راحت عطا کرنے والی، شکست دینے والی، کشادہ، مکمل، گھیرنے والی، کامل، شامل، کفالت کرنے والی، گھیر لینے والی، یقین عطا کرنے والی اور مغلوب نہ ہونے والی دلیلیں جمع ہو گئیں۔

یا کیا دوسرے قول سے خاموشی پر اس نے انکار کیا اور مجھ سے ارادہ کیا کہ میں اس کو زبان پر جاری کر دوں۔ فیا سبحان اللہ۔ میرا اور اس کی حکایت کا کونسا رشتہ ہے؟ کیا میں

سو رہا ہوں یا اونگھ رہا ہوں؟ کیا میں ان لوگوں سے ہوں جو مختلف اقوال سنتے ہیں اور ان میں سے حسین کی پیروی کرتے ہیں؟ کیا میرے لئے یہ جائز ہے کہ میں اپنے اور اس کے درمیان ایک دیوار کھینچ لوں جس میں ایک دروازہ ہو؟ اس کی اندرونی جانب رحمت ہو اور بیرونی جانب عذاب ہو۔

بہر حال پہلی بات تو اس لئے کہ علماء نے اس باب میں خاموشی کی اور اس امر کو وقار اور ہدایت اور حسن ادب میں شمار کیا ہے۔

بہر حال دوسری بات تو وہ اس لئے کہ سائل ان سے جو معاد کا اقرار کرتا ہے، کلام میں استطر اد کرتا ہے اس کی مجلس میں عورتیں اور عوام حاضر ہوتے ہیں۔ دور کی سمجھ سوچ والے ہیں اور اسلام کے دائرہ میں نئے نئے داخل ہیں۔ کیا میں اس کے حصول میں ان کے کانوں کی طرف سبب بن جاؤں؟ ان سے بیان کرنے میں وسیلہ بن جاؤں حالانکہ ان کے افہام میں نقص ہے اور طبیعتوں میں جفا ہے۔

ہر گز نہیں، خدا کی قسم ہر جگہ کے لئے ایک گفتگو ہے اور معلوم چیز کہی نہیں جاتی۔

امام بیھقی نے ''شعب الایمان'' میں سلف صالحین سے روایت کیا ہے جس کی عقل، علم سے تھوڑی ہے اس کا علم اسے برباد کر دے گا اور جس نے تکلم کیا اس کا خون سستا ہو گیا اور مذمت زیادہ ہو گئی۔

پھر کاش کہ میں جانتا کہ اس باب میں میری کون سی غرض کار فرما ہے؟ کیا اس کا تعلق اصول دین میں سے کیسی ایسی اصل سے ہے جس سے سکوت کرنے سے نقصان یا لغزش کا خدشہ ہو؟ یا اس کا تعلق کسی سے عبارت کی غرض سے ہے کہ خاموشی خلل اور فساد کی موجب ہے؟ یا اس کا تعلق کسی عقد مالی سے ہے کہ اس سے خاموشی کسی خلل کا باعث ہو؟ یا

اس کا تعلق کسی نکاح سے ہے کہ خاموشی استحلال کا باعث ہو؟ یا اس کا تعلق کسی جان سے ہے کہ اس کے چھپانے سے خون بہنے کا خدشہ ہو؟ یا اس کا تعلق کسی عزت سے ہے کہ سکوت اور رسوائی کا ذریعہ ہو؟

نہیں ایسا ہرگز نہیں بلکہ ادب مطلوب ہے اور خاموشی کئی امور میں واجب ہے یا مندوب ہے۔

خداوند قدوس کی رضا میں بعض امور کے انجام کے ڈر سے ان کو چھوڑ دینا دین و دنیا میں مستحسن ہے۔

بہر حال اس مقام عظیم پر منکر کا اس آیت کریمہ سے احتجاج کہ

﴿وَلَا تُسْئَلُ عَنْ اَصْحٰبِ الْجَحِیْمِ﴾

۱۱۹ ـ البقرہ ـ ۲

ترجمہ:

اور آپ سے جہنمی لوگوں کے بارے سوال نہیں کیا جائے گا۔

کہ یہ آیت کریمہ والدین کریمین کے حق میں نازل ہوئی۔ تو اس کے جواب میں، میں عرض کروں گا کہ علوم حدیث میں یہ بات طے شدہ ہے کہ سبب نزول کا حکم حدیث مرفوع والا ہے اس سلسلہ میں صحیح متصل اسناد ہی قابل قبول ہوں گی نہ ضعیف قبول ہو گی اور نہ مقطوع۔ مندرجہ بالا آیت کا مذکورہ شان نزول کسی اسناد صحیح متصل سے ثابت نہیں۔ منکر اس حقیقت کا انکار کرتا ہے جب اس پر اس امر کو پیش کیا جاتا ہے تو اعتراف کرتا ہے انکار نہیں کرتا۔

اگر وہ تعذیب کے سلسلہ میں حدیث ضعیف سے احتجاج کرتا ہے تو نجات کے سلسلہ میں اس نوعیت کی احادیث اولیٰ بالقبول ہیں اگر وہ میزان میں اس مقطوع کو تھامتا

ہے تو جنان میں اس مقطوع کو کیوں نہیں تھامتا؟ حالانکہ بلاغت خطاب امر ثانی کے ساتھ منضم ہے۔ کیونکہ مذکورہ آیت سے ماقبل اور مابعد بھی ہی اہل کتاب کے بارے ہیں۔ یٰبَنِیٓ اِسۡرَآئِیۡلَ اذۡکُرُوۡ ...... سے لے کر یٰبَنِیٓ اِسۡرَآئِیۡلَ اذۡکُرُوۡا تک۔

یہی وجہ ہے کہ اس قصہ کی انتہا تقریباً ان ہی کلمات سے ہوئی جن سے ابتدا ہوئی۔ یبنی اسرائیل سے ندا کی تکریر ہوئی۔ اس امر نے اس بات پر دلالت کی کہ اصحاب الجحیم سے مراد اصحب الکتب ہیں۔

اس امر کی اس بات سے تائید ہوتی ہے کہ یہ سورہ مدنیہ ہے اور اس میں خطاب ذریت بنی اسرائیل سے ہے اس میں اکثر خطاب ان یہود سے ہے جو توراۃ میں مذکورہ وعدوں کو توڑنے والے ہیں۔

اس امر کی تائید اس منقول سے بھی ہوتی ہے جسے فریابی اور عبد بن حمید نے آئمہ تنزیل کے ایک نمایاں فرد مجاھد سے روایت کیا ہے کہ سورہ بقرہ کی آیت نمبر ۴۰ سے لے کر ایک سو بیس تک بنی اسرائیل کے بارے ہیں۔

مزید برآں لفظی اور معنوی مناسبت سے بھی یہ ہی ظاہر ہوتا ہے۔

لغت اور آثار مرویہ کی روشنی میں جحیم، جہنم کے شدید ترین طبقہ کا نام ہے۔

ابن ابی حاتم نے ایک پارسا تابعی ابو مالک سے "اصحب الجحیم" کے تحت روایت کیا ہے کہ یہ جہنم کا شدید ترین طبقہ ہے۔

ابن جریر اور ابن المنذر نے ابن جریج سے فرمان خداوند قدوس

﴿لَهَا سَبۡعَةُ اَبۡوَابٍ﴾

کے تحت روایت کیا ہے۔

پہلا جھنم ہے، دوسرا لظی ہے، تیسرا حطمہ ہے، چوتھا سعیر ہے، اور پانچواں سقر ہے، اور چھٹا جحیم ہے، اور ساتواں ھاویہ ہے۔

اور فرمایا کہ جحیم میں سراپا گناہ ابو جھل ہوگا۔

اس طبقہ کا وہی سزاوار ہے جسکا کفر عظیم ہے۔ گناہ شدید ہے۔ جس نے علم ویقین کے باوجود انکار کیا، اپنے پاس موجود کتاب المبین کی آیات کو بدل دیا، علم کے باوجود ہٹ دھرمی اور انکار کو اپنایا، تورات میں مذکورہ امور کی تحریف کی، رسول اکرم ﷺ کی رسالت کو جھٹلایا، حالانکہ اس کی کتاب میں آپ ﷺ کی تصدیق اتباع اور فرمانبرداری کا حکم تھا۔

جہنم کے اس شدید ترین طبقہ کا سزاوار وہ کیسے ہوسکتا ہے جو اہل فترت سے ہے۔ جس کے پاس نہ علم ہے، نہ کتاب، نہ عناد، نہ کتاب کے کسی امر میں تبدیلی کرنے والا ہے۔

واضح ہے جہنم کا یہ طبقہ ایسے افراد کے لئے نہیں ہوسکتا، جبکہ ایسے افراد کا گہرا تعلق نبی کریم ﷺ کی ذات گرامی سے بھی ہو۔

ابو طالب کے بارے صحیح حدیث وارد ہے کہ وہ عذاب کی جہت سے جہنم کے سب سے ہلکے طبقہ میں ہے۔ یہ نبی کریم ﷺ کے حسن سلوک اور قرابت داری کی وجہ سے ہے۔ حالانکہ لمبی عمر کے باوجود آپ کے حکم کی پیروی سے رکے رہے۔

تو تیرا ان والدین کریمین کے بارے کیا گمان ہے جن کا قرب شدید ہے، محبت عظیم ہے، عمر قصیر ہے، عذر زیادہ ہے۔ تو العیاذ باللہ کیا وہ طبقہ جحیم میں ہوں گے اور ان پر سخت ترین عذاب ہوگا؟ یہ اس شخص کے فہم سے بالاتر ہے جو معمولی سا بھی ذوق سلیم رکھتا ہے۔

رہا منکر کا یہ قول کہ ان کے عذاب کے بارے میں کثرت سے احادیث وارد ہیں تو

ہیں ان تمام پر واقف ہوں ۔میں نے ان تمام کو جمع وحصر کرنے کی کوشش کی ہے۔ان میں سے اکثر ضعیف ہیں یا معلول ہیں ۔اور جو صحیح ہے وہ بیان کردہ نقول کی بنا پر منسوخ ہے یا معارض ہے۔تو جیسا کہ اصول حدیث میں یہ طے شدہ امر ہے کہ اس باب میں ترجیح کو طلب کیا جائے گا۔

بعض آئمہ مالکیہ نے چمکتا ہوا جواب دیا، فرمایا! اس سلسلہ میں وارد ہونے والی اخبار آحاد ہیں۔وہ قطعی روایات کے معارض ہونے کی صلاحیت نہیں رکھتیں۔مگر تعجب ہے کہ منکر اطفال المشرکین کے حق میں کیا کہتا ہے حالانکہ ان کے جہنمی ہونے میں خبر مضبوط اور ظاہر ہے۔اگر وہ اس خبر کے مقتضی کا قول کرتا ہے تو انتہائی سنگین بول بولتا ہے اور مصیبت پر سوار ہوتا ہے اگر وہ دوسرے لوگوں والا قول کرتا ہے اور ان سے اس سختی کو اٹھاتا ہے تو ایسی اخبار سے عدول کرنا اس کا مسلم ہے کہ یہ اخبار منسوخ ہیں۔اہل تحقیق ورسوخ کا یہی موقف ہے اور یہ امر اس شفاعت کی وجہ سے ہے جو اِن کے حق میں واقع ہے۔

کیونکہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے۔

میں نے انسانیت کے لئے اپنے پروردگار سے سوال کیا تو اس نے مجھے عطا کر دیا حالانکہ ناسخ اطفال مشرکین اور ان لوگوں کے حق میں جن تک دعوت ہی نہیں پہنچی ایک ہی جگہ قرآن حکیم میں مقترن واقع ہیں۔

﴿وَلَا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِّزْرَ اُخْرٰی وَمَا كُنَّا مُعَذِّبِيْنَ حَتّٰى نَبْعَثَ رَسُوْلًا﴾

۱۵ ۔الاسرائیل ۔۱۷

ترجمہ:

اور کوئی بوجھ اٹھانے والی جان دوسرے کا بوجھ نہیں اٹھائے گی اور جب تک ہم کوئی

رسول نہ بھیجیں ہم عذاب نازل کرنے والے نہیں۔

پہلے جملہ سے مشرکوں کے بچوں کی تعذیب منسوخ ہوئی اور دوسرے جملہ سے تعذیب قبل الارسال منسوخ ہوئی۔

اے قاری غور کر! نظم قرآن میں ودیعت شدہ ان اسرار کی طرف اور ترتیب قرآن کے عجیب مناسبات کی طرف۔

سخاوی سے کہہ! اگر تجھے مشکل لاحق ہے تو میرا علم ٹھاٹھیں مارتے سمندر کی طرح ہے۔

اگر وہ کہے کہ دعوت عیسی علیہ السلام ان ابوین کریمین سے متقدم ہے تو جواب میں عرض کروں گا کہ اس دعوت کا ان تک وصول ثابت نہیں اور نہ کسی ایسے شخص سے ملاقات ثابت ہے جو اس دعوت کی ان کو خبر دیتا اور اس دعوت کی حقیقت کو ان پر کھولتا۔

اگر یہ ہی تقدم متقرر ہو تو پھر دنیا میں کوئی اہل فترت کسی زمانہ میں پایا ہی نہیں گیا، کیونکہ حضرت عیسی علیہ السلام سے پہلے اقطار عالم میں انبیاء مبعوث ہوتے رہے اور حضرت آدم علیہ السلام تک ہر متقدم فترت سے پہلے کوئی نبی تھا اور حضرت آدم علیہ السلام سے پہلے تو بشر تھے ہی نہیں جن سے اسلام و کفر اور حلال و حرام کے احکام متعلق ہوتے۔

اگر ہم ہر بعثت کا اعتبار کرلیں چاہے وہ لوگوں تک پہنچی ہی نہ ہو تو احادیث فترت کا استحالہ لازم آئے گا کیونکہ اس نوعیت کی قوم پائی ہی نہ جائے گی جن پر یہ احادیث لاگو ہوں۔

اس امر میں بھی ہرگز شک نہیں کہ الفاظ حدیث صریح ہیں اور معنی بھی ظاہر ہیں کیونکہ ان سے مراد وہ لوگ ہیں جو شریعت عیسی علیہ السلام کے مٹ جانے کے بعد

تھے اور ہمارے نبی سراج منیر ﷺ کی بعثت سے پہلے تھے۔

خداوند قدوس کے مندرجہ ذیل فرمان کا یہی ظاہر ہے۔

﴿یٰۤاَهْلَ الْكِتٰبِ قَدْ جَآءَكُمْ رَسُوْلُنَا یُبَیِّنُ لَكُمْ عَلٰى فَتْرَةٍ مِّنَ الرُّسُلِ اَنْ تَقُوْلُوْا مَا جَآءَنَا مِنْۢ بَشِیْرٍ وَّلَا نَذِیْرٍ٘ فَقَدْ جَآءَكُمْ بَشِیْرٌ وَّنَذِیْرٌ﴾

۱۹۔ المائدہ۔ ۵

ترجمہ:

اے کتاب والو! بے شک تمہارے پاس ہمارے یہ رسول تشریف لائے کہ تم پر ہمارے احکام ظاہر فرماتے ہیں۔ بعد اس کے کہ رسولوں کا آنا مدتوں بند رہا تھا کہ کبھی کہو کہ ہمارے پاس کوئی خوشی اور ڈر سنانے والا نہیں آیا۔ تو یہ خوشی اور ڈر سنانے والے تمہارے پاس تشریف لائے ہیں۔

مفسرین کرام نے بڑا واضح ارشاد فرمایا: زمانہ فترت دو نبیوں کا درمیانی زمانہ ہے۔

ابن جریر نے اس کے تحت بڑا خوبصورت قول کیا ہے کہ فترت رسل کرام کی تشریف آوری کے بعد زمانہ انقطاع ہے اس کا ماخذ فَتَرَ الْاَمْرُ سے ہے۔ یہ اس وقت کہا جاتا ہے۔ جب امر ٹھہر جائے اور پر سکون ہو جائے۔

جوھری نے صحاح مین وضاحت کرنے والا قول کیا ہے۔

خداوند قدوس کے رسولوں میں سے دو رسولوں کے درمیان کو فترت کہتے ہیں (ان ارشادات کی روشنی میں) فترت اسی وقت ہوگی جب اس سے پہلے کسی رسول کی دعوت ہو پھر ایک لمبا عرصہ گزرنے کی وجہ سے اس کا اثر مٹ جائے اور یہ عرصہ طویل ہو جائے۔

حدیث حاکم جو شرط شیخین پر صحیح الاسناد ہے اس کے الفاظ یہ ہیں ''قیامت کے

روز اہل جاہلیت اپنی پشتوں پر اپنے بتوں کو اٹھائے ہوئے آئیں گے پھر امتحان کے بارے بقیہ حدیث ذکر کی وہ اپنی مراد میں صریح ہے۔

ہمارے امام، امام شافعی رضی اللہ تعالی عنہ نے نص وارد کی ہے حالانکہ وہ بعثت سے صرف دوسوسال بعد ہیں کہ ان کے زمانہ میں ایسے لوگ ہیں جن تک ابھی دعوت نہیں پہنچی اور یہ وراءالصین کے لوگ ہیں تو جب نبی مکرم ﷺ کی بعثت شریفہ کے دوسوسال بعد بھی ایسے لوگ ہیں جن تک دعوت نہیں پہنچی حالانکہ اسلام ظاہر ہے اور دین وافر ہے تو زمانہ جاہلیت کے بارے تیرا کیا گمان ہے جب کفر عام تھا اور جہالت نے زمین پر سایہ کر رکھا تھا اور ہر کافر غالب تھا۔

قصہ مختصر مدار، دعوت کے پہنچنے اور نہ پہنچنے پر ہے۔ جس شخص تک دعوت نہیں پہنچی وہ ناجی ہے چاہے وہ بعثت محمدی علی صاحبہا الصلوۃ والسلام سے پہلے ہو یا بعد میں۔ اور زمانہ فترت میں جس تک دعوت پہنچی ہو اور وہ ہٹ دھرمی پر اڑا رہا ہو اور اس کو رد کر دیا ہو وہ جہنمی ہے۔

یہ قسم اخیر محل اجماع ہے اس میں کسی ایک کا بھی نزاع نہیں ہے۔ اس کی طرف امام نووی رحمۃ اللہ علیہ نے شرح صحیح مسلم میں اشارہ کیا ہے تو جسے اللہ تعالیٰ اور اس کا رسول ﷺ معذور رکھنے والا ہو تو وہ معذور ہے۔ اور جسے اللہ تعالیٰ ذلیل کرے اسے کوئی عزت دینے والا نہیں ہے۔

"الابی" نے شرح مسلم میں اس مسئلہ کا ذکر کیا ہے تو اس میں تفصیل سے کلام کیا اور مسئلہ کو خوب نکھارا۔ فرمایا۔

اہل فترت وہ لوگ ہیں جو رسل کرام کے درمیانی زمانہ میں تھے نہ ان کی طرف پہلے

رسولوں کی دعوت پہنچی اور نہ بعد والوں کا انہوں نے زمانہ پایا جیسے اعراب نہ ان کی طرف حضرت عیسی علی نبینا و علیه الصلوة و السلام آئے اور نہ ہی یہ نبی مکرم ﷺ سے لاحق ہوئے۔

مزید فرمایا۔ان ہی اہل فترت کے باب میں عقیل بن ابی طالب نے تین قسمیں ذکر کیں۔

پہلی قسم: وہ لوگ جنہوں توحید کا درک اپنی بصیرت سے کر لیا، چاہے وہ کسی شریعت میں داخل نہ ہوئے جیسے زید بن عمرو بن نفیل یا وہ شریعت عیسی علی نبینا و علیه الصلوة والسلام میں داخل ہوگئے۔

دوسری قسم: وہ لوگ جنہوں نے نہ تو شرک کیا، نہ توحید اختیار کی، نہ کسی شریعت میں داخل ہوئے، نہ اپنے لئے کوئی نئی شریعت وضع کی اور نہ ہی کوئی نیا دین گھڑا، وہ ان تمام امور سے غافل و بے نیاز اپنی عمر گزار گئے۔

فرمایا۔ جاہلیت میں جو اس قسم کے لوگ تھے وہ حقیقتاً اہل فترت تھے اور یہ امر قطعی ہے کہ ان کو عذاب نہ ہوگا اس کا طریق ہم نے نکھار دیا ہے۔

تیسری قسم: وہ لوگ جنہوں نے شرک اختیار کیا، توحید اختیار نہ کی، شریعت میں تغیر وتبدل کیا، اپنے لئے نئی شریعت وضع کی، از خود چیزوں کو حلال وحرام ٹھہرایا یہ اکثر لوگ تھے۔ اس قسم پر تعذیب محمول ہوگی یا پھر ان اخبار کا جواب یہ دیا جائے گا کہ وہ احاد اور قطعی دلائل سے معارض نہیں ہوسکتیں جس طرح کہ اس کی تقریر وتہذیب ہم نے پہلے کردی ہے۔

بعض متاخرین اہل علم نے ارشاد فرمایا!

اس تیسری قسم سے نبی مکرم ﷺ کے والدین کریمین شریفین کو نکالنا واجب ہے۔

اور یقیناً ایسے آثار وارد ہیں جن کو وہ اس مقام پر لائے ہیں اگر چہ وہ مقصد پر نص نہیں ہیں۔ جیسے ابن جریر نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے آیت کریمہ،

﴿وَلَسَوْفَ يُعْطِيكَ رَبُّكَ فَتَرْضَى﴾

۷۔الضحی۔۹۲

ترجمہ:

اور آپ کو آپ کا رب اتنا دے گا کہ آپ راضی ہو جائیں گے۔

کے تحت روایت کیا ہے۔

نبی مکرم ﷺ کی رضا یہ ہوگی کہ ان کے اہل بیت سے کوئی ایک بھی جہنم میں داخل نہ ہو

ابو سعید نے ''شرف النبوۃ'' میں حدیث عمر ابن حصین سے روایت کی ہے دوسرے محدثین نے بھی روایت کی ہے۔ یہ مرفوع المسالک ہے۔

''میں نے اپنے پروردگار سے سوال کیا کہ وہ میرے اہل بیت میں سے کسی ایک کو بھی جہنم میں داخل نہ کرے تو رب کریم نے میرا سوال مجھے عطا کر دیا۔ عموم لفظ معتبر ہے اگر چہ اس کے طرق میں احتمال ہے اور اس کی توحید کی طرف ہم نے اوائل مقامہ میں حدیث ابن عمر سے تھوڑا پہلے اشارہ کر دیا ہے۔

اسی وجہ سے حافظ العصر ابو الفضل ابن حجر نے اصول واثر دونوں کی رعایت کرتے ہوئے ایک جامع قول کیا۔

آپ کی ساری آل کے بارے ظن یہ ہے کہ جو اہل فترت سے ہیں وہ امتحان میں اطاعت کریں گے کیونکہ جنت میں ان سے نبی مکرم ﷺ کی آنکھیں ٹھنڈی ہوں گی۔

اگر ہم دوسرے لوگوں کی طرح حدیث واہیہ ذکر کرنا چاہیں تو ہم یہ حدیث ضرور ذکر کریں کہ

خداوند قدوس نے میری طرف وحی کی ہے کہ میں نے ہر اس پشت پر دوزخ حرام کر دی ہے جس سے میں اترا ہوں اور ہر اس پیٹ پر جس میں، میں رہا ہوں۔

مگر میں اس طرح کی روایت سے احتجاج نہیں کرتا اور بوندا باندی اور تری سے بارش طلب نہیں کرتا۔ قوی دلائل میں واہی متکلم فیہ سے بے نیاز ہوں۔ جب چودھویں رات کا چاند طلوع ہو جائے تو ستاروں کی حاجت نہیں رہتی۔ جب پانی مل جائے تو تیمم باطل ہو جاتا ہے۔

اور جو کچھ ہم نے اپنے اس منکر بھائی کے حق میں کہا ہے، بے شک وہ علم اور دین میں غیر مدفوع ہے۔ مگر ہم نے زبان درازی اور حسین معانی کے چہروں کو بدلنا پسند نہ کیا۔ کیا طیب کلام اور زبانوں کی حفاظت پر ترغیب واقع نہیں ہے؟ برائی اور نیکی برابر نہیں ہو سکتیں۔

خداوند قدوس ہمیں اور اسے علماء عاملین سے بنائے۔ ہمارے دلوں سے حسد کو کھینچ لے اور ہمیں جنت میں آمنے سامنے پلنگوں پر بھائیوں کی صورت میں جمع کرے۔

میں نے اس مقامہ کو انشاء کیا اور اس کا نام ''المقامة السندسيه'' رکھا اس سے میں نے نسبت مصطفویہ شریفہ طاہرہ قدسیہ کی خدمت کی ہے۔

مگر اس مسئلہ سے تخلف ممکن نہ تھا، تو میں نے اس کو ضرورۃً مستثنیٰ سمجھا۔ میں نے اس سے جنات النعیم میں کامیابی کی امید کی ہے اور نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خوشنودی کے حصول کا ذریعہ بنایا ہے اور ہر صاحب ذہن، قویم اور طبع سلیم کی طرف تحفہ کیا ہے۔ ہر علم والے سے بڑا علم والا ہے۔ پھر اگر وہ روگردانی کرے تو اے نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم کہہ دیں، اللہ تعالیٰ ہی مجھے کافی ہے۔ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں ہے اسی پر میں نے بھروسہ کیا اور وہ عرش عظیم کا رب ہے۔

التعظیم والمنة

فی ان

ابوی رسول اللّٰہ فی

الجنه

تصنیف

شیخ الاسلام امام جلال الدین سیوطی علیه الرحمه

ترجمه

ساجد الهاشمی

بِسمِ اللّٰہِ الرَّحمٰنِ الرَّحِیم

سب تعریفیں اللہ تعالیٰ کے لئے ہیں اور سلام اس کے پسندیدہ بندوں پر ہے۔ میں نے فتویٰ دیا کہ مذہب مختار یہ ہے کہ نبی مکرم ﷺ کی والدہ ماجدہ موحدہ تھیں۔ آپ کا حکم ان لوگوں کا سا ہے جو جاہلیت میں دین حنیف پر تھے۔ حضرت ابراھیم علیہ الصلوۃ والسلام کی ملت پر تھے اور بت پرستی سے محفوظ تھے جیسے زید بن عمرو بن نفیل اور ان کی امثال۔

اور ان کے دوبارہ زندہ ہونے کی حدیث ضعیف نہیں ہے جس طرح کہ حفاظ کی ایک جماعت نے دعویٰ کیا ہے بلکہ وہ ایسی ضعیف ہے جن سے فضائل کے باب میں چشم پوشی کی جا سکتی ہے خصوصاً اس نوعیت کی جگہ میں۔

تو یہ فتویٰ دو امور کو متضمن ہے جو دلیل کے محتاج ہیں۔

تو اس سلسلہ میں، میں کہتا ہوں ابن شاھین نے اپنی کتاب ''الناسخ والمنسوخ'' میں کہا!

ہم نے محمد بن الحسین بن زیاد مولی الانصار سے، انہوں نے احمد بن یحی حضرمی سے مکہ میں، انہوں نے ابو غزیہ محمد بن یحی الازھری سے انہوں نے عبد الوھاب بن موسی الازھری سے انہوں نے عبد الرحمن بن ابی الزناد سے، انہوں نے ھشام بن عروہ سے انہوں نے اپنے والد گرامی سے، انہوں نے سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالی عنھا سے روایت کیا ہے۔

نبی کریم ﷺ وادی حجون میں پژمردہ وافسردہ اپنی سواری سے نیچے اترے جب تک اللہ تعالیٰ نے چاہا، قیام فرمایا۔ پھر شاداں وفرحاں واپس تشریف لائے۔ میں نے

عرض کی یارسول اللہ (صلی اللہ تعالی علیک وعلی آلک وسلم) کیا وجہ ہے جب آپ نیچے اترے تو غمزدہ اور پژمردہ تھے پھر جب تک اللہ تعالیٰ نے پسند فرمایا آپ قیام پذیر رہے پھر شاداں وفرحاں واپس لوٹے۔

نبی مکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا! میں نے اپنے پروردگار سے عرض کی تو اس نے میری والدہ ماجدہ کو دوبارہ زندہ فرمایا۔ وہ مجھ پر ایمان لائیں پھر اللہ تعالیٰ نے ان کو واپس لوٹا دیا۔

اس روایت کو ابن الجوزی نے ''موضوعات'' میں وارد کیا ہے۔

حافظ ابو الفضل ابن ناصر نے کہا یہ حدیث موضوع ہے۔ محمد بن زیاد نقاش ثقہ نہیں ہے اور احمد بن یحی اور محمد بن یحی مجہول ہیں۔

میں کہتا ہوں محمد بن یحی مجہول نہیں ہے ذھبی نے اس کا ذکر المیزان اور المغنی میں کیا ہے۔ فرمایا:

محمد بن یحی ابو غزیه المدنی الزهری

دار قطنی نے کہا:

متروک

ازدی نے کہا:

ضعیف

یہ مندرجہ بالا ذھبی کی عبارت ہے۔

تو اس کی پہچان ضعف کے ساتھ ہے وضع کے ساتھ نہیں ہے۔ جس شخص کا ترجمہ اس طرح ہو اس کی حدیث درجہ موضوع میں نہیں ہوتی بلکہ درجہ ضعیف میں ہوتی ہے۔

رہے احمد بن یحی الحضرمی تو یہ بھی مجہول نہیں ہیں......ان کا ذھبی نے ''میزان ''میں ذکر کیا ہے۔

آپ نے فرمایا:

اس نے حرملہ تجیبی سے روایت کی ہے ابوسعید بن یونس نے اسے لین قرار دیا ہے۔

رہے محمد بن زیاد۔ اگر چہ وہ نقاش تھے جیسے کہ ذکر ہوا مگر وہ قراءات کے علماء اور آئمہ تفسیر سے تھے۔

ذھبی نے ''المیزان ''میں کہا:

وہ اپنے زمانہ کا شیخ المقرئین تھا۔

مگر ان سارے امور کے باوجود یہ تینوں اسی روایت میں تنہا نہیں ہیں اس روایت کے ابوغزہ کے ابو غزہ سے دو اور طریق بھی ہیں۔

حافظ محب الدین احمد بن عبداللہ المکی الطبری نے اپنی کتاب 'سیرۃ النبی' میں ارشاد فرمایا!

ہم سے ابو الحسن نے، اس نے حافظ ابو الفضل محمد بن ناصر السلامی سے اجازۃً، اس نے ابو منصور محمد بن احمد بن علی بن عبدالرزاق حافظ زاھد سے، اس نے قاضی ابو بکر محمد بن عمر بن الاخضر سے، اس نے ابو غزیہ محمد بن یحی الزھری سے، اس نے عبد الوھاب بن موسی الزھری سے، اس سے عبدالرحمن بن ابو الزناد سے، اس نے ھشام بن عروہ سے، اس نے اپنے والد گرامی سے، اس نے سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالی عنھا سے روایت کیا ہے۔

نبی مکرم ﷺ مقام حجون پر افسردہ وپژمردہ کیفیت میں اترے۔ جب تک اللہ تعالیٰ نے پسند فرمایا وہاں قیام پذیر رہے۔ پھر شاداں وفرحاں واپس تشریف لائے۔

اور ارشاد فرمایا!

میں نے اپنے پروردگار سے عرض کی، اس نے میری خاطر میری والدہ ماجدہ کو دوبارہ زندہ فرمایا۔ وہ مجھ پر ایمان لائیں پھران کو واپس لوٹا دیا۔

رہے ذہبی تو انہوں نے مذکورہ تین افراد میں سے کسی ایک کے ساتھ حدیث کی تعلیل نہیں کی۔

بلکہ ذہبی نے ''المیزان'' میں کہا:

اس روایت میں عبد الوھاب بن موسی عن عبد الرحمن بن ابی الزناد نہ معلوم کون کذاب شخص ہے۔

بے شک یہ حدیث جھوٹ ہے کیونکہ اس حدیث صحیح کی مخالف ہے۔

''میں نے اپنی والدہ ماجدہ کی زیارت اور استغفار کے لئے اجازت چاہی مگر مجھے اجازت نہ ملی''

مختصر یہ کہ امام ذہبی نے مذکورہ حدیث کی دو علتیں بیان کی ہیں۔

۱۔عبد الوھاب بن موسی کا مجہول ہونا۔

۲۔مذکورہ صحیح حدیث کی مخالفت۔

پہلے امر کا جواب یہ ہے کہ عبد الوھاب، رواۃ مالک سے معروف ہے اور یہ حدیث ان سے بھی روایت کی گئی ہے۔

حافظ ابو بکر الخطیب نے ''السابق واللاحق'' میں کہا۔

ہم سے روایت کیا ابو العلا الواسطی نے، انہوں نے حسین بن علی بن محمد الحلبی سے، انہوں نے ابو طالب عمر بن الربیع الزاھد سے، انہوں نے علی بن ایوب الکعبی سے انہوں نے محمد بن یحی بن الزھری ابو غزیہ سے، انہوں نے عبدالوھاب بن موسی سے، انہوں نے مالک بن انس سے، انہوں نے ابو الزناد سے، انہوں نے ھشام بن عروہ سے، انہوں نے اپنے والدگرامی سے انہوں نے سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالی عنھا سے روایت کی ہے۔

حجۃ الوداع میں ہم نبی اکرم ﷺ کی رفاقت میں تھے۔ ہمارا گزر وادی حجون سے ہوا، نبی اکرم ﷺ گریہ کناں افسردہ اور پژمردہ تھے۔ میں نبی اکرم ﷺ کی گریہ زاری سے رونے لگی پھر آپ نیچے تشریف لے گئے۔

ارشاد فرمایا! حمیرا۔ تو ٹھہر۔

تو میں اونٹ کی ایک طرف سہارا لے کر بیٹھ گئی۔ نبی اکرم ﷺ کافی دیر تک ٹھہرے رہے پھر واپس تشریف لائے تو فرحاں وخنداں تھے۔

میں نے عرض کی میرے ماں باپ آپ پر قربان یا رسول اللہ ﷺ آپ جب نیچے اترے تو گریہ کناں افسردہ اور پژمردہ تھے یہاں تک کے آپ کے رونے سے میں بھی رونے لگی اور اب آپ واپس تشریف لائے تو فرحاں وخنداں ہیں اس کا سبب کیا ہے یا رسول اللہ ﷺ؟

ارشاد فرمایا!

میں اپنی والدہ ماجدہ کی قبر پر گیا تھا میں نے اپنے پروردگار سے عرض کی کہ اُن کو زندہ فرمادے تو خداوند قدوس نے ان کو زندہ فرما دیا تو وہ مجھ پر ایمان لائیں پھر اللہ تعالیٰ نے ان کو

واپس لوٹا دیا۔

اسی طریق سے دار قطنی نے ''غرائب مالک'' میں روایت کیا، اور کہا باطل ہے۔

ایسے ہی ابن عساکر نے ''غرائب مالک'' میں روایت کیا اور کہا منکر ہے
اسے ابن جوزی نے بھی ''موضوعات'' میں ذکر کیا مگر اس کے رجال پر کلام نہ کیا۔

ہاں ذھبی نے ''المیزان'' میں کہا کہ

علی بن ایوب ابو القاسم الکعبی کی روایت ابن یحی الزھری سے تقریباً معروف نہیں ہے۔

میں کہتا ہوں اس طریق سے یہ ظاہر ہو گیا کہ

اسی عبد الوھاب بن موسی کو ہی ابو العباس الزھری کہا جاتا ہے۔

اسے خطیب نے رواۃ مالک میں ذکر کیا ہے اور ان کا ایک اثر مالک سے وارد کیا ہے۔

سعید بن الحکم بن ابی مریم المصری سے روایت کی، انہوں نے عبد الوھاب بن موسی الزھری سے انہوں نے مالک سے، انہوں نے عبد اللہ بن دینار سے، انہوں نے سعد مولی عمر بن الخطاب سے کہ کعب الاحبار رضی اللہ تعالی عنہ نے عمر بن خطاب رضی اللہ تعالی عنہ سے کہا،

ہم آپ کو کتاب اللہ کی رو سے جہنم کے دروازوں میں سے ایک دروازے کے پاس کھڑا پاتے ہیں کہ آپ لوگوں کو اس میں گرنے سے روکتے ہیں پس آپ وصال فرما جائیں گے تو وہ قیامت کے روز تک اس کی طرف دیوانہ وار لڑھکتے رہیں گے۔ یہ اثر مالک سے

معروف ہے۔

اسے **ابن سعد** نے "**الطبقات**" میں **معن بن عیسی** سے، انہوں نے مالک سے اسی سند اور متن کے ساتھ روایت کیا ہے۔

سو اس طرح **عبد الوهاب** کی جہالت اس دوسری روایت سے اس روایت معروفہ کی بنا پر زائل ہوگئی۔ اور یہ حدیث ان سے دو طریقوں سے مروی ہے۔

۱. **عن مالک عن ابی الزناد عن هشام .**

۲. **عن عبد الرحمٰن بن ابی الزناد عن هشام .**

ایک بار اس طرح روایت کیا اور دوسری بار اس طرح۔

اور اس طریق میں یہ فائدہ زائدہ ہے کہ حجۃ الوداع کا واقعہ ہے اور اس فائدہ سے امر ثانی کا جواب حاصل ہو جاتا ہے کہ اس روایت سے 'استغفار کی اجازت نہ ملنے والی' حدیث صحیح کی مخالفت ہوتی ہے۔

(جواب اس طرح) کہ قصہ زیادہ عام الفتح کا ہے جس طرح کہ حدیث **بریدہ رضی اللہ عنہ** میں ہے اور یہ اس احیاء والے واقعہ سے دو سال پہلے کا واقعہ ہے۔ اسی وجہ سے **ابن شاهین** نے اس روایت کو۔ "**الناسخ والمنسوخ**" میں روایت کیا آپ نے "**حدیث الزیادة والنهی عن الاستغفار**" کو وارد کیا اس کو منسوخ قرار دیا اور بعد از اں حدیث **عائشہ رضی اللہ تعالی عنها** ذکر کی اور اس سے ناسخ قرار دیا اور یہ امر انتہائی خوب صورتی سے واضح کیا۔

امام قرطبی نے اسی کی پیروی کی۔ **سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالی عنها** کی، والدہ ماجدہ کے احیاء اور والدین کریمین کے احیاء والی احادیث کا ذکر کیا اور اس

کے بعد ''التذکرہ'' میں کہا، ان میں تعارض نہیں ہے کیونکہ والدین کریمین کا احیاء حدیث استغفار سے متاخر ہے، اس پر دلیل یہ ہے کہ حدیث عائشہ حجۃ الوداع کے موقع کی ہے اسی طرح ابن شاھین نے اس کو ناسخ قرار دیا ہے۔ کیونکہ اخبار میں اس کا ذکر ہے۔

مزید براں ابن شاھین نے کہا کہ ہم سے یحی بن صاعد نے، انہوں نے ابراھیم بن سعد اورزھیر بن محمد سے، ان دونوں نے عبد الرحمن بن مبارک سے، انہوں نے مصعب بن حرب سے، انہوں نے علی بن الحکم سے، انہوں نے عثمان بن عمیر سے، انہوں نے ابو وائل سے، انہوں نے ابن مسعود رضی اللہ تعالی عنہ سے روایت کی ہے کہ

ملیکہ کے دو بیٹے حاضر خدمت ہوئے اور عرض کی، یارسول اللہ ﷺ ہماری والدہ کمزور کی عزت کرتی تھی وہ زمانہ جاہلیت میں زندہ درگور کردی گئی تو اب وہ کہاں ہے؟

نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا، وہ جہنم میں ہے۔

(دونوں یہ سن کر) کھڑے ہوگئے ان پر یہ امر بڑا شاق گزرا۔

نبی اکرم ﷺ نے دونوں کو بلا کر فرمایا ! یقیناً میری ماں تمہاری ماں کے ساتھ ہے۔

(یہ سن کر) ایک منافق نے کہا یہ شخص (العیاذ باللہ ثم العیاذ باللہ) جو اپنی والدہ کو فائدہ نہیں دے سکا کیا جس طرح ملیکہ کے بیٹے اپنی ماں کو فائدہ نہیں دے سکے؟

(یہ سن کر) ایک انصاری نوجوان نے کہا کاش کہ تیرے والدین!

نبی مکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا ان کے بارے میں جو میں نے اپنے پروردگار سے سوال کیا وہ مجھے ضرور عطا کرے گا اور میں تو اس دن مقام محمود پر فائز ہوں گا۔

اس حدیث کو حاکم نے ''مستدرک'' میں روایت کیا ہے اور فرمایا ہے، یہ حدیث صحیح ہے۔

اس حدیث میں کئی فوائد ہیں۔

۱۔''ان امی مع امکما'' کا فرمان ان کے لئے اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں سوال کرنے سے پہلے ہے پس یہ حدیث دونوں کے زندہ ہونے اور ایمان لانے والی حدیث کے منافی نہیں ہے۔

۲۔نبی اکرم ﷺ نے اس امر کو جائز رکھا کہ جب ان کے حق میں اپنے پروردگار سے عرض کریں گے تو وہ عطا فرمائے گا یہ امر اس کے امکان پر دال ہے۔

۳۔صحابہ کرام نے بھی اس امر کو آپ ﷺ کے لئے جائز رکھا اور صحابہ کرام کا اعتقاد تھا کہ نبی اکرم ﷺ کے خصائص اس امر کے مقتضی ہیں۔

ابن سعد نے ''الطبقات'' میں کہا۔ ہم سے عفان بن مسلم نے، انہوں نے حماد بن سلمه سے انہوں نے ثابت سے انہوں نے اسحاق بن عبد اللہ بن الحارث سے روایت کیا ہے۔

حضرت عباس رضی اللہ تعالی عنه نے عرض کی یا رسول اللہ ﷺ ! آپ ابو طالب کے بارے کیسی امید رکھتے ہیں؟

فرمایا میں اپنے پروردگار سے سراسر بھلائی کی امید رکھتا ہوں۔

جب نبی اکرم ﷺ ابو طالب کے بارے پرامید ہیں، حالانکہ انہوں نے زمانہ بعثت پایا، نبی اکرم ﷺ نے ان پر اسلام پیش کیا اور انہوں نے انکار کر دیا۔ تو آپ ﷺ کے والدین کریمین تو اس امید کے زیادہ حقدار ہیں۔

سھیلی نے اپنی کتاب ''الروض الانف'' میں کہا ہے۔

ایک حدیث غریب روایت کی گئی ہے۔ ممکن ہے یہ صحیح ہو، میں نے اسے اپنے دادا ابو عمر احمد بن ابی الحسن القاضی کے قلمی نسخہ میں پایا ہے، اس کی سند میں کئی مجہول ہیں۔ انہوں نے فرمایا کہ

انہوں نے اسے ایسی کتاب سے نقل کیا جو معوذ بن داود ابن معوذ کی کتاب سے نقل کی گئی تھی۔ انہوں نے اسے ابو زناد سے، انہوں نے ھشام سے، انہوں نے عروہ سے، انہوں نے سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالی عنھا سے روایت کیا ہے۔

رسول معظم ﷺ نے اپنے پروردگار سے اپنے والدین کریمین کو زندہ کرنے کا سوال کیا، تو خداوند قدوس نے دونوں کو زندہ کیا دونوں نبی کریم ﷺ پر ایمان لائے...... پھر خداوند قدوس نے ان پر موت طاری کردی۔ اللہ تعالی ہر چیز پر قادر ہے اسکی رحمت اور قدرت کسی شئی پر عاجز نہیں ہے اور نبی معظم ﷺ اس امر کے حقدار ہیں کہ اللہ تعالیٰ جس فضل سے چاہے ان کو مختص کرے اور جس کرم کو پسند کرے اس سے نواز دے۔ آپ کا کلام ختم ہوا۔

قرطبی نے کہا۔

حافظ ابو الخطاب عمر بن دحیہ نے ذکر کیا کہ آپ ﷺ کے والدین کے ایمان لانے والی حدیث موضوع ہے۔ قرآن کریم اور اجماع اس کا رد کرتا ہے۔

قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے۔

﴿وَلَا الَّذِيْنَ يَمُوْتُوْنَ وَهُمْ كُفَّارٌ﴾

۱۸۔ النساء۔ ٤

ترجمہ:

اور نہ ان کی جو کافر مریں۔

﴿فَیَمُتْ وَهُوَ كَافِرٌ﴾

٢١٧-البقرہ-٢

ترجمہ:

پس وہ کافر مرے۔

(ان آیات کریمہ سے معلوم ہوا) کہ جو شخص حالت کفر میں مر گیا اسے رجعت کے بعد ایمان فائدہ نہیں دے گا بلکہ عند المعاینہ بھی اگر ایمان لے آئے تو نفع بخش نہ ہوگا تو اعادہ کے بعد کس طرح فائدہ مند ہو سکتا ہے۔

اور تفسیر میں ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس خواہش کا اظہار کیا، کاش میں جانتا کہ میرے والدین کے ساتھ کیا ہوا؟ تو یہ آیت کریمہ نازل ہوئی۔

﴿وَلَا تُسْئَلُ عَنْ اَصْحٰبِ الْجَحِیْمِ﴾

١١٩-البقرة-٢

ترجمہ:

اور آپ سے دوزخی لوگوں کے بارے سوال نہ ہوگا۔

امام قرطبی نے ارشاد فرمایا۔ ابن دحیہ کے اس قول میں نظر ہے۔ وہ اس طرح کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے فضائل اور خصائص وقت وصال تک ہر گھڑی اور ہر لحہ بڑھتے رہے۔ یہ دوبارہ زندہ کرنا اللہ کا فضل و کرم ہوگا۔

والدین کریمین کا دوبارہ زندہ ہونا اور ایمان لانا شرعاً ممتنع ہے نہ عقلاً، کتاب حکیم میں بنی اسرائیل کے ایک شخص کا زندہ ہونا اور اپنے قاتل کی خبر دینا مذکور ہے۔ حضرت

عیسی علیہ السلام مردوں کو زندہ فرمایا کرتے تھے۔اسی طرح خداوند قدوس نے نبی مکرم ﷺ کے ہاتھوں فوت شدگان کی ایک جماعت کو زندہ فرمایا۔

جب یہ ثابت ہو گیا تو نبی اکرم ﷺ کے فضل وکرامت کی زیادت کی بنا پر والدین کریمین کے زندہ ہو کر ایمان لانے میں کونسا مانع ہے جب کہ اسی ضمن میں حدیث بھی موجود ہے تو کفر کی حالت میں مرنے والوں سے یہ مخصوص ہو گا۔

اور ابن دحیہ کا کلام اس روایت سے مردود ہے کہ

خداوند قدوس نے نبی اکرم ﷺ کے لئے غروب کے بعد سورج کو واپس لوٹا دیا حتی کہ حضرت علی رضی اللہ تعالی عنہ نے نماز ادا کی،اس کا طحاوی نے ذکر کیا اور فرمایا بے شک یہ حدیث ثابت ہے۔تو اگر سورج کا لوٹنا نفع بخش نہ ہوتا اور وقت متجدد نہ ہوتا تو اسے واپس نہ لوٹایا جاتا،سو اسی طرح نبی کونین ﷺ کے لئے ہوا ہو گا اور تحقیق اللہ تعالیٰ نے قوم یونس علیہ السلام کا ایمان اور توبہ ان کے عذاب میں تلبس کے باوجود قبول کر لیا۔جس طرح کہ ایک قول ہے اور یہ ہی ظاہر القرآن ہے۔

میں کہتا ہوں سورج کے لوٹنے پر تجدید وقت کا استدلال انتہائی دلکش ہے،اسی طرح نماز کے ادا ہونے کا حکم لگایا گیا ورنہ رجوع آفتاب کا فائدہ ہی نہیں ہے،کیونکہ نماز عصر تو سورج غروب ہونے سے قضاء ہو گئی تھی۔

میرا استدلال اس سے بھی واضح ہے......اور وہ یہ ہے کہ اصحاب کھف کے بارے وارد ہے کہ وہ آخری زمانہ میں مبعوث ہوں گے،حج کریں گے اور اس امت سے ہونے کا شرف حاصل کریں گے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالی عنہما سے مرفوعا مروی ہے،اصحاب

کہف حضرت امام مہدی علیہ السلام کے مددگار ہوں گے۔

ابن مردویہ نے اپنی تفسیر میں رویت کیا ہے۔

موت سے زندہ ہونے کے بعد اصحاب کہف کے عمل کا اعتبار ہوگا تو اس میں کوئی انوکھی بات نہیں ہے کہ خداوند قدوس نے نبی اکرم ﷺ کے والدین کی ایک عمر لکھی ہو پھر اس عمر کے پورا ہونے سے پہلے ہی ان کو واپس بلا لیا ہو اور اس عمر بقیہ کو پورا کرنے کے لئے دوبارہ زندہ کر دیا ہو انہوں نے ایمان قبول کیا ہو اور اس ایمان کا اعتبار کر لیا ہو۔

آپ کی دوسری بعثت کو اس مدت مدیدہ کے ساتھ مؤخر اس لئے رکھا ہو، تا کہ ان تمام امور پر ایمان لے آئیں جن کے ساتھ اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کو نوازا ہے۔ جس طرح کہ اصحاب کھف کی بعثت ثانیہ کی تاخیر اس لئے ہوگی کہ وہ اس امت میں داخل ہونے کے شرف کو کماحقہ حاصل کر سکیں۔

پھر ظاہر قرآن کی مخالفت کی بنا پر ابن دحیہ کی حدیث مذکور کی تعلیل طریقہ اہل حدیث پر نہیں ہے۔

حافظ ابو الفضل ابن طاہر مقدسی نے اپنی کتاب ''الایضاح'' میں حدیث اسراء کو امام بخاری سے روایت کیا ہے اس کی تعلیل ابن حزم نے ذکر کی ہے اور ابن حزم کا اس کو اسراء کے باب میں وارد ہونے والی صحیح احادیث کی مخالفت کی بنا پر موضوع کہنا بیان کیا ہے۔

پھر مقدسی نے اس کا تعاقب کیا اور فرمایا اگر چہ ابن حزم کئی علوم میں امام ہے مگر تعلیل حدیث میں اس نے طریق حفاظ کو اختیار نہیں کیا، وہ اس طرح کہ حفاظ اسناد کی جہت سے حدیث کی تعلیل بیان کرتے ہیں یہ اسناد اس کی طرف سیڑھی کی حیثیت رکھتی ہے اور اس

شخص نے تعلیل لفظ کی جہت سے کی ہے۔(انتھی)

رہی یہ حدیث ''اے کاش کہ میں جانتا کہ میرے والدین کے ساتھ کیا ہوا؟

تو یہ معضل اور ضعیف ہے، حجت نہیں ہو سکتی۔

حافظ فتح الدین ابن سید الناس نے اپنی سیرت میں ابن اسحاق کی روایت کہ ''ابو طالب نے وقت وصال اسلام قبول کر لیا تھا'' بیان کی۔اس کے بعد کہا:اس کے الفاظ یہ ہیں۔

روایت کیا گیا ہے کہ عبداللہ بن عبدالمطلب اور آمنہ بنت وہب، نبی مکرم ﷺ کے والدین کریمین، بھی اسلام لے آئے تھے۔خداوند قدوس نے ان کو زندہ فرمایا اور یہ ایمان لے آئے۔

اسی طرح کی روایت آپ کے دادا جان عبد المطلب کے بارے بیان کی،فرمایا کہ یہ اس روایت کے مخالف ہے جس کو احمد نے ابو رزین عقیلی سے بیان کیا ہے۔

میں نے کہا یا رسول اللہ ﷺ میری ماں کہاں ہے۔

فرمایا: تیری ماں جہنم میں ہے۔

عرض کی: آپ کے اہل جو چلے گئے وہ کہاں ہیں؟

فرمایا: کیا تو اس امر پر راضی نہیں ہے کہ تیری ماں میری ماں کے ساتھ ہو؟

بعض اہل علم نے ان روایات میں تطبیق کی ہے،اس کا حاصل یہ ہے۔کہ نبی مکرم ﷺ وقت وصال تک مقامات سنیہ اور درجات علیہ کی طرف مائل بہ پرواز رہے ہیں ......خداوند قدوس اپنی بارگاہ تک آنے تک مسلسل اپنے خصوصی فضل و کرم سے نوازتا رہا ہے پس ممکن ہے یہ درجہ بعد میں حاصل ہوا ہو۔احیاء اور ایمان کی احادیث متاخر ہوں۔اس لئے

تعارض نہیں ہے۔

میں کہتا ہوں یہ سارے کا سارا اس حدیث پر میں نے کلام کیا، میں اس وقت کسی اور کلام سے واقف نہیں تھا پھر میں نے امام الحفاظ ابو الفضل ابن حجر کی تالیف "لسان المیزان" کو دیکھا تو میں نے دیکھا کہ آپ نے عبد الوھاب کے حالات میں بلفظہ یہی کلام کیا۔

پھر اس کے بعد ارشاد فرمایا۔

امام ذھبی نے اس جگہ محض ظن سے کلام کیا اور اس حدیث کے متھم سے سکوت کیا،

دار قطنی نے "غرائب المالک" میں ارشاد فرمایا۔

روایت کی گئی ہے مالک سے انہوں نے ابو زناد سے، انہوں نے ھشام بن عروہ سے، انہوں نے اپنے والد گرامی سے، انہوں نے سیدہ عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے دو منکر باطل حدیثیں۔ پھر ایک یہ حدیث علی بن احمد الکعبی عن ابن غزیہ کے طریق سے ذکر کی، پھر کہا:

یہ مالک پر کذب باندھا گیا ہے اور اس کا سہرا ابو غزیہ کے سر ہے۔ متھم یا تو یہ خود ہے یا وہ جس سے اس نے روایت کی ہے اور عبد الوھاب بن موسی میں کوئی برائی نہیں ہے۔

پھر حافظ ابن حجر نے کہا، اور ابن جوزی نے "موضوعات" میں عمران بن ربیع الزاھد سے روایت کی۔

روایت کیا ہم نے علی بن ایوب الکعبی سے، انہوں نے محمد بن یحی ابو غزیہ الزھری سے، انہوں نے عبد الوھاب بن موسی سے، پھر طویل حدیث ذکر کی۔

پھر دوسرے طریق سے روایت کی اس میں محمد بن حسن نقاش مفسر ہے۔ کہا

ہم سے بیان کیا احمد بن یحی نے، انہوں نے محمد بن یحی سے، انہوں نے عبد الوھاب سے۔

اس کے بعد ابن الجوزی نے کہا، نقاش ثقہ نہیں ہے۔ اور احمد بن یحی اور محمد بن یحی دونوں مجہول ہیں۔

حافظ ابن حجر نے اس پر تبصرہ فرمایا۔

اس کا قول ''علی بن ایوب الکعبی'' اس پر ابن عساکر نے موافقت کی ہے کہ اس پوری حدیث کی روایت کی ہے جس طرح کہ عمر بن ربیع کے ترجمہ میں آئے گا دار قطنی نے اس کے باپ کا نام احمد ذکر کیا ہے۔

رہے محمد بن یحی تو یہ مجہول نہیں بلکہ معروف ہے، سعید بن یونس کی تاریخ مصر میں ان کا بڑا عمدہ ترجمہ ہے۔

دار قطنی نے اس پر وضع کا الزام لگایا ہے اور وہ ابو غزیہ محمد بن یحی الزھری ہے۔ عنقریب اپنی جگہ پر اس کا ذکر آئے گا۔

رہے احمد بن یحی تو ''مسند نقاش'' میں ایسی کوئی چیز نہیں ہے جس سے ان کی تمیز ہو سکے۔

ان کے طبقہ میں ایک جماعت ہے ان میں سے ہر ایک احمد بن یحی ہے مگر اس سند سے زیادہ اقرب احمد بن یحی بن زکریا ہے اور یہ مصری ہے، اور علی الکعبی بھی مصری ہے جس طرح کے دار قطنی نے کہا ہے۔

خطیب نے عبد الوهاب بن موسی صاحب الترجمہ کو رواۃ مالک سے قرار دیا ہے اور اس کی کنیت ابو العباس بیان کی ہے، اس نے حضرت عمر رضی اللہ تعالی عنہ کے کعب الاحبار کے ساتھ پیش آنے والے قصہ کا موقوف اثر سعید بن ابی مریم کے طریق سے عن مالک عن عبداللہ بن دینار سے روایت کیا ہے۔ اور کہا کہ یہ اس میں متفرد ہے اور اس میں جرح ذکر نہ کی۔

دار قطنی نے "غرائب" میں اسی ترجمہ سے اس کو وارد کیا ہے، اور کہا ہے، یہ روایت مالک سے صحیح ہے۔

ابن جوزی نے اپنے شیخ محمد بن ناصر سے نقل کیا کہ یہ حدیث موضوع ہے، کیونکہ نبی اکرم ﷺ کی والدہ ماجدہ کی قبر انور تو ابواء میں ہے جس طرح کہ صحیح میں ثابت ہے، اور اس ابو غزیہ نے گمان کیا کہ حجون میں ہے۔

سو ابن الجوزی نے اس روایت پر وضع کا حکم لگانے اور حدیث بریدۃ الجوزقانی کے معارض قرار دینے میں سبقت کی جو "کتاب الاباطیل" میں ہے۔

عنقریب عمر بن ربیع کا ترجمہ حدیث ابو غزیہ میں عبد الوهاب بن موسی پر کلام مزید کے ساتھ آئے گا۔

یہ سارا کلام عبد الوهاب کے ترجمہ میں "لسان المیزان" کا ہے اور ابن جوزی کا قول احمد بن یحی میں کہ "مسند نقاش" سے ایسا کوئی امر ظاہر نہیں جو اس کو متمیز کرے۔

اس پر کہا جائے گا۔ تحقیق اس سند سے ایسا امر ظاہر ہے جس کو ابن شاهین نے "الناسخ والمنسوخ" میں بیان کیا ہے جس سے یہ متمیز ہو سکے کہ ابن شاهین نے اس

کا نسب حضرمی قرار دیا ہے۔

''لسان المیزان'' میں ابو غزیہ کے ترجمہ میں ہے۔

یہ ابو غزیہ الصغیر زھری ہے۔ یہ مصر میں تھا وہاں کی ایک جماعت نے اس سے روایت کی ہے۔ ابو سعید بن یونس نے غرباء میں اس کا ذکر کیا ہے اور اس کا نسب بیان کیا ہے اور کہا ہے۔

محمد بن یحی بن محمد بن عبد العزیز بن عمر بن عبد الرحمن بن عوف، ابو عبد اللّٰہ. اس کا لقب ابو غزیہ ہے۔ مدنی تھا، مصر آیا، اسکی دو کنیتیں ہیں۔

پھر ان کا ذکر کیا جنہوں نے اس سے روایت کی ہے۔

وہ اسحاق بن ابراھیم کناسی .زکریا بن یحی ثفری ،سھل بن سوادہ الغافقی ،محمد بن فیروز، محمد بن عبداللّٰہ بن حکیم۔

مزید فرمایا، یہ ۲۵۸ ہجری عاشورہ کے دن فوت ہوئے۔

دار قطنی نے ''غرائب مالک'' میں کہا

بیان کیا ہم سے ابو بکر النقاش المصری نے، اس نے محمد بن عبداللّٰہ بن حکیم سے مصر میں، اس نے ابو غزیہ محمد بن یحی الزھری سے، اس نے عبد الوھاب بن موسی سے، اس نے مالک سے، اس نے ابن شھاب سے، اس نے سعید بن مسیب سے، اس نے عبد اللّٰہ ابن عمر رضی اللّٰہ تعالی عنہ سے۔

جب حضرت علی رضی اللّٰہ تعالی عنہ والی بنے، پھر وہ قصہ ذکر کیا جس میں ہے کہ ابو بکر چار امور میں مجھ سے سبقت لے گئے۔

دار قطنی نے کہا۔

یہ نہ زھری سے ثابت ہے نہ مالک سے۔ یہ ابو غزیہ صغیر ہے جو منکر الحدیث ہے۔ اس کے بعد علی بن احمد کے طریق سے وارد کیا اور کہا، وہ ثقہ تھا۔

روایت کیا ہم سے ابو غزیہ محمد بن یحی نے، ان سے ابو العباس عبد الوھاب بن موسی نے اسی سند کے ساتھ ابن عمر رضی اللہ تعالی عنھما تک اس کا رفع کیا۔

''قسم یا تو۔۔۔۔ نادم کرنے والی ہے یا گنہگار''

پھر کہا، یہ نہ تو مالک سے صحیح ہے نہ زھری سے، حمل اس میں ابو غزیہ پر ہے۔

رہے ابو غزیہ الکبیر محمد بن موسی انصاری مدنی قاضی، یہ مالک اور فلیح ابن سلیمان سے روایت کرتے ہیں، اوران سے ابراھیم بن منذر، زبیر بن بکار، عمر بن محمد بن فلیح اور ایک طائفہ روایت کرتا ہے۔

بخاری، ابن حبان، ابو حاتم، عقیلی اور ابن عدی نے ان کو ضعیف قرار دیا ہے، حاکم نے ثقہ قرار دیا ہے۔ ان کا وصال ۲۰۷ھ ہجری میں ہوا۔

اور علی بن احمد الکعبی کے ترجمہ میں کہا، وہ مصری متھم ہے۔

اس نے عن ابی غزیہ عن عبد الوھاب بن موسی عن مالک عن ابی الزناد عن ھشام ابن عروۃ عن ابیہ عن عائشۃ رضی اللہ تعالی عنھما.

دو حدیثیں روایت کی ہیں۔

ا۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے جب حج کیا تو (دوران سفر) اپنی والدہ ماجدہ حضرت آمنہ (رضی اللہ تعالی عنھا) کی قبر انور سے گزرے۔ اللہ تعالیٰ سے سوال کیا تو اللہ تعالیٰ نے

ان کو دوبارہ زندہ فرمایا وہ آپ ﷺ پر ایمان لائیں پھر آپ نے ان کو ان کی قبر میں لوٹا دیا۔

۲۔ (اسی اسناد سے) نبی اکرم ﷺ بیت اللہ شریف کے لئے برہنہ، پتھر منتقل کر رہے تھے جبرائیل و میکائیل آئے ان کی پردہ پوشی کی اور خداوند قدوس کی نبی اکرم ﷺ پر شفقت کی وجہ سے ان کے لئے پتھر ڈھونے لگے۔

دار قطنی نے کہا دونوں اسناد اور متن باطل ہیں ابو زناد کی عن ھشام عن ابیہ عن عائشة کوئی چیز بھی صحیح نہیں ہے، یہ مالک پر کذب ہے محمول فیہ اس میں ابو غزیہ ہے وضع سے متہم یا یہ خود ہے یا اس کا مروی عنہ ہے۔

عبد الوھاب بن موسی میں کوئی ''بأس'' نہیں ہے۔

آپ نے علی بن ایوب بن الکعبی کے ترجمہ میں 'میزان' کا قول 'لا یکاد یعرف' نقل کر کے کہا۔ میں کہتا ہوں، دار قطنی نے اسے معروف کہا ہے، اس کا نام علی بن احمد بتایا ہے۔

اور عمر ابن ربیع بن سلیمان ابی طالب الخشاب کے ترجمہ میں ذھبی کے قول کے بعد کہا، اس کا ذکر فرات نے اپنی تاریخ میں کیا ہے، وہ کذاب ہے۔

اس کی عبارت یہ ہے۔ اور دار قطنی نے غرائب مالک میں اسے ضعیف قرار دیا ہے۔

مسلم بن قاسم نے کہا، اس میں ایک قوم نے کلام کیا ہے اور دوسروں نے ثقہ قرار دیا ہے۔ یہ کثیر الحدیث تھا۔ ان کا ۳۴۰ھ میں مصر میں وصال ہوا۔

ابن عساکر نے ''غرائب مالک'' میں حسین بن علی ابن محمد بن اسحاق الحلبی کے طریق سے

ثنا ابو طالب عمر بن الربیع الخشاب. ثنا علی بن ایوب الکعبی من ولد کعب بن مالک رضی اللہ تعالی عنه . ثنی محمد بن یحی الزهری ابو غزیه .ثنی عبد الوهاب بن موسی. ثنی مالک عن ابی الزناد عن هشام بن عروۃ عن عائشة رضی اللہ تعالی عنها . وارد کیا ہے۔

حجۃ الوداع میں ہم نبی اکرم ﷺ کے ساتھ تھے۔ پھر گزری ہوئی طریقِ خطیب والی حدیث ذکر کی۔

ابن عساکر نے کہا،

یہ حدیث۔ حدیث عبد الوهاب بن موسی الزهری مدنی عن مالک سے منکر ہے کعبی مجہول ہے۔ حلبی صاحب ''غرائب'' ہے ۔
هشام نے عائشة رضی اللہ تعالی عنها کو نہیں پایا، شاید لکھنے میں ''عن ابیه'' رہ گیا ہے۔ انتھی

حافظ ابن حجر نے کہا۔

اور وہ عمر بن ربیع اور علی بن محمد بن یحی پر آ گاہ نہیں ہوا، اور دونوں اولیٰ ہیں کہ اس حدیث کو کعبی اور اس کے غیر سے ملائیں اور یہ عبد الوهاب بن موسی میں گزر چکا ہے اور اس میں ''عن ابیه'' ہے جو اس نے گمان کیا کہ وہ ساقط ہے۔ انتھی
یہ سارا کلام اس حدیث اور اس کے رجال سے متعلق ''لسان المیزان میں ابن حجر کا ہے۔

میں نے اس کی تلخیص کی ہے اور اس امر کی کہ یہ حدیث قطعاً غیر موضوع ہے، جس طرح کے پہلے ذکر ہو چکا ۔

اس کی وضاحت یہ ہے کہ اس روایت میں ایسا کوئی نہیں ہے جس کی جرح پر اجماع ہے۔ حدیث کا مدار ابو غزیه عن عبد الوهاب پر ہے اور دار قطنی نے اس کو دو جگہ ثقہ قرار دیا ہے ایک جگہ کہا "ثقہ ہے" دوسر جگہ کہا "لیس به باس" حافظ ابن حجر نے اسے ثابت رکھا ہے اس میں کسی سے بھی جرح نقل نہیں کی اور ان کے اوپر مالک اور ان سے اوپر تو ان کی جلالت کی وجہ سے ان کے بارے سوال نہیں کیا جاتا هشام اور سیدہ عائشه رضی اللّٰہ تعالٰی عنها کے درمیان ساقط عروۃ ہیں اور دوسرے طریق میں وہ ثابت ہیں۔

ابو غزیه کے بارے دار قطنی نے کہا، وہ منکر الحدیث ہے۔

ابن جوزی نے کہا، وہ مجہول ہے۔

ابن یونس نے اس کا عمدہ ترجمہ تحریر کیا ہے، اسے جہالت کی حد سے نکالا ہے کعبی کے بارے اکثر کہا گیا ہے وہ مجہول ہے مگر اس نے معروف قرار دیا ہے۔

مسلمه نے عمر بن ربیع کی دوسرے علماء سے توثیق نقل کی ہے اور یہ کہ وہ کثیر الحدیث تھے۔

اور یہ طریق اس اعتبار سے ضعیف ہے، موضوع نہیں ہے۔

اور کیسے حالانکہ اس کے اجود متابع ہیں اور وہ ابو غزیه سے احمد بن یحی حضرمی کا طریق ہے۔ یہ طریق، طریق کعبی سے اجود ہے کیونکہ طریق کعبی کے رجال پر کلام کیا گیا ہے۔

حلبی عمر بن ربیع کعبی اور حضرمی میں صرف جہالت کی جہت سے کلام ہے کیونکہ اس میں احمد بن یحی پر اقتصار ہے اور اس کی نسبت لین کی طرف ہے۔ اور یہ الفاظ تعدیل ہیں ایسے شخص کے اگر توابع ہوں تو اس کی حدیث پر حسن کا حکم لگایا

جاتا ہے، اگر یہ متفرد نہ ہو تو ضرور حسن کا حکم ہو۔

اور حدیث جب افراد ابی غزیہ سے ہے اور اسی پر اس کا مدار ہے اور ابن عساکر نے اس حدیث پر منکر کا حکم لگایا ہے، یہ میرے موقف کے لئے حجت ہے کہ یہ حدیث ضعیف ہے موضوع نہیں ہے کیونکہ منکر ضعیف کی قسم ہے اور اس کے اور موضوع کے درمیان فرق ہے۔ جیسا کہ فن حدیث میں معروف ہے۔

میرا اقوی معتمد علیہ اس حدیث کے ضمن میں ابن عساکر کا قول ہے، کیونکہ ابو غزیہ کی روایت میں اکثر یہی کہا گیا ہے کہ وہ منکر الحدیث ہے۔ تو وہ حدیث جس میں ابو غزیہ متفرد ہو منکر ہو گی منکر کا ضابطہ یہ ہے کہ روایت ثقات کی بنا پر ضعیف راوی اس میں منفرد ہوتا ہے اور یہ حدیث اس طرح ہے، اگر اس کو حدیث کی زیادت اور اس کی مثل دوسری حدیثوں کو مخالف تسلیم کر لیا جائے۔ اگر مخالفت میں تطبیق ہو جائے تو پھر صرف ضعیف رہے گی اور اس کا مرتبہ منکر سے فوق ہے۔ اور اس کا حال اس سے بہتر ہے اور منکر سے کم مرتبہ اور کم حال تو متروک کا ہے، اور متروک بھی قسم ضعیف ہے موضوع ہرگز نہیں ہے۔

فصل:

حدیث زیاد جس پر امام ذہبی نے صحت کا حکم لگایا ہے اسے آئمہ ستہ میں سے کسی ایک نے بھی روایت نہیں کیا۔

اسے امام حاکم نے حدیث ابن مسعود رضی اللہ تعالی عنہ سے روایت کیا ہے۔
امام احمد نے حدیث بریدہ رضی اللہ تعالی عنہ سے روایت کیا ہے۔
طبرانی نے حدیث ابن عباس رضی اللہ تعالی عنہما سے روایت کیا ہے۔

حافظ ابن حجر نے شرح بخاری میں اس طرف اشارہ کیا ہے کہ اس حدیث

پر صحت کا حکم لگایا ہے یہ اس کے صحیح لذاتہ ہونے کی وجہ سے نہیں بلکہ اس طریق سے وارد ہونے کی بنا پر۔

میں (جلال الدین سیوطی) نے اس حدیث کے سارے طرق میں تامل کیا، تو سب کو ہی معلول پایا۔ فللہ الحمد

حدیث ابن مسعود، اسے امام حاکم نے ایوب بن ھانی عن مسروق عن مسعود رضی اللہ تعالی عنہ سے روایت کیا ہے۔ فرمایا:

ایک دن نبی اکرم ﷺ باہر تشریف لائے، مقابر کو دیکھتے تھے، ہم بھی آپ کے ساتھ باہر نکلے ہم کو حکم دیا، ہم بیٹھ گئے۔ نبی کریم قبور میں سے گزرتے ہوئے ان میں ایک قبر کے پاس رک گئے۔ کافی دیر تک مناجات فرماتے رہے، پھر روتے ہوئے اٹھ کھڑے ہوئے۔ ہم بھی آپ کے رونے سے رو پڑے پھر آپ ہماری طرف تشریف لائے۔

حضرت عمر رضی اللہ تعالی عنہ سے سامنا ہوا۔ آپ نے عرض کی۔

یارسول اللہ صلی اللہ تعالی علیک وعلی آلک وسلم کس چیز نے آپ کو رلا دیا؟ آپ نے ہمیں بھی رلا دیا اور غمزدہ کر دیا۔

نبی مکرم ﷺ بیٹھ گئے اور پوچھا۔ کیا میرے رونے نے تمہیں غمزدہ کر دیا ہے؟

ہم نے عرض کی: جی ہاں

نبی مکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا! جس قبر کے پاس تم نے مناجات کرتے دیکھا تھا، وہ آمنہ بنت وھب کی قبر تھی۔ میں نے اپنے پروردگار سے ان کی قبر کی زیارت کی اجازت مانگی تو خداوند قدوس نے مجھے اجازت مرحمت فرمائی، پھر میں نے ان کے لئے استغفار کی اجازت مانگی، تو مجھے اس کی اجازت نہ دی گئی اور مجھ پر نازل ہوا۔

﴿مَا كَانَ لِلنَّبِيِّ وَالَّذِينَ آمَنُوا أَن يَسْتَغْفِرُوا لِلْمُشْرِكِينَ﴾

۱۱۳۔ التوبہ۔۹

ترجمہ:

درست نہیں ہے نبی کے لئے اور نہ ایمان والوں کے لئے کہ مغفرت طلب کریں مشرکوں کے لئے۔

تو مجھے وہ صدمہ پہنچا، جو ایک بیٹے کو اپنی ماں کے لئے پہنچتا ہے، اس امر نے مجھے رلادیا۔

امام حاکم نے کہا: یہ حدیث صحیح ہے۔

امام ذھبی نے مختصر المستدرک میں اس کا تعاقب کیا ہے اور کہا ہے۔

ایوب بن ھانی کو ابن معین نے ضعیف قرار دیا ہے۔ انتھی

یہ علت ہے جو اس کی صحت میں قدح ہے۔

ذھبی سے اس بات کا تعجب ہے کہ ان نے حاکم کی تصحیح پر اعتماد کرتے ہوئے میزان میں اس حدیث کو صحیح قرار دیا ہے پھر ''مختصر المستدرک''میں اس کی مخالفت کی ہے۔

مزید برآں اس حدیث میں ایک دوسری علت بھی ہے اور وہ صحیح بخاری اور اس کے علاوہ دوسری کتب میں وارد ہونے والے اس امر کی مخالفت کی ہے کہ یہ آیت کریمہ ابو طالب کی وفات میں وارد ہوئی اور ان کے لئے نبی کریم ﷺ کا استغفار نہیں تھا

اس امر میں ترمذی اور دوسری کتب میں بھی وارد ہوا ہے کہ سیدہ آمنہ رضی اللہ تعالی عنھا کے قصہ کے علاوہ کسی اور سبب میں یہ آیت نازل ہوئی۔

اگر ذھبی حدیث احیاء کو اس حدیث کی مخالفت کی بنا پر رد کیا ہے۔ تو اسی حدیث میں بخاری اور دوسری کتب میں وارد ہونے والی ایسی حدیث کی مخالفت کی ہے جس کا صحیح ہونا مقطوع ہے۔

اور حدیث ابن عباس رضی اللہ تعالی عنھما، اس کو طبرانی نے روایت کیا ہے۔

اس کے الفاظ اس طرح ہیں۔

نبی کریم ﷺ جب غزوہ تبوک سے واپس تشریف لائے۔ گھاٹی عسفان کے پاس اترے تو اپنی والدہ ماجدہ کی قبر کے پاس تشریف لے گئے۔

پھر اسی حدیث میں ابن مسعود کے الفاظ ذکر کیے۔

اس حدیث کی دو علتیں ہیں۔

ا۔ حدیث صحیح کی مخالفت جس طرح کہ ابھی گزرا ہے۔

۲۔ اس کی اسناد ضعیف ہیں۔

اور حدیث بریدہ، اس کو ابن سعد اور ابن شاھین نے روایت کیا ہے۔ اس کے الفاظ اس طرح ہیں۔

جب نبی اکرم ﷺ نے مکہ فتح کیا تو اپنی والدہ صاحبہ کی قبر پر تشریف لے گئے اور وہاں بیٹھ گئے۔

پھر اس کی مثل ذکر کی۔

ابن شاھین نے ایک دوسرے طریق سے ان الفاظ سے ذکر کیا ہے۔

جب نبی مکرم ﷺ مکہ تشریف لائے تو اپنی والدہ کی قبر کے پاس گئے۔

جریر سے ایک دوسرا طریق بھی ہے۔

جب نبی مکرم ﷺ مکہ تشریف لائے تو اپنی والدہ کی قبر پر ٹھہر گئے یہاں تک کہ دھوپ تیز ہوگئی، اس امید سے کہ اجازت ملے اور استغفار کریں، تو وہ آیت کریمہ نازل ہوئی اس روایت میں ایک تو وہ مذکورہ صحیح حدیث کی مخالفت کی علت ہے۔

دوسری علت ابن سعد نے ''طبقات'' میں اس کی تخریج کے بعد کہا، یہ غلط ہے آپ کی قبر مکہ میں نہیں ہے بلکہ ابواء میں ہے۔ انتھی

پس ظاہر ہوگیا کہ اس حدیث کے تمام طرق معلولہ ہیں۔

نزول آیت کا قصہ جس میں استغفار سے روکا گیا ہے اس میں اور حدیث صحیح میں جمع ممکن ہے کہ یہ قصہ ابو طالب میں نازل ہوئی۔

اس حدیث کا صحیح ترین طریق وہ ہے جس کی تخریج حاکم نے کی ہے اور شرط شیخین پر صحیح قرار دیا ہے، یہ حضرت بریدہ رضی اللہ تعالی عنہ سے روایت ہے۔

نبی مکرم ﷺ نے اپنی والدہ کی قبر انور کی زیارت کی، اس دن سے زیادہ روتے ہوئے آپ کو نہیں دیکھا گیا۔

اس قدر حدیث میں کوئی علت نہیں ہے اس میں احادیث کی مطلق مخالفت نہیں ہے اور نہ ہی استغفار سے نہی کا ذکر ہے۔ اور کبھی بکاء فقط اس رقت کی بنا پر ہوتا ہے جو فوت شدگان کی زیارت سے لاحق ہوتی ہے، بغیر تعذیب یا کسی اور اس طرح کے سبب سے۔

اور یہ وہ امر ہے جو اللہ تعالیٰ نے مجھ پر اس جگہ اس تحریر میں منکشف کیا ہے۔

فصل:

حدیث احیاء پر ساری بحث کا خلاصہ یہ ہے کہ

دار قطنی .جوزقانی. ابن ناصر .ابن الجوزی اور ابن دحیہ نے موضوع قرار دیا ہے ابن شاہین ،خطیب، ابن عساکر ، سہیلی، قرطبی، محب طبری اور ابن سید الناس نے ضعیف قرار دیا ہے۔

ابن شاہین کے کلام سے اخذ کرنے کی وجہ یہ ہے کہ اس نے اس حدیث کو حدیث ناسخ کی حیثیت سے وارد کیا ہے اگر یہ حدیث ان کے ہاں موضوع ہوتی، تو نسخ پر اس سے احتجاج صحیح نہ تھا۔

ہم نے اس پر اصول کی جہت سے نظر کی تو ہم اس نتیجہ پر پہنچے کہ فرقہ اولیٰ نے جو اس کی علتیں بیان کی ہیں وہ سب کی سب غیر مؤثرہ ہیں۔اسی لئے ہم نے فرقہ ثانیہ کے قول کو ترجیح دی ہے۔وللہ الحمد

اس حدیث کے ضعیف اور غیر موضوع ہونے پر حافظ شمس الدین بن ناصر الدین محدث دمشق جو متاخرین میں سے ہیں، نے میرے کلام کی موافقت کی۔

آپ نے طریق خطیب سے اس حدیث کو اپنی کتاب ''مورد الصادی فی مولد الہادی'' میں وارد کیا ہے اس کے بعد چند شعر وارد کئے ہیں۔

۱۔ نبی اکرم ﷺ کو اللہ تعالیٰ نے فضل در فضل سے نوازا، وہ آپ ﷺ پر بہت ہی مہربان ہے۔

۲۔آپ ﷺ پر ایمان لانے کی غرض سے آپ کے والدین کریمین کو زندہ فرمایا۔یہ فضل لطیف ہے۔

۳۔اس امر کو تسلیم کرلے، کیونکہ قدیم اس پر قادر ہے، اگر چہ اس میں وارد ہونے والی حدیث ضعیف ہے۔

فصل:

یہ وہ سبب ہے جو والدہ ماجدہ کے احیاء سے متعلق ہے، علاوہ ازیں مجھے ایک ایسا اثر ملا ہے جو اس امر پر دلالت کرتا ہے کہ آپ موحدہ تھیں اور اسی حالت پر ہی آپ کا وصال ہوا۔

ابو نعیم نے "دلائل النبوۃ" میں طریق زھری سے عن ام سلمہ بنت رھم عن امھا روایت کیا ہے۔ کہ میں سیدہ آمنہ رضی اللہ تعالی عنہا کی اس مرض میں ان کے پاس موجود تھیں جس میں ان کا انتقال ہوا ہے۔ نبی اکرم ﷺ کی عمر اس وقت صرف پانچ سال تھی اور آپ ﷺ اپنی والدہ کے سرہانے تشریف فرما تھے۔ سیدہ آمنہ رضی اللہ تعالی عنہا نے اپنے لخت جگر کے چہرے کی طرف تکتے ہوئے مندرجہ ذیل شعر کہے۔

۱۔ اے فرزند! اللہ تعالیٰ تجھے سراپا برکت بنائے، اے سرداروں کے سردار کے فرزند۔

۲۔ جو بادشاہ حقیقی سراپا نعمت کی مدد سے محفوظ فرمائے، تیروں کی قرعہ اندازی سے ان کا فدیہ دیا گیا۔

۳۔ ایک سو تندرست اونٹ، اگر وہ امر صحیح ہے جو میں نے خواب میں دیکھا۔

۴۔ تو آپ خداوند بزرگ و برتر کی طرف سے ساری کائنات کی طرف مبعوث ہوو گے۔

۵۔ آپ حل و حرام کی طرف آئیں گے، تخفیف اور اسلام کی معیت میں آئیں گے۔

۶۔ آپ کے جد امجد ابراھیم علیہ الصلوۃ والسلام کا دین سراسر نیکی ہے۔

۷۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو اصنام سے روک دیا ہے کہ آپ دوسرے لوگوں کے ساتھ ان کی پیروی نہ کریں۔

پھر سیدہ آمنہ رضی اللہ تعالی عنہا نے ارشاد فرمایا۔

ہر زندہ کو موت ہے۔ ہر نئے کو بوسیدہ ہونا ہے۔ ہر بڑے کو فنا ہونا ہے۔ میں اس دنیا سے رخصت ہو رہی ہوں۔ مگر میری یاد باقی رہے گی۔ میں نے پیکر خیر کو اپنے پیچھے چھوڑا ہے اور پیکر طہارت کو جنم دیا ہے۔ ان کلمات کے بعد آپ کا وصال ہو گیا۔

ہم جنات کے نوحے ان کے وصال پر سنتے تھے ان سے کچھ ہم نے یاد کر لئے۔

ا۔ ہم سراسر، نیکی، امانتدار، صاحب جمال، عفت مآب اور عصمت شعار خاتون کے وصال پر روتے ہیں۔

۲۔ وہ حضرت عبد اللہ کی زوجہ اور رفیقہ حیات تھیں۔ اور صاحب وقار نبی ﷺ کی والدہ ماجدہ ہیں۔

۳۔ جو سرزمین مدینہ میں صاحب منبر ہوں گے، اب ان کو قبر کے حوالہ کیا جا رہا ہے۔

نبی اکرم ﷺ کی والدہ ماجدہ کا یہ کلام صراحۃً ان کے موحدہ ہونے پر دلالت کرتا ہے۔ آپ نے دین ابراہیم کا ذکر کیا۔ اپنے فرزند کا خداوند بزرگ و برتر کی طرف سے ساری کائنات کی طرف مبعوث ہونے کا ذکر کیا ہے۔ بت پرستی سے روکنے اور دوسرے لوگوں کے ساتھ ان کی پیروی نہ کرنے کا ذکر کیا۔

(تو بتایئے) کیا توحید اس کے علاوہ کوئی چیز ہے؟ اللہ اور اس کے معبود ہونے اور لاشریک ہونے کا اعتراف، بت پرستی سے براءت کا اظہار، اسی قدر کفر سے تنزیہ اور صفت توحید کے ثبوت کے لئے زمانہ جاہلیت میں بعثت سے پہلے کافی ہے۔ اس سے زائد مقدار کی شرط بعثت کے بعد ہے۔

علمائے کرام نے اس شخص کے بارے کہا جس نے اپنے بیٹوں کو حکم دیا کہ موت کے بعد اسے جلا دیں، راکھ کو پیس دیں، اور ہوا میں اڑا دیں، اور اس کے اس کلام کے بارے

میں ''کہ اگر اللہ تعالیٰ مجھ پر قادر ہوا تو ضرور مجھے عذاب دے گا۔

اس کلام سے اس کے ایمان کی نفی کا حکم نہیں لگایا جائے گا کیونکہ اسے قدرت میں شک نہ تھا بلکہ جاہل تھا۔ اس نے یہ گمان کیا کہ اگر ایسا کر دیا گیا تو اسے لوٹایا نہیں جائے گا اور زمانہ جاہلیت کے ہر شخص کے بارے یہ گمان نہیں کیا جائے گا کہ وہ کافر تھا، کیونکہ ایک جماعت دین حنیف پر تھی۔ انہوں نے اہل شرک کے طور واطوار چھوڑ رکھے تھے ۔اور دین حنیف یعنی توحید سے تمسک کر رکھا تھا، جیسے زید بن عمرو بن نفیل، قیس ابن ساعدہ اور ورقہ بن نوفل ۔حدیث طیبہ میں ان میں سے ہر ایک پر ایمان کا حکم لگایا ہے اور ان کے لئے جنت کی شہادت ہے۔تو نبی اکرم ﷺ کی والدہ بھی ان سے ہی ہوں گی کیوں نہیں، جبکہ اکثر کے تحنف کا سبب نبی اکرم ﷺ کے زمانہ بعثت کے قریب اہل کتاب اور کہان کی وہ اخبار تھیں کہ

حرم کے نبی کی بعثت کا زمانہ قریب آ گیا ہے۔ ان کی یہ صفات ہوں گی اور اس طرح کی خبریں والدہ ماجدہ نے دوسروں کی بہ نسبت زیادہ سن رکھیں تھیں۔

آپ نے حمل اور ولادت کے وقت ایسے دلائل باہرہ کا مشاہدہ کیا تھا، جن کے بعد تحنف ضروری تھا۔آپ نے ایک ایسا نور اپنے بدن سے نکلتا ہوا دیکھا تھا جس نے شام کے محلات تک کو روشن کر دیا تھا۔

سیدہ حلیمہ شق صدر کے واقعہ کے بعد سراسیمگی کی حالت میں آپ کے پاس آئیں تو سیدہ آمنہ رضی اللہ تعالی عنہا نے ان سے فرمایا! کیا آپ ان پر شیطان کے اثر کا خوف رکھتی ہیں ہرگز نہیں، خدا کی قسم شیطان کو ان کی طرف کوئی سبیل نہیں ہے۔ یہ تو ایک انوکھے نبی ہوں گے۔ اسی طرح کے کچھ اور کلمات کہے۔ اور اپنے وصال کے سال نبی

اکرم ﷺ کو مدینہ منورہ لے کر آئیں تو ان کے بارے یہودیوں کا کلام اور آپ کی نبوت کی گواہی کو سماعت فرمایا۔

ان سب امور میں اس امر پر دلالت ہے کہ آپ اپنی حیات شریفہ میں تحنف کی حامل تھیں۔

فصل:

اگر آپ یہ سوال کریں کہ آپ کو کیسے پتہ چلا کہ سیدہ آمنہ رضی اللہ تعالیٰ عنھا اپنی حیات مبارکہ میں موحدہ اور متحنفہ تھیں، جبکہ یہ حدیث ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے ان کے لئے استغفار کی اجازت چاہی تو نہ ملی اور دوسری حدیث میں "مع امکما" وارد ہوا۔ یہ دونوں حدیثیں آپ کے نظریہ کی مخالف ہیں، اور ہاں آپ نے ان دونوں کا جواب دیا کہ دونوں ہی حدیثیں احیاء سے متقدم فی التاریخ ہیں اور یہ حدیث متأخر ہے اس لئے ناسخ ہے تو آپ اس امر میں کیا جواب دیں گے؟ کیونکہ توحید پر موت تو سراسر تعذیب کی نفی کرتی ہے۔

میں عرض کروں گا کہ اس کا بہترین جواب یہ ہوگا کہ نبی اکرم ﷺ کا قول مبارک "میری ماں تمہاری ماں کے ساتھ ہے، اس وحی سے پہلے صادر ہوا ہوگا کہ سیدہ آمنہ رضی اللہ تعالیٰ عنھا جنتی ہیں جس طرح نبی اکرم ﷺ نے تبع کے بارے ارشاد فرمایا۔

میں نہیں جانتا تبع مومن تھا یا نہیں۔

حاکم اور ابن شاہین نے حدیث ابو ھریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کیا ہے۔

جب تبع کے بارے نبی اکرم ﷺ کی طرف وحی آ گئے تو فرمایا! تبع کو گالی نہ دو وہ مسلمان

تھا۔

ابن شاھین نے ''الناسخ والمنسوخ''میں بھی سھل بن سعد اور ابن عباس رضی اللہ تعالی عنھما سے روایت کیا ہے۔

گویا کہ تبع کے بارے پہلے نبی اکرم ﷺ کی طرف وحی نازل نہ کی گئی تھی یا اس کا وہ کلام آپ تک نہ پہنچا تھا جو اس نے موت کے وقت کیا تھا یا آپ سے یہ ذکر نہ کیا گیا ہو کہ وہ پچاس سال کا تھا۔

اس لئے نبی اکرم ﷺ نے مطلق قول رکھا کہ ملیکہ کے بیٹوں کی ماں کے ساتھ آپ ﷺ کی والدہ ماجدہ ہے۔ یہ قاعدہ جاہلیت کی بنا پر تھا مگر بعد میں ان کے بارے نبی اکرم ﷺ کی طرف وحی نازل کر دی گئی۔

اس امر کی دوسری حدیث میں تائید ہوتی ہے' جو میں نے ان کے لئے اپنے رب سے سوال کیا' یہ حدیث اس امر پر دلالت کرتی ہے کہ یہ کلام والدین کے بارے پروردگار عالم سے مراجعت کے بعد تھا۔

رہی وہ حدیث جس میں استغفار کی اجازت نہ ملنے کا ذکر ہے، اس سے کفر لازم نہیں آتا۔ اس کی دلیل یہ ہے کہ ابتداء میں نبی کریم ﷺ کو ایسے شخص کی نماز جنازہ پڑھنے کی اجازت نہ تھی جس پر قرض ہو اور اس نے اس قدر مال نہ چھوڑا ہو جس سے اس کا قرض چکا دیا جائے۔ ایسے شخص کے لئے استغفار کی بھی اجازت نہ تھی حالانکہ وہ مسلمان ہوتے۔

اس کی وجہ یہ ہے کہ آپ کا استغفار فوراً قبول ہوتا تھا جس کے لئے آپ ﷺ استغفار کرتے ، اور اپنی دعا کے بعد رحمت طلب کرتے وہ فوراً جنت میں اپنی منزل کریم تک پہنچ جاتا۔ جب کہ مدیون اس وقت تک اپنے مقام سے محبوس رکھا جاتا ہے جب تک اس کا

قرض ادا نہ ہو جائے۔

اسی طرح حدیث پاک میں ہے، ''نفس مومن اس وقت تک معلق رہتا ہے جب تک اس کا قرض ادا نہ کر دیا جائے'' سو ممکن ہے نبی اکرم ﷺ کی والدہ ماجدہ متحفہ ہونے کے باوصف کچھ دوسرے امور کی وجہ سے برزخ میں محبوس ہوں، جن کی وجہ سے استغفار کی اجازت نہ دی گئی ہو اور بعد میں اجازت مل گئی ہو۔

اور ممکن ہے کہ دونوں احادیث کا اس طرح جواب دیا جائے کہ والدہ ماجدہ متحفہ تھیں، مگر بعثت اور نشور کی شان تک نہ پہنچی تھیں اور یہ اصل کبیر ہے تو اللہ تعالیٰ نے ان کو زندہ فرمایا ہو، حتی کہ وہ بعثت اور جمیع شریعت پر ایمان لے آئیں ہوں، اسی وجہ سے ان کا احیاء حجۃ الوداع تک مؤخر ہو گیا ہو، یہاں تک کہ شریعت مکمل ہو گئی ہو اور یہ آیت کریمہ نازل ہوئی۔

﴿اَلْیَوْمَ اَکْمَلْتُ لَکُمْ دِیْنَکُمْ﴾

۳_المائدہ_۵

ترجمہ:

آج میں نے تمہارا دین تمہارے لئے مکمل کر دیا۔

پس آپ کو زندہ کیا گیا، حتی کہ آپ تمام شریعت پر ایمان لے آئیں۔

اور یہ ایک عمدہ اور نفیس مفہوم ہے۔

فصل:

میں نے تحقیق کی تو تمام انبیاء علیہ السلام کی ماؤں کو مومنہ پایا، سو ضروری ہے کہ نبی اکرم ﷺ کی والدہ ماجدہ بھی مومنہ ہوں،

اس امر کی تفصیل اور اجمال ہے۔

تفصیل: حضرت عیسی ابن مریم علیہما السلام کی والدہ نص قرآن سے صدیقہ ہیں۔

علماء کا ایک گروہ تو اس طرف گیا ہے، کہ آپ نبیہ تھیں۔ کیونکہ سورۃ انبیاء میں انبیاء کے تذکرہ کے ساتھ آپ کا ذکر مقترن ہے۔

حضرت اسحق علیہ السلام کی والدہ سارہ کا ذکر قرآن حکیم میں ہے۔ ان کے بارے بھی نبوت کا قول کیا گیا ہے۔ کیونکہ ملائکہ نے ان سے خطاب کیا۔

حضرت موسی اور ھارون علیہما السلام کی والدہ بھی قرآن حکیم میں مذکورہ ہیں ان کی نبوت کا بھی قول کیا گیا ہے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے قرآن حکیم میں

﴿وَاَوْحَيْنَآ اِلٰى اُمِّ مُوْسٰى﴾

۷۔القصص۔۲۸

ترجمہ :

ہم نے موسیٰ کی والدہ کی طرف وحی کی۔ فرمایا:

حضرت شیث علیہ السلام کی والدہ ماجدہ تو حضرت حواء ام البشر ہیں۔ ان کی نبوت کا بھی قول کیا گیا ہے۔

حضرت اسمعیل کی والدہ ہاجرہ، حضرت یعقوب کی والدہ، ان کی اولاد کی والدہ، حضرت داود، سلیمان، زکریا، یحی، شمویل، شمعون اور ذوالکفل کی والدہ کے ایمان کے بارے احادیث اور آثار وارد ہیں۔

بعض مفسرین کرام نے حضرت نوح علیہ السلام کی والدہ ماجدہ کے ایمان پر بطور دلیل یہ نص قرآنی پیش کی ہے۔

﴿رَبِّ اغْفِرْ لِیْ وَلِوَالِدَیَّ﴾

۲۸۔نوح۔۷۱

ترجمہ :

اے میرے رب! مجھے اور میرے والدین کو بخش دے۔

امام کرمانی نے اس آیت کریمہ کے تحت حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کیا ہے۔

میں کہتا ہوں، درست بات پہلی ہے اور اثر مذکور کو ابن سعد نے حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالی عنہ سے روایت کیا ہے۔

حضرت نوح اور آدم علیہما السلام کے درمیان میں جملہ آبائے کرام اسلام پر تھے۔

ایک جماعت نے حضرت ابراھیم علیہ السلام کی والدہ ماجدہ کے ایمان پر نص بیان کی ہے اور اس کو ابن حیان نے ''البحر'' میں سورۃ ابراھیم کے بیان میں ترجیح دی ہے ان کا اسم گرامی نوماء تھا۔ اور یہ ارفخشد بن سام بن نوح علیہ السلام کی اولاد سے تھیں۔

ان دونوں کی حکایت ابن سعد نے ''الطبقات'' میں کی ہے۔

اجمال۔ اور اجمال اس امر میں اس طرح ہے۔

امام حاکم نے ''المستدرک'' میں حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالی عنھما سے روایت کی ہے۔ اور اسے صحیح قرار دیا ہے۔

اس کے علاوہ بھی انبیاء بنی اسرائیل سے تھے۔ وہ دس یہ ہیں، حضرت نوح، ھود،

صالح، لوط، شعیب، ابراھیم، اسماعیل، اسحاق، یعقوب، اور نبی مکرم ﷺ

بنو اسرائیل سارے کے سارے حضرت عیسی علیه السلام کی بعثت تک اہل ایمان تھے ان میں ایک بھی کافر نہ تھا۔ پھر حضرت عیسی علیه السلام کے ساتھ کفر کیا جس نے کفر کیا۔

سو وہ امہات جو بنو اسرائیل سے تھیں، وہ ساری کی ساری اہل ایمان تھیں۔ اور حضرت عیسیٰ علیه السلام کے بعد امتوں میں کوئی اور بعثت واقع ہی نہیں ہوئی۔

رہے دس جو بنی اسرائیل سے نہ تھے۔ ان میں حضرت عیسی علیه السلام اسحاق اور یعقوب علیهم السلام کی امہات کا ایمان ثابت ہے۔ حضرت نوح اور ابراھیم کی ماؤں کا ایمان بھی مذکور ہے۔

حضرت ھود، صالح، لوط اور شعیب علیهم السلام کی امہات باقی ہیں، جن کے ایمان کا ثبوت نقل یا دلیل کا محتاج ہے۔

اور غالب امر ان شاء اللہ، ان کے ایمان کا ہے۔ سو اس استدلال سے جمیع امہات کا ایمان ثابت ہو گیا اور اس میں راز وہی نور عظیم تھا جس کا وہ مشاہدہ فرمایا کرتی تھیں جس طرح کہ حدیث پاک میں وارد ہے۔

فصل:

ہماری مذکورہ بحث سے دو دلیلیں پہچانی گئیں کہ نبی اکرم ﷺ کی والدہ ماجدہ (العیاذ باللہ) جہنمی نہ تھیں بلکہ وہ متحنفہ تھیں، اور دوبارہ زندہ ہو کر ایمان لے آئیں تھیں۔

اس کے ساتھ تیسری دلیل، ان کا اہل فترت سے ہونا ہے۔ اور اہل فترت کے بارے احادیث مشہورہ معروفہ ہیں۔ فرمان خداوند قدوس ہے۔

﴿وَمَا كُنَّا مُعَذِّبِينَ حَتّٰى نَبْعَثَ رَسُولًا﴾

۱۵_الاسرائیل_۱۷

ترجمہ:

اور ہم عذاب نازل کرنے والے نہیں جب تک ہم کوئی رسول نہ بھیج لیں۔
اور یہ طے شدہ امر ہے کہ والدین کریمین تک دعوت نہ پہنچی تھی۔ سو ان کی خطا کیا ہے؟

فصل: چوتھی دلیل

صحیحین سے ثابت ہے کہ کسی نے ابو لہب کو خواب میں دیکھا تو اس نے کہا کہ میں نے تم سے بچھڑنے کے بعد کوئی بھلائی نہیں دیکھی سوائے اس کے کہ اس سے ثویبہ کو آزاد کرنے کی وجہ سے سیراب کیا جاتا ہوں۔

ثویبہ ابو لہب کی لونڈی تھی۔ ابو لہب نے اس کو آزاد کیا تھا۔ اس نے نبی اکرم ﷺ کو دودھ پلایا تھا۔

ابو لہب نبی کریم ﷺ کا شدید دشمن تھا اور نبی کریم ﷺ نے اس سے شدید اذیت اٹھائی تھی مگر محض اس وجہ سے ابو لہب کو سیراب کیا جاتا ہے اور کچھ دیر کے لئے عذاب سے نجات پاتا ہے کہ اس کی آزاد کردہ لونڈی نے نبی کریم ﷺ کو محض دودھ پلایا تھا۔

تو اس ذات مبارکہ کے بارے تیرا کیا گمان ہے، جس نے نو ماہ تک نبی کریم ﷺ کو اپنے بطن مبارک میں رکھا کئی روز تک دودھ پلایا، کئی سال تک پرورش کی اور آپ کی ماں تھیں

فصل: پانچویں دلیل

ابن جوزی نے کہا، مجھے ابو الحسن یحی بن اسمعیل العلوی سے خبر ملی

ہے۔

انا عبد اللّٰہ بن محمد بن علی بن الحسن الحسینی ثنا زید بن حاجب ثنا محمد بن عمار العطار ثنا علی بن محمد بن موسی الغطفانی ثنا محمد بن ھارون العلوی ثنا محمد بن علی بن العباس ثنا ابی ثناعلی رضی بن موسی ابن جعفر ثنا ابی عن جعفربن محمد عن ابیه عن علی بن حسین عن ابیه عن علی .رضی اللّٰہ عنھم مرفوعا.

جبرائیل علیه السلام مجھ پر اترے اور عرض کی:

خداوند قدوس آپ کو سلام ارشاد فرماتا ہے اور کہتا ہے۔

میں نے جہنم کو اس پشت پر جس سے آپ اترے ہیں، اور اس بطن پر جس نے آپ کو اٹھایا ہے اور اس گود پر جس نے آپ کی پرورش کی ہے، حرام کر دیا ہے۔ پشت حضرت عبداللّٰہ ہیں، اور بطن حضرت آمنہ ہیں، اور گود ابو طالب اور فاطمہ بنت اسد ہیں۔

ابن جوزی نے کہا، اس کی اسناد واضح ہے۔

ابو الحسن علوی غالی رافضی ہے۔

میں کہتا ہوں فاطمہ بنت اسد ایمان لے آئیں تھیں۔ شرف صحابیت اور ہجرت کا حاصل کیا تھا رضی اللّٰہ تعالی عنھا .

حاصل:

اس شخص پر تعجب ہے جو ''اِنَّ اَبِیْ وَاَبَاکَ فِی النَّارِ '' اور ''اُمِّیْ مَعَ اُمِّکُما'' جیسی ان کی مثل روایات پر عمل کرتے ہوئے والدین کریمین کے جہنمی ہونے پر یقین رکھتا ہے اور ان روایات کے معارض دلائل سے قطعاً صرف نظر کر لیتا ہے۔

اس مسئلہ میں لوگوں کے لئے ایک صحیح نظیر ہے، اس میں بھی اختلاف ہے اور یہ مشرک لوگوں کے بچوں کا مسئلہ ہے۔ بہت ساری یقینی احادیث میں وارد ہے کہ وہ جہنمی ہیں اور تھوڑی احادیث میں ہے کہ وہ جنتی ہیں اور جمہور کا مسلک ان کے جنتی ہونے کا ہے۔

انہی میں سے امام نووی ہیں۔آپ فرماتے ہیں!

محققین کا مذہب مختار اس آیت کریمہ کی وجہ سے یہ ہی ہے۔

﴿وَمَا كُنَّا مُعَذِّبِيْنَ حَتّٰى نَبْعَثَ رَسُوْلًا﴾

۱۵۔ الاسرائیل۔۱۷

ترجمہ:

اور جب تک ہم کوئی رسول نہ بھیج دیں ہم عذاب نازل کرنے والے نہیں۔

تو جب بالغ کو فقط اس لئے تعذیب نہیں ہے کہ اسے دعوت نہیں پہنچی تو غیر بالغ تو اس امر کا زیادہ حقدار ہے۔یہ امام نووی کا کلام ہے۔

دوسرے علماء نے کہا ہے کہ ان کے جہنمی ہونے والی احادیث جنتی ہونے والی احادیث سے منسوخ ہیں۔اس نسخ کی وضاحت اس حدیث پاک سے ہوتی ہے، جس کو ابن عبد البر نے سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالی عنہا سے روایت کیا ہے۔

سیدہ خدیجۃ الکبری رضی اللہ تعالی عنہا نے نبی مکرم ﷺ سے اولاد مشرکین کے بارے عرض کی۔

نبی مکرم ﷺ نے جواب دیا: وہ اپنے آباء سے ہیں۔

پھر آپ نے دوبارہ عرض کی، تو فرمایا:

ان کے بارے اللہ تعالی بہتر جانتا ہے۔

پھر اسلام کے استحکام کے بعد پھر عرض کی، تو یہ آیت کریمہ نازل ہوئی۔

﴿وَلَا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِزْرَ اُخْرٰی﴾

۱۵ ۔الاسرائیل،۱۷

ترجمہ :

اور کوئی بوجھ اٹھانے والی جان دوسرے کا بوجھ نہیں اٹھائے گی۔

تو اس آیت کریمہ کے نزول کے بعد نبی کونین ﷺ نے ارشاد فرمایا! وہ فطرت پر ہیں۔

یا۔۔۔فرمایا۔۔۔وہ جنت میں ہیں۔ یہ امر نسخ پر دلالت کرتا ہے۔

اسی طرح وہ ساری احادیث جو والدین کریمین کے (العیاذ باللہ) دوزخی ہونے کے سلسلہ میں وارد ہیں، وہ یا تو احیاء وایمان والی احادیث سے منسوخ ہیں۔یا اس وحی سے کہ اہل فترت پر تعذیب نہیں ہے۔

اطفال مشرکین کے بارے اقوال کا خلاصہ یہ ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی مشیت میں ہیں۔ان پر کوئی حکم نہیں لگایا جاتا ہے۔

امام شافعی اور دوسرے ائمہ سے یہ ہی منقول ہے۔کیونکہ صحیحین کی حدیث پاک میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالی عنہ سے روایت ہے۔

نبی اکرم ﷺ سے اطفال مشرکین کے بارے سوال کیا گیا آپ ﷺ نے جواب دیا اللہ تعالیٰ ہی بہتر جانتا ہے کہ وہ کیا کرتے ہیں۔

اس کا معنی ہے......

اللہ تعالیٰ بہتر جانتا ہے کہ وہ اگر زندہ رہتے تو اہل ایمان سے ہوتے اور وہ انہیں جنت میں داخل فرماتا۔اور کون ان میں سے اگر زندہ رہتا تو کفر کی راہ اختیار کرتا تو اللہ تعالیٰ

اسے جہنم میں داخل کرتا۔

اسی طرح والدین مصطفے ﷺ کے بارے کہا جائے گا ان کے بارے لطیف امر یہ ہے۔ اگر وہ بعثت شریفہ تک زندہ رہتے، تو ایمان قبول کرنے میں ہرگز تاخیر نہ کرتے اور اہل جنت سے ہوتے۔

اطفال کے بارے اقوال کا خلاصہ یہ ہے کہ ان کا قیامت کے روز امتحان ہوگا، جو اطاعت کرے گا، وہ جنت میں داخل ہوگا، اور جو نافرمانی کرے گا، وہ جہنم میں داخل ہوگا۔

امام بیہقی نے اس نظریہ کی تصحیح کی ہے، بعینہ اسی طرح اہل فترت کے حق میں احادیث صحیحہ وارد ہیں۔

بزار اور ابو یعلی نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔

چار طبقات قیامت کے روز پیش ہوں گے۔ نومولود، بے عقل، زمانہ فترت میں فوت ہونے والے اور شیخ فانی۔

ان میں سے ہر ایک دلیل پیش کرے گا۔

اللہ تعالیٰ ان سے ارشاد فرمائے گا۔ دوزخ سے ڈرو۔ میں اپنے بندوں کی طرف ان ہی میں سے رسول بھیجتا رہا ہوں، مگر تمہاری طرف میں خود رسول ہوں ''اس جہنم میں داخل ہو جاؤ''۔

(یہ سن کر) ازلی بد بخت کہے گا۔ کیا تو ہمیں اس میں داخل فرما رہا ہے حالانکہ ہم نہیں پہچانتے تھے؟

(اور اسی حکم کو سن کر) ازلی خوش بخت بن سوچے سمجھے جہنم میں کود جائیں گے۔

منکرین سے اللہ تعالیٰ ارشاد فرمائے گا! تم نے میری نافرمانی کی۔ میرے رسولوں کی تم کہیں زیادہ تکذیب اور معصیت کرتے۔

سو پہلوں کو اللہ تعالی جہنم میں ڈال دے گا اور دوسروں کو جنت میں داخل فرمائے گا۔

امام احمد اور ابن راھویہ میں اپنی اپنی مسند اور بیھقی نے ''کتاب الاعتقاد'' میں اسود بن سریع کے طریق سے حضرت ابوھریرہ رضی اللہ تعالی عنہ سے روایت کیا۔ امام بیھقی نے اس روایت کو صحیح قرار دیا ہے۔

نبی کونین ﷺ نے ارشاد فرمایا۔

چار طبقات قیامت کے دن احتجاج کریں گے۔ بہرہ شخص، جو مطلقا نہیں سنتا، بے عقل شخص، شیخ فانی اور زمانہ فترت میں فوت ہونے والا۔

زمانہ فترت میں ہلاک ہونے والا عرض کرے گا اے میرے پروردگار! میرے پاس تو تیرا کوئی رسول ہی نہیں آیا کہ وہ تیرے احکام بیان کرتا، تاکہ میں ان کی فرمانبرداری کرتا

ان کی طرف حکم آئے گا جہنم میں داخل ہو جاؤ۔

جو، از خود جہنم میں داخل ہو گا، جہنم اس کے لئے ٹھنڈی اور سلامتی والی ہو جائے گی۔ اور جو داخل نہیں ہو گا۔ وہ گھسیٹ کر اس میں پھینک دیا جائے گا۔

بزار نے حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ تعالی عنہ سے روایت کیا ہے۔

نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا!

(قیامت کے روز) زمانہ فترت میں ہلاک ہونے والا بے عقل اور نومولود پیش کیا جائے گا۔

زمانہ فترت میں ہلاک ہونے والا عرض کرے گا! میرے پاس نہ کوئی کتاب آئی نہ رسول۔

بے عقل عرض کرے گا، اے میرے پروردگار! تو نے مجھے عقل ہی عطا نہیں کی کہ

میں نیکی اور بدی میں فرق کر سکتا۔

نومولود کہے گا اے میرے پروردگار میں نے عمل کی عمر ہی نہیں پائی۔

ان کے سامنے جہنم پیش کی جائے گی۔ اور فرمایا جائے گا، اس میں چھلانگ لگادو۔

جو شخص اللہ تعالیٰ کے علم ازلی میں سعید ہو گا وہ کود جائے گا، اور جو اللہ تعالیٰ کے علم ازلی میں بد بخت ہو گا، وہ رک جائے گا۔

بزار نے حضرت ثوبان رضی اللہ تعالی عنہ سے روایت کیا ہے۔

نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا!

قیامت کے روز اہل جاہلیت اپنی پشتوں پر اپنے بت اٹھائے ہوئے آئیں گے۔

ان سے ان کا پروردگار سوال کرے گا، تو وہ عرض کریں گے۔

اے ہمارے پروردگار! تو نے ہماری طرف کوئی رسول ہی نہیں بھیجا۔ اور نہ ہی تیرا کوئی حکم ہم تک پہنچا ہے اگر تو ہماری طرف کوئی رسول بھیجتا تو ہم تیرے بندوں میں سب سے بڑھ کر ان کی فرمانبرداری کرتے۔

(یہ سن کر) اللہ تعالیٰ ان سے ارشاد فرمائے گا۔ تمہارا کیا خیال ہے اگر میں تمہیں حکم دوں تو تم میری فرمانبرداری کرو گے؟

اس کے بعد ماتقدم کی مثل ذکر کیا۔

طبرانی اور ابو نعیم نے حدیث معاذ بن جبل رضی اللہ تعالی عنہ سے اسکی مثل روایت کیا ہے۔

اس باب میں اور بھی احادیث طیبہ ہیں۔ یہ اور اس کی مشابہ احادیث اس مسئلہ میں بنیاد ہیں، اسی پر فقہاء کے اصول اور مذاہب کی بنیاد ہے کہ

اہل فترت میں سے کسی فرد معین کے بارے یہ حکم نہیں لگایا جا سکتا کہ وہ جہنمی ہے، بلکہ وہ اللہ تعالیٰ کی مشیت میں ہیں اور ان کا امر امتحان پر موقوف ہے۔

حدیث ثوبان رضی اللہ تعالی عنہ میں صراحت ہے کہ زمانہ جاہلیت کے بت پرستوں کے بارے یہی حکم جاری ہوگا۔ سو جس شخص سے ہرگز بت پرستی ثابت ہی نہیں، وہ اس امر کا زیادہ حقدار ہے۔

والدین کریمین سے ہرگز بت پرستی ثابت نہیں، بلکہ نبی مکرم ﷺ کے اصول میں کسی کے بارے بھی یہ امر ثابت نہیں، بلکہ ان تمام سے اس امر کا انتفاء ثابت ہے۔ عنقریب اسی کی طرف اشارہ آئے گا۔

ان احادیث سے ابن دحیہ کے کلام اور قول کی تردید ہوتی ہے کہ موت کے بعد نفع نہیں دیتا۔ جب اہل فترت کو ایمان آخرت میں فائدہ دے گا، حالانکہ آخرت دارِ تکلیف نہیں ہے اور وہ جہنم کا مشاہدہ کریں گے اس امر پر احادیث مذکورہ گواہ ہیں۔ تو ان کو دنیا میں دوبارہ زندگی کے بعد ایمان بدرجہ اولیٰ فائدہ دے گا۔

فرض کریں کہ اگر والدین کریمین کا دنیا میں دوبارہ زندہ ہونا ثابت نہ ہی ہو، تو ان کے بارے ظن یہ ہی ہے کہ یہ وقت امتحان قیامت کے روز اطاعت اور ہدایت کا مظاہرہ کریں گے تا کہ اس سے نبی اکرم ﷺ کی آنکھیں ٹھنڈی ہوں۔

فصل:

خداوند قدوس کے اس فرمان

﴿وَلَا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِّزْرَ اُخْرٰی. وَمَا كُنَّا مُعَذِّبِيْنَ حَتّٰى نَبْعَثَ رَسُوْلًا﴾

۱۵۔ الاسرائیل۔ ۱۷

ترجمہ:

اور نہ کوئی بوجھ اٹھانے والی جان دوسرے کا بوجھ اٹھائے گی اور ہم عذاب نازل کرنے والے نہیں جب تک ہم کوئی رسول نہ بھیج لیں۔

کے متعلق میرے ذہن میں ایک اور انتہائی باریک نقطہ ظاہر ہوا، اور دونوں جملوں کو اللہ تعالیٰ نے ایک ساتھ بیان کیا پہلا جملہ اطفال مشرکین کے بارے میں ہے، اس پر نبی کونین ﷺ نے اعتماد کیا جب اس کا نزول ہوا اور ان کے جہنمی ہونے کی خبر دینے کے بعد اس آیت کی بنا پر ان کے جنتی ہونے کی خبر دی جس طرح کہ قریب ہی سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی روایت میں بیان ہوا۔

دوسرا جملہ اہل فترت سے متعلق ہے اور یہ دونوں عدم تعذیب میں دو امروں میں مشترک ہیں۔

۱۔ دعوت کا نہ پہنچنا۔ بچوں کے لئے تو اس وجہ سے کہ وہ ایسی عقل سے عاری ہوتے ہیں جو دعوت کا ادراک کر سکیں اور اس امر کا کلیۃً انتفاء اور اہل فترت کے بارے میں عدم ورود۔

۲۔ عدم تکلیف عدم شرط کی بنا پر، اور وہ بچوں کی صورت میں بلوغ ہے۔ اہل فترت کے بارے شرع وارد ہے کہ بعثت سے پہلے حکم نہیں ہے اس لئے دونوں جملوں کو ایک ساتھ وارد کیا گیا ہے اور یہ قرآن حکیم کے حیرت افزاء اسرار سے ہے۔

یہ ہی وجہ ہے کہ نبی کونین ﷺ نے اہل فترت کے حکم کے لئے دوسرے جملہ پر اعتماد کیا کہ ان کا آخرت میں امتحان لیا جائے گا۔ چونکہ ابتداء وہ مشیت الٰہی میں جہنمی ہوں گے، اس لئے اخبار کے بعد بھی عذاب کی طرف نہیں بڑھیں گے۔

پہلی اخبار بھی دونوں فریقوں کے بارے ایک طرح کی ہی ہیں اور دونوں کے

بارے دونوں جملے مقترن ہیں، اور دوسری اخبار بھی دونوں کے بارے متحد ہیں کہ وہ عذاب نہیں دیئے جائیں گے۔

امام نووی اور محققین نے اطفال کے حق میں اسی مذہب کی تصحیح کی ہے۔ دوسروں نے یہ کہا ہے کہ ان کا امتحان لیا جائے گا اور اہل فترت کے بارے تمام اہل السنۃ نے اسی امتحان والی صورت پر جزم کیا ہے۔

سو اسی دلیل کی بنا پر والدین کریمین سے تعذیب کا انتفاء ہو جائے گا، جس بنا پر اہل فترت کے حق میں امتحان کا جزم کیا گیا ہے۔ اطفال کے حق میں اختلاف ہے۔ بلوغ و عقل کے منتفی ہونے کی بنا پر ان کا جنتی ہونا ہی صحیح ہے کیونکہ نبی کونین ﷺ نے اسی آیت پر اعتماد کرتے ہوئے اہل فترت پر امتحان اور رفع عذاب کا حکم لگایا ہے۔

عبد الرزاق، ابن جریر، ابن ابی حاتم اور ابن المنذر نے اپنی اپنی تفسیر میں سند صحیح کے ساتھ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالی عنہ سے روایت کیا ہے۔

جب قیامت کا دن ہو گا اللہ تعالیٰ اہل فترت، بے عقل، بہرے، گونگے اور ایسے بوڑھوں کو جمع فرمائے گا، جنہوں نے اسلام کا زمانہ نہیں پایا، پھر ان کی طرف ایک رسول بھیجے گا، ان کی اطاعت وہی کرے گا، جس کی اطاعت کا اللہ تعالیٰ ارادہ کرے گا۔

اس روایت کے بیان کے بعد حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالی عنہ نے ارشاد فرمایا، اگر چاہو تو اس آیت کریمہ کی تلاوت کرو۔

﴿وَمَا كُنَّا مُعَذِّبِيْنَ حَتّٰى نَبْعَثَ رَسُوْلًا﴾

۱۵۔الاسرائیل۔۱۷

اس روایت کی اسناد، شرط شیخین پر ہیں، اور اس طرح کی بات اپنی رائے سے نہیں

کہی جا سکتی۔ سو یہ حکماً مرفوع ہے۔

فصل:

اہل سنت کا مذہب ان لوگوں کے بارے میں جو دعوت سے قبل تھے۔

تمام اہل اصول نے کہا ہے۔ کہ شکر منعم عقلاً واجب نہیں ہے، اس میں معتزلہ کا خلاف ہے۔

الکیاء الهراسی اور دوسرے علماء نے کہا ہے کہ شکر منعم سے مراد اوامر کی فرمانبرداری اور نواہی سے رکنا ہے۔ جیسے کفر اور دوسرے امور۔

ابن سبکی نے "**شرح مختصر ابن الحاجب**" میں کہا، اور ہمارے بعض اصحاب جیسے **ابن شریح**، **صیرفی**، **القفال الکبیر**، **ابن ابی ہریرہ** اور **قاضی ابو حامد** نے معتزلہ کی موافقت کی ہے۔

قاضی ابو بکر باقلانی نے "**قریب**" میں۔ **استاد ابو اسحق** نے اپنے "**اصول**" میں اور **شیخ ابو حامد جوینی** نے ان موافقین معتزلہ کی طرف سے عذر پیش کیا ہے کہ ان لوگوں کو علم کلام میں رسوخ نہ تھا۔ ممکن ہے انہوں نے معتزلہ کی کتابوں کا مطالعہ کیا ہو اور ان کی عبادت کو حسین خیال کیا ہو کہ منعم کا شکر عقلاً واجب ہے اور یہ لوگ غفلت کی بنا پر اسی قول کی طرف گئے ہوں۔

ہمیں علم ہے کہ یہ لوگ ان کے مسالک کی طرف نہیں لپکے اور ان کے مقاصد کے تابع نہیں ہوئے۔

ابن سبکی نے کہا کہ یہ کلام سوائے قفال کبیر کے، حق ہے۔ رہا **قفال**، تو وہ پہلے سے ہی کلام میں امام تھا۔ مگر وہ پہلے معتزلی تھا سو اس نے یہ قول کیا، پھر جب اس نے اعتزال

سے رجوع کرلیا تو یقیناً اس قول سے بھی رجوع کرلیا ہوگا۔

ابن سبکی نے کہا کہ شکرالمنعم کے مسئلہ سے ہی ان لوگوں کا مسئلہ نکلتا ہے جن تک دعوت نہیں پہنچی۔ ہمارے نزدیک ایسا شخص ناجی ہے۔ ایسے شخص سے اسلام کی دعوت دینے سے پہلے قتال نہ کیا جائے گا، اس کے قتل پر کفارہ اور دیت لازم ہوگی۔ صحیح مذہب یہ ہے کہ قصاص واجب نہ ہوگا کیونکہ وہ حقیقتاً مسلمان نہیں ہے۔

(یہ ابن سبکی کا کلام تھا)

یہ مسئلہ اس امر میں صریح ہے کہ ایسا شخص ناجی ہے وہ دوزخ میں داخل نہ ہوگا جنت میں داخل ہوگا، مگر اس کو مسلمان نہیں کہا جائے گا۔

فصل:

امام زرکشی نے ''شرح جمع الجوامع'' میں شکرالمنعم کے قاعدہ پر قرآن حکیم سے تین دلیلیں پیش کی ہیں۔

پہلی دلیل:

﴿وَمَا كُنَّا مُعَذِّبِينَ حَتّٰى نَبْعَثَ رَسُولًا﴾

۱۵۔الاسرائیل۔۱۷

ترجمہ:

اور ہم عذاب نازل کرنے والے نہیں جب تک ہم کوئی رسول نہ بھیج لیں۔

دوسری دلیل:

﴿ذٰلِكَ اَنْ لَّمْ يَكُنْ رَّبُّكَ مُهْلِكَ الْقُرٰى بِظُلْمٍ وَّاَهْلُهَا غٰفِلُوْنَ﴾

۱۳۱۔الانعام۔٦

ترجمہ:

یہ اس لئے کہ آپ کا رب بستیوں کو ہلاک کرنے والا نہیں ہے، اس حال میں کہ ان کے باشندے بے خبر ہوں۔

تیسری دلیل:

﴿وَلَوْ لَآ اَنْ تُصِيْبَهُمْ مُّصِيْبَةٌ بِمَا قَدَّمَتْ اَيْدِيْهِمْ فَيَقُوْلُوْا رَبَّنَا لَوْلَآ اَرْسَلْتَ اِلَيْنَا رَسُوْلًا فَنَتَّبِعَ اٰيٰتِكَ وَنَكُوْنَ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ﴾

٤٧ - القصص - ٢٨

ترجمہ:

کہیں ایسا نہ ہو کہ جب ان کے کئے ہوئے اعمال کے باعث انہیں کوئی مصیبت پہنچنے لگے تو وہ یہ کہنے لگیں کہ ہمارے رب! تو نے ہماری طرف کوئی رسول کیوں نہ بھیجا، تا کہ ہم تیری آیات کی پیروی کرتے اور ہم ایمان لانے والوں سے ہو جاتے۔

میں کہتا ہوں ابن ابی حاتم نے اپنی تفسیر میں اسی آخری آیت کے تحت ابو سعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کی ہے۔

نبی کونین ﷺ نے ارشاد فرمایا۔

زمانہ فترت میں ہلاک ہونے والا (قیامت کے دن) عرض کرے گا۔

اے میرے پروردگار! میرے پاس نہ کتاب آئی نہ رسول۔ پھر یہ آیت کریمہ تلاوت کی۔

﴿رَبَّنَا لَوْ لَآ اَرْسَلْتَ اِلَيْنَا رَسُوْلًا فَنَتَّبِعَ اٰيٰتِكَ وَنَكُوْنَ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ﴾

٤٧ - القصص - ٢٨

ترجمہ :

اے ہمارے رب تو نے ہماری طرف رسول کیوں نہ بھیجا، کہ ہم تیری آیات کی پیروی کرتے، اور ہم ایمان لانے والوں سے ہو جاتے۔

اس کے اسناد حسن ہیں۔

اسی ضمن میں مندرجہ ذیل آیات کریمہ بھی وارد ہیں۔

﴿وَمَا كَانَ رَبُّكَ مُهْلِكَ الْقُرٰى حَتّٰى يَبْعَثَ فِيْٓ اُمِّهَا رَسُوْلًا يَّتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِنَا ج وَمَا كُنَّا مُهْلِكِي الْقُرٰٓى اِلَّا وَاَهْلُهَا ظٰلِمُوْنَ﴾

٥٩_القصص_٢٨

ترجمہ :

اور آپ کا رب بستیوں کو ہلاک کرنے والا نہیں ہے۔ یہاں تک کہ ان کے مرکزی شہر میں کوئی رسول بھیجے، جو وہاں کے رہنے والوں کو ہماری آیات سنائے اور ہم بستیوں کو ہلاک کرنے والے نہیں مگر جب کہ ان کے باشندے ظالم ہوں۔

﴿وَلَوْ اَنَّا اَهْلَكْنٰهُمْ بِعَذَابٍ مِّنْ قَبْلِهٖ لَقَالُوْا رَبَّنَا لَوْ لَآ اَرْسَلْتَ اِلَيْنَا رَسُوْلًا فَنَتَّبِعَ اٰيٰتِكَ مِنْ قَبْلِ اَنْ نَّذِلَّ وَنَخْزٰى﴾

١٣٤_طه_٢٠

ترجمہ :

اور اگر ہم اس سے پہلے ان کو عذاب سے ہلاک کر دیتے تو کہتے اے ہمارے رب! کیوں نہ بھیجا تو نے ہماری طرف کوئی رسول تاکہ ہم تیری آیتوں کی پیروی کرتے اس سے پہلے کہ ہم ذلیل اور رسوا ہوتے۔

ابن ابی حاتم نے اس آیت کریمہ کے تحت عطیہ عوفی سے روایت کی۔

زمانہ فترت میں ہلاک ہونے والا عرض کرے گا، اے میرے پروردگار! میرے پاس نہ کوئی کتاب آئی نہ کوئی رسول۔

﴿وَهُمْ يَصْطَرِخُونَ فِيهَا ج رَبَّنَآ اَخْرِجْنَا نَعْمَلْ صَالِحًا غَيْرَ الَّذِي كُنَّا نَعْمَلُ ط اَوَلَمْ نُعَمِّرْكُمْ مَّا يَتَذَكَّرُ فِيهِ مَنْ تَذَكَّرَ وَجَآءَكُمُ النَّذِيرُ﴾

۳۷_الفاطر_۳۵

ترجمہ:

اور وہ اس میں چیختے چلاتے ہوں گے (فریاد کریں گے) اے ہمارے رب ہمیں ایک بار یہاں سے نکال، ہم بڑے نیک اعمال کریں گے۔ ایسے نہیں جیسے ہم پہلے کیا کرتے تھے (جواب ملے گا) کیا ہم نے تمہیں اتنی لمبی عمر نہ دی تھی؟ جس میں بآسانی نصیحت قبول کر سکتا جو نصیحت قبول کرنا چاہتا اور تمہارے پاس ڈرانے والا تشریف لایا تھا۔

ابن ابی حاتم نے اس آیت کریمہ کے تحت حضرت قتادہ رضی اللہ تعالی عنہ سے روایت کی ہے۔

ان پر عمر اور رسل کے ساتھ حجت پوری کی گئی ہے۔

﴿رُسُلاً مُّبَشِّرِينَ وَ مُنْذِرِينَ لِئَلَّا يَكُونَ لِلنَّاسِ عَلَى اللّٰهِ حُجَّةٌ م بَعْدَ الرُّسُلِ﴾

۱۶۵_النساء_۴

ترجمہ:

(ہم نے بھیجے یہ سارے) رسول خوشخبری سنانے اور ڈر سنانے کے لئے کہ ان کے بعد لوگوں کے لئے اللہ کے یہاں کوئی عذر نہ رہے۔

ابن جریر اور ابن حاتم نے اسی آیت کے تحت سدی سے روایت کی ہے۔

وہ کہیں گے کہ ہماری طرف تو، تو نے کوئی رسول ہی نہ بھیجا۔

اگر آپ یہ کہیں کہ اہل فترت کا حکم ان سا کیونکر ہوگا جن تک دعوت نہیں پہنچی، کیونکہ زمانہ فترت میں حضرت موسی اور عیسی علیهما السلام کی شریعت موجود تھی۔

میں عرض کروں گا، دلائل اس امر پر موجود ہیں کہ عرب اس شریعت کے مخاطب نہیں تھے اور نہ ہی اس پر عمل کرنے کے مکلّف تھے اسی وجہ سے زمانہ فترت میں ہلاک ہونے والوں پر صریح احادیث وارد ہیں۔

اگر ماقبل البعثت سے مراد یہ ہو کہ دنیا بھر میں کوئی رسول ہی نہ ہو تو اس امر کا وجود محال ہے۔ کیونکہ جو بھی زمانہ فترت تھا اس سے پہلے کوئی نہ کوئی نبی ضرور تھا۔ یہ سلسلہ حضرت آدم علیہ السلام تک ہے اور وہ پہلے نبی تھے اور حضرت آدم علیہ السلام سے پہلے کوئی بشر ہی نہ تھا۔

قرآن حکیم بھی اس سلسلہ میں ناطق ہے۔

﴿وَهٰذَا كِتٰبٌ اَنْزَلْنٰهُ مُبٰرَكٌ فَاتَّبِعُوْهُ وَاتَّقُوْا لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ. اَنْ تَقُوْلُوْٓا اِنَّمَآ اُنْزِلَ الْكِتٰبُ عَلٰى طَآئِفَتَيْنِ مِنْ قَبْلِنَاص وَاِنْ كُنَّا عَنْ دِرَاسَتِهِمْ لَغٰفِلِيْنَ﴾

١٥٦ ـ ١٥٥ ـ الانعام ـ ٦

ترجمہ:

اور یہ (قرآن) کتاب ہے اسے ہم نے اتارا ہے، بابرکت ہے، اس کی پیروی کرو تاکہ تم پر رحم کیا جائے۔ تاکہ تم یہ نہ کہو کہ کتاب تو ہم سے پہلے دو گروہوں پر اتاری گئی تھی اور ہم تو اس کے پڑھنے پڑھانے سے بالکل بے خبر تھے۔

ابن ابی حاتم، ابن المنذر اور ابو الشیخ نے مجاهد سے مندرجہ بالا فرمان خداوندی کے تحت روایت کیا ہے۔

یہود و نصاری نے کہا۔ یہ قریش کہیں گے۔

اس قول سے شرح مسلم میں واقع یہ حدیث ان ابی و اباک فی النار مندفع ہو جاتی ہے۔

رہا اس کا یہ قول کہ اہل جاہلیت پر ان لوگوں کا حکم لاگو نہیں ہوتا جن تک دعوت نہیں پہنچی، کیونکہ حضرت ابراہیم اور دوسرے انبیاء کی دعوت موجود تھی۔

یہ کیسے صحیح ہو سکتا ہے؟ جب کہ ابھی روایت ثوبان گزری ہے کہ قیامت کے دن اہل جاہلیت کے بت پرست اپنی پشتوں پر اپنے بت اٹھائے ہوئے آئیں گے۔

اس کے بعد باقی حدیث امتحان ذکر کی۔ اس مسئلہ میں یہ حدیث نص ہے اور بقیہ حدیث زمانہ فترت میں ہلاک ہونے والوں پر شاہد ہے یہ زمانہ حضرت عیسی اور نبی مکرم ﷺ کا درمیانی زمانہ مشہور ہے۔ اگر یہ لوگ جن کو دعوت نہیں پہنچی، اہل فترت نہیں ہیں تو مجھے نہیں معلوم کہ اہل فترت پھر کونسے لوگ ہیں۔

امام رافعی نے ''الروضة'' میں کہا جس شخص کو ہمارے نبی مکرم ﷺ کی دعوت نہیں پہنچی اعلام اور دعوت اسلام سے پہلے، اس کو قتل کرنا جائز نہیں ہے۔ اگر یہ قتل ہو جائے تو یقیناً دیت اور کفارہ لازم ہوگا۔ ایسے مقتول سے ضمان کب لازم ہوگی، جس کو دعوت پہنچی ہو اور وہ ایمان نہ لایا ہو، کفارہ تو بلا تفصیل واجب ہوگا۔

پھر اس کے تین احوال ہیں۔

ا۔ اس کو اصلاً کسی نبی کی دعوت نہ پہنچی ہو، ایسی صورت میں مذہب صحیح پر قصاص نہیں ہے۔ قفال نے قصاص کو واجب قرار دیا ہے۔ اور کیا دیت مجوسی واجب ہوگی یا مسلمان کی دیت واجب ہوگی؟ اس میں دو قول ہیں صحیح ترین پہلا قول ہے۔

۲۔ یہ کسی غیر مبدل دین سے تمسک کرنے والا، اور اس کو اس کا مخالف امر نہ پہنچا ہو۔ اصح قول پر ایسی صورت میں قصاص نہیں ہے۔

کہا گیا ہے کہ ایسی صورت میں دیت مسلمان واجب ہوگی یا ایسے دین والے شخص کی دیت واجب ہوگی اس میں بھی دو قول ہیں، صحیح ترین دوسرا قول ہے۔

۳۔ یہ کسی ایسے دین سے تمسک کرنے والا ہو جس کو تبدیلی لاحق ہوگئی ہو، لیکن اس کا مخالف امر نہ پہنچا ہو ایسی صورت میں قصاص قطعاً نہیں ہے اور اصح مذہب پر دیت مجوسی واجب ہوگی (انتھی)

جب کہ انبیاء علیہم السلام کی بعثت اور واقعات مشہور ہیں، تو کیا یہ ممکن ہے کہ زمین کے کسی گوشہ میں کوئی ایسا شخص ہو جس کو حضرت آدم سے لے کر مطلقاً کسی نبی کی بعثت کا علم نہ ہوا ہو، اور نہ ہی بطور خاص حضرت نوح علیہ السلام کی ساڑھے نو سو سال کی بعثت اور اس طوفان کا علم ہوا ہو جس نے ساری روئے زمین سے کفار کو غرق کر دیا۔

اگر مطلق وجود انبیاء کا ہی اعتبار کیا جائے تو ایسے شخص کا وجود محال ہے جسے دعوت نہ پہنچی ہو تو اس صورت میں کثیر صحیح احادیث اور آثار تمام کے تمام ساقط ہو جائیں گے۔ اور ان سب پر حکم لگایا جائے گا کہ وہ بغیر امتحان کے دوزخ میں جائیں گے حالانکہ اہل فترت کے بارے میں ثابت صحیح احادیث وارد ہیں۔

اگر آپ یہ کہیں کہ یہ بات مکمل طور پر واضح نہیں ہوتی، میرے لئے کچھ اور وضاحت کر دیجئے۔ تو اس کی مزید وضاحت میں چند امور ہیں، بعثت ابراھیم و اسمعیل علیہ السلام پر طویل مدت کا گزرنا۔

یقیناً حضرت اسمعیل علیہ السلام کے بعد عربوں کی طرف کوئی نبی مبعوث نہ

ہوا اوران دونوں کے دین میں تبدیلی واقع ہوئی اور اس تغیر وتبدل پر عرصہ دراز گزر گیا۔ ایسے لوگ بھی مفقود تھے جو ان کی شریعت کو اصلی صورت پر نقل کرتے ہیں۔ اور صدیوں تک ان کا متغیر اور مبدل سے تمسک رہنا یہاں تک کہ ایسی قوم پروان چڑھی، جنھوں نے اسی بدلے ہوئے دین کو پایا اور انہوں نے دین ابراھیم علیه السلام کی اصلی حقیقت ہرگز نہ سنی، اور نہ ہی انہوں نے کوئی ایسا شخص پایا جو اس دیت کی حقیقت سے ان کو آگاہ کرتا۔ سو ان لوگوں پر یہ بات صادق آتی ہے کہ ان کو دعوت نہیں پہنچی۔ اس لئے انہوں نے نبی اکرم ﷺ کو مستنکر وعجیب جانا، اور انہوں میں برملا کہا کہ یہ تو کوئی نیا اور غیر معروف دین لے کر آئے ہیں انہوں نے کہا۔

﴿اِنَّ هٰذَا لَشَیْءٌ عُجَابٌ. مَا سَمِعْنَا بِهٰذَا فِیْ الْمِلَّةِ الْاٰخِرَةِ﴾

۷۔۵۔ص۔۳۸

ترجمہ:

بے شک یہ تو عجیب بات ہے ہم نے ایسی بات آخری ملت میں بھی نہیں سنی۔

اگر ان لوگوں کو انبیاء علیہم السلام کی حقیقی دعوت کا علم ہوتا، تو یہ لوگ یقیناً پہچان جاتے کہ نبی اکرم ﷺ کی دعوت ان ہی کے طریق پر ہے۔

یہی وجہ ہے کہ جب انہوں نے اہل کتاب سے اس دین کی تصدیق پر شہادت سنی تو یہ کثیر تعداد میں مسلمان ہو گئے۔

ان لوگوں کا کفر صانع اور اس کی الوہیت کا انکار نہ تھا اور نہ انہوں نے اصنام میں تخلق اور تدبر کا دعوی کیا، جس طرح کہ نمرود اور اس کی قوم نے کیا تھا۔ بلکہ یہ لوگ اللہ تعالیٰ کی الوہیت، خالقیت اور مدبریت کے قائل تھے، جس طرح کے اللہ تعالیٰ کا فرمان عالی ہے۔

﴿وَلَئِنْ سَاَلْتَهُمْ مَّنْ خَلَقَهُمْ لَيَقُوْلُنَّ اللّٰهُ﴾

۸۷ ۔الزخرف۔۴۳

ترجمہ:

اور اگر آپ ان سے سوال کریں کہ ان کو کس نے پیدا کیا تو یقیناً کہیں گے اللہ نے۔

یہ لوگ تو گمان کرتے تھے کہ بت اللہ تعالیٰ کے دربار میں ان کی شفاعت کریں گے

جیسے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کے قول کی حکایت کی ہے۔

﴿مَا نَعْبُدُهُمْ اِلَّا لِيُقَرِّبُوْنَآ اِلَى اللّٰهِ زُلْفٰى﴾

۳۔الزمر۔۳۹

ترجمہ:

ہم صرف ان کی اس لئے عبادت کرتے ہیں کہ یہ ہمیں اللہ کے قریب کریں گے۔

یہ لوگ اپنے تلبیہ میں کہتے تھے۔

لا شریک لک الا شریکا ھو لک تملکه و ما ملک

جس طرح کہ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ہے۔

﴿وَمَا يُؤْمِنُ اَكْثَرُهُمْ بِاللّٰهِ اِلَّا وَهُمْ مُّشْرِكُوْنَ﴾

۱۰۶ ۔یوسف۔۱۲

ترجمہ:

اور ان میں سے اکثر وہ ہیں جو اللہ پر یقین نہیں لاتے مگر شرک کرتے ہوئے۔

اس سے معلوم ہوا کہ ان کا کفر، کفر اشراک تھا نہ کہ وجود صانع کا انکار۔ اور یہ امر

ان سے اس لئے صادر ہوا تھا کہ وہ انبیاء علیہم السلام کے لائے ہوئے دین سے بے خبر تھے۔

یہ ان تک اپنی اصل حالت میں نہ پہنچا تھا۔

اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان اس کی وضاحت کرتا ہے۔

﴿یٰۤاَهْلَ الْكِتٰبِ قَدْ جَآءَكُمْ رَسُوْلُنَا یُبَیِّنُ لَكُمْ عَلٰى فَتْرَةٍ مِّنَ الرُّسُلِ اَنْ تَقُوْلُوْا مَا جَآءَنَا مِنْۢ بَشِیْرٍ وَّ لَا نَذِیْرٍ٘ فَقَدْ جَآءَكُمْ بَشِیْرٌ وَّ نَذِیْرٌ﴾

۱۹_المائدہ _۵

ترجمہ:

اے کتاب والو! بے شک تمہارے پاس ہمارے یہ رسول تشریف لائے کہ تم پر ہمارے احکام ظاہر فرماتے ہیں، بعد اس کے کہ رسولوں کا آنا مدتوں بند رہا کہ کبھی کہو کہ ہمارے پاس کوئی خوشی اور ڈر سنانے والا نہیں آیا۔ تو یہ خوشی اور ڈر سنانے والے تمہارے پاس تشریف لائے ہیں۔

تو جب خداوند قدوس نے خود عذر بیان فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے فترت کے بعد ان کی طرف رسول مبعوث فرمایا اور ان کے امور کو پھر سے ظاہر کر دیا جس کو احبار نے بدل دیا تھا اور چھپا رکھا تھا تا کہ وہ اپنے قول ''ما جاء نا من بشیر و لا نذیر'' سے حجت بازی نہ کر سکیں۔

یہ اہل کتاب شریعت موسی علیہ السلام کو فی الجملہ جاننے والے تھے، مگر انہوں نے اس دین سے تمسک کر رکھا تھا جس کو تبدیلی لاحق ہو گئی تھی۔ کیونکہ اس امر میں یہ اپنے اسلاف کے اندھے پیروکار تھے۔ حق و باطل کے درمیان تمیز کے اہل نہ تھے۔

سو آپ کا ان اہل عرب کے بارے کیا گمان ہے جو ان پڑھ تھے۔ نہ اہل کتاب تھے اور نہ ہی جانتے تھے کہ کتاب کیا ہے۔

تنبیہ:

امام نووی نے شرح مسلم میں اس حدیث کے تحت کہ، ایک شخص نے عرض

کی: یارسول اللہ ﷺ میرا باپ کہاں ہے؟

آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: جہنم میں۔

جب وہ جوان جانے لگا، تو نبی اکرم ﷺ نے اس کو بلایا، اور فرمایا:

بیشک میرا باپ اور تیرا باپ جہنم میں ہیں۔

اس میں ہے کہ جس شخص کا زمانہ فترت میں عربوں کے طریق بت پرستی پر انتقال ہوا، وہ جہنمی ہے۔ اور یہ دعوت پہنچنے سے پہلے مؤاخذہ نہیں ہے، کیونکہ ان لوگوں کو حضرت ابراھیم علیه الصلوۃ والسلام اور دوسرے انبیاء کی دعوت پہنچی تھی۔

امام نووی کے اس قول سے میرے علم کے مطابق یہ نہ سمجھنا چاہیئے کہ انہوں نے اس سے نبی اکرم ﷺ کے والد گرامی کے حکم کا ارادہ کیا ہے اور والد گرامی کے حکم سے آپ کا کلام ساکت ہے۔

فصل:

"اِنَّ اَبِیْ وَ اَبَاکَ فِی النَّارِ"

اس حدیث کی مجھ پر دو علتیں ظاہر ہوئی ہیں۔

پہلی اسناد کی جہت سے، اور وہ یہ کہ اس حدیث کو امام مسلم اور امام داود نے حماد بن سلمہ عن ثابت عن انس رضی اللہ تعالی عنہ کے طریق سے روایت کیا ہے۔ ایک شخص نے عرض کی یارسول اللہ ﷺ میرا باپ کہاں ہے؟

فرمایا! جہنم میں۔

جب وہ شخص پیچھے کی طرف مڑا تو نبی اکرم ﷺ نے اسے بلایا اور فرمایا: بیشک میرا باپ اور تیرا باپ جہنم میں ہے۔

اس حدیث میں امام مسلم ،امام بخاری سے منفرد ہیں۔اور افراد مسلم میں کئی احادیث متکلم فیہ ہیں اور اس میں شک نہیں یہ حدیث انہی سے ہے۔

بہر حال اولاً حضرت ثابت اگر چہ امام ہیں، ثقہ ہیں، مگر ابن عدی نے اپنی ''کامل'' میں ان کو ضعفاء میں ذکر کیا ہے۔اور کہا ہے کہ ان کی حدیث میں نکارت واقع ہے۔اور یہ ان کے رواۃ سے ہے۔کیونکہ ان سے ضعفاء نے روایت کی ہے ان کو ذہبی نے ''میزان'' میں بھی وارد کیا ہے۔

ثانیاً۔حماد بن سلمہ اگر چہ امام، عابد اور عالم ہیں، مگر ان کی روایت میں ایک جماعت نے کلام کیا ہے امام بخاری ان سے خاموش رہے ہیں اور ان سے اپنی صحیح میں کچھ بھی روایت نہیں کیا۔

امام حاکم نے ''المدخل'' میں فرمایا:

امام مسلم نے حماد بن سلمہ کے طریق سے اصول میں ایک ہی حدیث ثابت سے روایت کی ہے۔اور امام مسلم نے ایک طائفہ سے اس کے شواہد درج کئے ہیں۔

امام ذہبی نے کہا۔حماد ثقہ ہیں۔ان کے لئے اوہام ثابت ہیں۔ان کے کثیر مناکیر ہیں اور یہ یاد نہ رکھتے تھے۔وہ کہتے تھے کہ ان کتابوں میں دسیسہ کاری کی گئی ہے۔

یہ بھی کہا گیا ہے، ابن ابی العرجاء آپ کا ربیب تھا وہ آپ کی کتابوں میں دسیسہ کاری کرتا تھا۔

آپ کے مناکیر میں سے ایک یہ روایت ہے جس کو آپ نے عن ثابت عن انس رضی اللہ تعالی عنہ سے روایت کیا ہے۔

نبی اکرم ﷺ نے تلاوت کی۔

﴿فَلَمَّا تَجَلّٰی رَبُّه‘ لِلْجَبَلِ﴾

۱۴۳_الاعراف _۷

ترجمہ:

پھر جب اس کے رب نے پہاڑ پر اپنا نور چمکایا۔

فرمایا: اس نے اپنی چھوٹی انگلی کی طرف نکالی، اسے انگوٹھے پر مارا تو پہاڑ چمک اٹھا۔

اس حدیث کو امام احمد ترمذی اور حاکم نے روایت کیا ہے۔

امام حاکم نے کہا کہ یہ شرط مسلم پر صحیح ہے۔

ابن جوزی نے اسے موضوعات میں ذکر کیا ہے۔ اور کہا ہے، یہ ثابت نہیں ہے۔ اور یہ اس کے سوتیلے بیٹے کی دسیسہ کاری ہے۔

اور مناکیر حماد کی روایت میں بہت زیادہ ہیں۔

اور ہم نے اس روایت کا ذکر اس لئے کیا ہے کہ یہ بھی اسی سند حدیث کے ساتھ ہے جس کی تعلیل کے ہم درپے ہیں۔ ان کی سب سے زیادہ منکر وہ روایت ہے جسے انہوں نے عن قتادہ عن عکرمہ عن ابن عباس رضی اللہ تعالی عنہما سے روایت کیا ہے۔

میں نے اللہ تعالیٰ کو گھنگریالے بالوں والا امرد دیکھا جس پر سبز لباس تھا۔

اسے بھی ابن جوزی نے "موضوعات" میں ذکر کیا ہے۔

پس یہ امر ظاہر ہو گیا کہ متنازعہ فیہ حدیث یقیناً منکر ہے۔ اور مسلم شریف میں کثیر تعداد میں احادیث کو منکر کہا گیا ہے۔

دوسری علامت متن کے اعتبار سے ہے۔ یہ ایک مقدمہ پر قائم ہے اور وہ یہ ہے کہ

جب نبی اکرم ﷺ سے ایک اعرابی نے (اپنے والد کے انجام کے بارے میں) سوال کیا۔ نبی اکرم ﷺ نے واضح جواب میں اس کے لئے فتنہ اور اضطراب قلب کا خوف محسوس کیا، تو اسے ایسا جواب دیا جس میں توریہ اور ابہام تھا۔ جیسے کہ وہ حدیث جسے امام بخاری نے روایت کیا ہے۔

ایک شخص نے نبی اکرم ﷺ سے قیامت کے بارے سوال کیا۔ نبی اکرم نے ایک سب سے کم عمر شخص کی طرف دیکھا اور فرمایا۔

اگر اس نے اپنی عمر سے فائدہ اٹھایا تو یہ نہیں مرے گا، حتی کہ قیامت قائم ہو جائے۔

فرمایا: کہ علماء نے اس بارے وضاحت کی۔ اعراب اکثر نبی اکرم ﷺ سے قیامت کے بارے سوال کرتے تھے۔ نبی اکرم ﷺ نے اپنے فرمان ''میں نہیں جانتا'' سے ان کے لئے فتنہ اور شک کا خوف محسوس کیا، تو انہوں نے ایسا جواب دیا جس میں توریہ تھا۔ آپ کی مراد یہ تھی، کہ اگر یہ لڑکا اپنی اکثر عمر کو پہنچ گیا تو یہ نہیں مرے گا۔ حتی کہ حاضرین پر ان کی قیامت قائم ہو جائے، کیونکہ ہر ایک کی موت اس کے لئے قیام قیامت ہے۔ یہ بات پہچان لی گئی، تو میں اس حدیث کے بارے عرض کروں گا۔

یہ روایت باللفظ نہیں ہے بلکہ یہ روایت بالمعنی ہے اور راوی کو وہم لاحق ہوا۔ نبی اکرم ﷺ نے توریہ پر مبنی کلام کیا تو سامع نے اس سے جو سمجھا وہ بیان کر دیا۔

ہمارے لئے اسی حدیث کا ایک دوسرا طریق معمر عن ثابت سے واضح ہے اس میں ''ان ابی و اباک فی النار'' مذکور نہیں ہے، اور اس روایت میں نبی اکرم ﷺ کے بارے قطعاً کسی قسم کا کوئی حکم ثابت نہیں ہوتا اور من حدیث الروایہ یہ اثبت ہے۔

کیونکہ معمر کے حافظہ میں کلام نہیں کیا گیا اور نہ ہی اس کی حدیث میں نکارت

ہے اور اس کے لئے تخریج پر شیخین متفق ہیں۔ اس کے لفظ اثبت ہیں۔ اس کے بعد ہم نے دیکھا، یہ ہی حدیث سعد بن ابی وقاص رضی اللہ تعالی عنہ سے بھی مروی ہے اس میں وہی الفاظ ہیں جو روایت معمر عن ثابت عن انس میں ہیں۔

بزار نے اپنی سند اور طبرانی نے ''المعجم الکبیر'' میں رجال الصحیح کے ساتھ حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ تعالی عنہ سے روایت کی ہے۔

ایک اعرابی نبی اکرم ﷺ کی بارگاہ میں حاضر ہوا۔ عرض کی یارسول اللہ صلی اللہ تعالی علیک وعلی آلک وسلم. میرا باپ کہاں ہے؟

فرمایا: جہنم میں۔

اس نے دوبارہ عرض کی، اور آپ کا باپ۔

فرمایا: تو جب بھی کسی کافر کی قبر کے قریب سے گزرے تو اسے دوزخ کی خوشخبری سنا۔

یہ حدیث صحیح ہے اور اس میں بہت سارے فوائد ہیں۔

۱۔ سائل اعرابی تھا اور اس کے بارے فتنہ اور ردت کا خدشہ تھا۔

۲۔ ایسا جواب جس میں ابہام اور توریہ تھا کیونکہ اس میں ہرگز صراحت نہیں کہ آپ کے والد گرامی جہنم میں ہیں۔ کیونکہ اسے ارشاد فرمایا۔

''جب تو کسی کافر کی قبر کے پاس سے گزرے تو اسے دوزخ کی خوشخبری دے''

اور اس جملہ میں مطابقتاً قطعاً اس امر پر دلالت نہیں ہے، اس سے یہ امر سیاق اور قرائن سے ہی سمجھا جا سکتا ہے۔ توریہ اور ابہام اسی طرح کے ہوتے ہیں۔ نبی اکرم ﷺ نے اس امر کو پسند نہ فرمایا کہ اس پر حقیقت حال کھول دیں اور اپنے والد گرامی کا اس کا برعکس محل بتا دیں کیونکہ اس کے ارتداد کا خطرہ تھا۔ کیونکہ نفس کی جبلت یہ ہے کہ وہ خود پر کسی کو ترجیح نہیں دیتا۔

اعراب کی عادت سے دلوں کی سختی اور جفا تھی، سواس کو ایسا جواب دیا جس میں اس کے دل کے لئے تطبیق کا ابہام تھا۔ حدیث کے طرق میں سے یہ طریق غایت اتقان میں ہے اس لئے بعض حفاظ نے کہا اگر ہم حدیث کو ساٹھ طریقوں سے نہ لکھیں ہم اسے نہ سمجھیں۔ یعنی اس کی اسناد اور الفاظ میں اختلاف روات کو۔

صیحین میں اس طریق کی احادیث کثیرہ واقع ہیں جن میں رواۃ کو الفاظ میں وہم لاحق ہوا ہے ان کو نقاد نے واضح کر دیا ہے۔

ان ہی سے بسم اللہ کی قرأت کی نفی میں حدیث مسلم ہے۔ امام شافعی نے اس میں تعلیل کی ہے اور فرمایا، دوسرے طریق سے بسم اللہ کا نصی سماع ثابت ہے۔ اس سے راوی نے نفی قراءت سمجھی اور اپنی سمجھ کے مطابق معناً روایت کر دی۔

اس وضاحت سے اسی جہت سے تعلیل حدیث ظاہر ہوگئی۔ حدیث کی صحت میں یہ اصلاً قدح نہیں بلکہ فقط لفظ میں ہے۔

اس طرح حدیث "اُمِّیْ مَعَ اُمِّکُمَا" ہے۔

اس کی ضعف اسناد کے باوجود اس سے ناری ہونا لازم نہیں آتا۔ جائز ہے کہ میت سے مراد میت فی البرزخ ہو یا کسی اور امر میں یہ انداز توریہ اور ابہام کا ان کے دلوں کی تطبیق کے لئے اپنایا ہو۔

اگر آپ یہ سوال کریں یہ بات طے شدہ ہے کہ اہل فترت کے جہنمی ہونے کا حکم امتحان سے قبل نہیں لگایا جا سکتا، تو نبی اکرم ﷺ نے سائل کے باپ پر یہ کیسے حکم لگا دیا کہ وہ جہنم میں ہے۔

میں عرض کروں گا کہ اس کے چار جواب مجھ پر منکشف ہوئے۔

پہلا جواب:

یہ حدیث ان احادیث سے متقدم ہے جو اہل فترت کے بارے وارد ہیں۔ پس یہ حدیث ان احادیث سے منسوخ ہوگی، جیسے کہ نبی اکرم ﷺ نے پہلے اطفال مشرکین کے جہنمی ہونے کی خبر دی۔ بعد میں یہ منسوخ ہو گیا۔

دوسرا جواب:

ہم اہل فترت کے حق میں عدم نار کا حکم قطعانہیں لگا سکتے، بلکہ ہم کہیں گے کہ ان کا امتحان لیا جائے گا۔ اگر انہوں نے اطاعت کی تو جنت میں جائیں گے، اور اگر نافرمانی کی تو جہنم میں جائیں گے۔ ممکن ہے کہ نبی اکرم ﷺ کو اس شخص کے بارے مطلع کر دیا گیا ہو کہ یہ امتحان کے وقت نافرمانی کرے گا اور جہنم میں جائے گا اس اطلاع کی بنا پر آپ ﷺ نے یہ حکم لگایا ہو کہ وہ جہنمی ہے۔

تیسرا جواب:

ممکن ہے کہ یہ شخص ان لوگوں میں سے ہو جو یثرب اور شام داخل ہوئے اور اہل کتاب کے ساتھ جمع ہوئے، ان کو حضرت عیسی اور موسی علیہما السلام کی دعوت پہنچی . یہ شرک پر مصر رہے۔ پس ان کے لئے کوئی عذر نہیں۔

چوتھا جواب:

ممکن ہے یہ شخص بعثت مصطفوی تک زندہ رہا ہو، اس تک دعوت پہنچی ہو، یہ کفر پر مصر رہ کر مر گیا ہو، ایسی صورت میں تو اس کے لئے قطعا کوئی عذر نہیں ہے۔

اگر آپ یہ سوال کریں کہ والدین کریمین بھی تو یثرب میں داخل ہوئے، یہود کے ساتھ اکٹھے ہوئے، تو ان کے لئے وہی کچھ ثابت ہوگا، جو آپ نے تیسرے جواب میں کہا

ہے۔

میں عرض کروں گا کہ اس کا بھی تین طریقوں سے جواب ہے۔

پہلی وجہ:

یہ امر ثبوت کا محتاج ہے کہ یہود نے ان کو دین کی دعوت دی ہو اور اس سلسلہ میں نقل نہیں ہے، ان دونوں کے بارے یہ تو یقیناً معلوم ہے کہ والدین کریمین مدینہ منورہ چند ایام ہی رہے جن میں اجتماع ممکن نہ تھا۔

حضرت عبد اللہ اپنے شام کے سفر میں اس سے گزرے اور واپس لوٹے تو اس (یثرب) میں داخل ہوئے اس وقت آپ بیمار تھے۔ ایک مہینہ مرض کی حالت میں قیام کیا اور وصال فرما گئے۔ اتنی سی مدت اور وہ بھی بیماری کی حالت میں، تو ممکن نہیں کہ کسی سے اس سلسلہ میں اجتماع ہوا ہو اور آپ نے دین کے بارے سوال کیا ہو۔

اور سیدہ آمنہ، مدینہ طیبہ اپنے رشتہ داروں سے ملاقات کے لئے آئیں۔ ایک مہینہ قیام کیا نبی اکرم ﷺ بھی آپ کے ساتھ تھے، پھر واپس لوٹیں اور رستہ ہی میں وصال فرما گئیں۔

دوسری وجہ:

اس سے کیا مانع ہے کہ ان کو دین کی دعوت دی گئی اور انہوں نے قبول کر لی ہو، اگرچہ دونوں امروں میں کچھ بھی منقول نہیں ہے۔ تو امتناع کیسے ان کی طرف منسوب ہو سکتا ہے، جبکہ اہل کتاب، کہان اور دوسرے علماء میں یہ بات عام تھی کہ ان کے فرزند کو نبوت عطا ہو گی۔ ان دونوں نے اس بات کی تصدیق کی، اس سے خوش ہوئے اور نبی اکرم ﷺ کی والدہ کو تو ولادت سے پہلے، ولادت کے وقت اور ولادت کے بعد اس سعادت کی خوشخبری دی

گئی۔آپ نے اس کی تصدیق کی اور اپنے وصال کے وقت سابق میں ذکر کردہ اشعار کہے۔ کیاان کی طرف شرک منسوب ہوگا جب کہ ان کو خبر مل چکی تھی کہ ان کے فرزند کو اللہ تعالیٰ توحید اور کسر اصنام کے ساتھ مبعوث فرمائے گا۔ان دونوں نے اس کی تصدیق کی تو کیا اسلام اس تصدیق کے علاوہ کسی اور چیز کا نام ہے۔

تیسری وجہ:

ہم یہ دعویٰ کرتے ہیں کہ وہ اول امر سے ہی حنفیت اور دین ابراھیم پر تھے۔ دونوں نے کبھی بت پرستی نہ کی۔عنقریب ہم اس کو ثابت کریں گے۔

تذنیب:

والدین کریمین کے بارے لطائف میں سے ہے کہ دونوں جوانی کی حالت میں وصال فرما گئے تھے۔ایسی عمر کو نہ پہنچے کہ ان پر حجت قائم ہو سکے جس طرح کہ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا!

﴿اَوَلَمْ نُعَمِّرْ كُمْ مَّا يَتَذَكَّرُ فِيْهِ مَنْ تَذَكَّرَ﴾

۳۷_فاطر_۳۵

ترجمہ:

کیا ہم نے تمہیں اتنی لمبی عمر نہ دی تھی جس میں (بآسانی) نصیحت قبول کر سکتا جو نصیحت قبول کرنا چاہتا۔

ایک قول اس میں چالیس سال کا ہے۔دوسرا قول اس ضمن میں ساٹھ سال کا ہے۔

حدیث پاک میں ہے، جس شخص کو اللہ تعالیٰ نے ساٹھ سال زندہ رکھا، اس سے عذر کو ختم کر دیا۔

اور اثر میں ہے۔ کہ چالیس سال کے شخص پر اللہ تعالیٰ کی حجت قائم ہوگئی۔ نبی اکرم ﷺ کے والد گرامی کی وقت وصال عمر شریف پچیس سال تھی۔ اسی طرح امام واقدی نے کہا ہے کہ آپ کی عمر کے بارے یہی قول زیادہ ثابت ہے، اور والدہ ماجدہ کہ عمر بھی وقت وصال اسی کے قریب تھی۔

فصل:

اس میں اس امر پر دلیل ہے کہ نبی اکرم ﷺ کے والدین کریمین اور اجداد پاک حضرت ابراھیم علیہ السلام تک متحف اور دین ابراھیم پر تھے، اور عربوں کی عادت پر بت پرست نہ تھے۔

ابن جریر نے اپنی تفسیر میں مجاھد سے روایت کیا ہے، اللہ تعالیٰ کے اس فرمان عالی شان کے تحت روایت کیا ہے۔

﴿وَاِذْقَالَ اِبْرَاهِيْمُ رَبِّ اجْعَلْ هٰذَا الْبَلَدَ اٰمِنًا وَّاجْنُبْنِیْ وَبَنِیَّ اَنْ نَّعْبُدَ الْاَصْنَامَ﴾

۳۵۔ابراھیم۔۱٤

ترجمہ:

اور یاد کیجئے جب ابراھیم نے کہا، اے میرے رب اس شہر کو امن والا بنا اور مجھے اور میرے بیٹوں کو بت پرستی سے محفوظ فرما۔

فرمایا: کہ اللہ تعالیٰ نے ان کی دعا کو ان کی اولاد کے حق میں قبول فرمایا۔ اس دعا کے بعد آپ کی اولاد سے کسی نے کبھی بت پرستی نہ کی۔

ابن ابی حاتم نے اپنی تفسیر میں سفیان بن عینیہ سے روایت کیا ہے۔

آپ سے سوال کیا گیا، کیا حضرت اسمعیل علیہ السلام کی اولاد سے کسی نے بت پرستی

کی؟ فرمایا نہیں کیا تو نے سنا نہیں اللہ تعالیٰ کا فرمان۔

﴿وَاجۡنُبۡنِیۡ وَبَنِیَّ اَنۡ نَّعۡبُدَ الۡاَصۡنَامَ﴾

۳۵۔ابراھیم،۱٤

ترجمہ:

اور مجھے اور میرے بیٹوں کو بت پرستی سے محفوظ رکھ۔

ابن المنذر نے اپنی تفسیر میں ابن جریج سے اللہ تعالیٰ کے فرمان عالی شان۔

﴿رَبِّ اجۡعَلۡنِیۡ مُقِیۡمَ الصَّلٰوۃِ وَمِنۡ ذُرِّیَّتِیۡ﴾

٤٠۔ابراھیم،۱٤

ترجمہ:

اے میرے رب! مجھے اور میری ذریت کو نماز قائم کرنے والا بنا۔

کے تحت روایت کیا ہے۔

حضرت ابراھیم کی اولاد سے ہمیشہ ایسے لوگ رہے جو اللہ تعالیٰ کی عبادت کرتے تھے۔

میں کہتا ہوں خداوند قدوس کا فرمان

﴿وَتَقَلُّبَکَ فِی السّٰجِدِیۡنَ﴾

۲۱۹۔الشعراء،۲٦

ترجمہ:

اور آپ کا پلٹنا سجدہ گزاروں میں۔

ایک نبی سے دوسرے نبی تک، اور ایک نبی سے دوسرے نبی تک، حتی کہ میں نبی بن کر ظاہر ہوا

سو آپ نے نبی اکرم ﷺ کے تقلب فی الساجدین سے تقلب فی اصلاب الانبیاء مراد لیا ہے۔

یہ بھی ممکن ہے کہ اس سے عام معنی مراد لیا جائے اور ''وہ نماز ادا کرنے والے'' ہیں اس طرح کے لوگ ہمیشہ ذریت ابراھیم علیه الصلوة والسلام پر رہے۔ اگر یہ صحیح ہو کہ نبی اکرم ﷺ کے اجداد میں زیادہ انبیاء نہ تھے بلکہ یہ حضرت اسمعیل، ابراھیم، نوح، شیث اور حضرت آدم علیھم السلام ہیں ایک قول یہی ہے۔

فصل:

اسی امر بالا پر یہ فرمان نبوی بھی دلالت کرتا ہے۔

میں قرنا بعد قرن بنی آدم کے بہترین زمانوں میں مبعوث ہوتا رہا ہوں، حتی کہ اس زمانہ میں مبعوث ہوا جس میں موجود ہوں۔

اس حدیث کو امام بخاری نے حضرت ابو ھریرہ رضی اللہ تعالی عنه سے روایت کیا ہے۔

اور یہ بھی کہ خداوند قدوس نے حضرت ابراھیم علیہ السلام کی اولاد سے حضرت اسمعیل کا انتخاب کیا، حضرت اسمعیل کی اولاد سے بنو کنانہ کا انتخاب کیا، بنو کنانہ سے قریش کا انتخاب کیا اور قریش سے بنو ھاشم کا۔

اس کو امام مسلم نے حدیث وائلہ سے روایت کیا ہے۔

خیریت اور اصطفاء اسلام کی طرف مشعر ہے۔

استدلال میں دوسرا طریقہ:

امام احمد نے ''الزھد'' میں اور خلال نے کتاب ''کرامات الاولیاء'' میں سند صحیح کے ساتھ شرط شیخین پر حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالی عنھما

سے روایت کیا ہے۔

حضرت نوح علیہ السلام کے بعد زمین کبھی بھی سات ایسے افراد سے خالی نہیں رہی جن کے سبب سے خداوند قدوس اہل دنیا سے مصائب کو دور کرتا رہا ہے۔

ابن جویر نے اپنی تفسیر میں شھر بن حوشب سے روایت کیا ہے۔

زمین پر ہمیشہ (کم از کم) چودہ افراد ایسے رہے ہیں، جن کی برکت سے اللہ تعالیٰ اہل زمیں سے عذاب دور کرتا رہا ہے، مگر حضرت ابراھیم علیہ السلام کے وقت میں صرف وہی تھے۔

امام احمد نے "الزھد" میں حضرت کعب رضی اللہ تعالی عنہ سے روایت کیا ہے۔

حضرت نوح علیہ السلام کے زمانہ کے بعد زمین پر چودہ افراد ایسے رہے ہیں جن کے سبب سے اللہ تعالیٰ عذاب کو دفع کرتا رہا ہے۔

خلال نے "کرامات الاولیاء" میں زاذان سے روایت کیا ہے۔

حضرت نوح علیہ السلام کے بعد زمین پر کم از کم بارہ افراد ایسے رہے ہیں، جن کی برکت سے اللہ تعالیٰ اہل زمین سے عذاب دور کرتا رہا ہے۔

یہ آثار اور بطور خاص ابن جریح کا اثر کہ "ذریت ابراھیم علیہ السلام سے ہمیشہ کچھ لوگ اللہ تعالیٰ کی عبادت کرنے والے رہے ہیں"۔

اس امر پر دلالت کرتے کہ نبی اکرم ﷺ کے اجداد کرام ہمیشہ حنفیّت پر قائم رہے ہیں۔

اس کی وضاحت کچھ اس طرح ہے کہ۔

اگر وہ کفر پر ہوں تو دو حال سے خالی نہیں، یا تو یہ وہ لوگ ہوں گے جو فطرت پر قائم رہے اور ان کے سبب روئے زمین سے عذاب دور ہوتا رہا، یا اس طرح کے نہ ہوں، دوسرا احتمال باطل ہے کیونکہ اس سلسلہ میں وارد ہونے والے صحیح آثار کے مخالف ہے۔ اور اول بھی باطل ہے، کیونکہ اس سے لازم آئے گا کہ ان کے غیر ان سے بہتر ہوں، کیونکہ کافر مسلمان سے بہتر نہیں ہو سکتا۔

اور یہ امر حدیث بخاری کے مخالف ہے جو اس فصل کا مصدر ہے اور وہ یہ ہے کہ نبی اکرم ﷺ ہمیشہ خیر قرن میں مبعوث ہوتے رہے۔

یہ امر اس پر دلالت کرتا ہے کہ آپ ﷺ کے اصول میں سے ہر اصل خیر القرن ہو، اور یہ امر کیسے ممکن ہے کہ کسی قرن میں مسلمان بھی ہو اور خیر القرن کافر ہو، پس یہ امر متعین ہو گیا کہ تمام اجداد کرام مسلمان تھے۔

اور احادیث متواترہ حدیث بخاری کے معنی میں ہیں۔

امام بیہقی نے ''دلائل النبوۃ'' میں حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کیا ہے۔

نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا!

جب بھی لوگوں کے دو گروہ ہوئے، اللہ تعالیٰ نے مجھے ان کے بہتر میں رکھا۔ میں اپنے والدین کریمین سے ظاہر ہوا، مجھے کوئی امر عہد جاہلیت سے لاحق نہیں ہوا۔ میں ہمیشہ نکاح سے پیدا ہوا ہوں، کبھی بھی بدکاری سے نہیں۔ حضرت آدم علیہ السلام سے لے کر اپنی والدہ ماجدہ تک۔ سو میں تم سے ذات کے اعتبار سے بھی بہتر ہوں۔

ابو نعیم نے ''دلائل النبوۃ'' میں حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ

عنہ سے روایت کیا ہے۔

نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا۔

میرے والدین بدکاری پر نہیں ملے۔ خداوند قدوس ہمیشہ مجھے مصفی، مہذب، پاک پشتوں سے پاک رحموں کی طرف منتقل کرتا رہا۔ جب بھی دو گروہ ہوئے، میں ان میں سے بہتر میں ہوتا۔

ابن سعد نے حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالی عنہ سے روایت کیا ہے۔

عربوں میں بہتر مضر ہیں۔ مضر میں بہتر بنو عبد مناف ہیں۔ بنو عبد مناف میں بہتر بنو ھاشم ہیں۔ بنو ھاشم میں بہتر عبد المطلب ہیں۔

اللہ تعالیٰ کی قسم، حضرت آدم علیہ السلام سے لے کر جب بھی دو گروہ ہوئے، میں ان کے بہتر میں تھا۔

اسی معنی میں احادیث کثیرہ وارد ہیں۔ ان کو میں 'کتاب المعجزات' کے اول میں وارد کیا ہے۔

ابن ابی عمر المدنی نے اپنی مسند میں حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالی عنھما سے روایت کیا ہے۔

قریش حضرت آدم علیہ السلام کی تخلیق سے دو ہزار سال پہلے بارگاہ الوہیت میں ایک نور تھے۔ یہ نور اللہ تعالیٰ کی تسبیح بیان کرتا، اس کی تسبیح کے ساتھ فرشتے تسبیح کرتے جب اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کو پیدا کیا تو یہ نور ان کی پشت میں رکھا۔

نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا!

خداوند قدوس نے حضرت آدم علیہ السلام کی پشت میں مجھے زمین کی طرف

نازل کیا، پھر مجھے حضرت نوح علیہ السلام کی پشت میں رکھا، پھر میں اصلاب کریمہ اور ارحام طاہرہ کی طرف منتقل ہوتا رہا یہاں تک کہ اپنے حقیقی والدین سے ظہور پذیر ہوا میرے والدین کبھی بھی سفاح پر اکٹھے نہ ہوئے۔

امام بیہقی نے ''دلائل النبوۃ'' میں اور طبرانی نے ''اوسط'' میں سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالی عنہا سے روایت کیا ہے۔

نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا۔

مجھ سے جبرئیل امین نے عرض کی۔ میں نے زمین کے مشرق ومغرب چھان مارے، مگر کوئی شخص محمد عربی ﷺ سے بہتر نہیں پایا۔ نہ کسی باپ کا بیٹا ھاشم سے بہتر پایا۔

حافظ ابن حجر نے اپنی ''امالی'' میں اس حدیث کو وارد کرنے کے بعد کہا، اس متن کے صفحات پر صحت کی علامات ظاہر ہیں۔

فصل:

امام اھل السنۃ شیخ ابو الحسن اشعری نے کہا۔

اور ابو بکر رضی اللہ تعالی عنہ ... عین الرضی ہمیشہ ان کے ساتھ رہی

اس کلام کی مراد میں لوگوں نے اختلاف کیا۔

بعض نے کہا کہ امام اشعری کہتے ہیں۔ ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالی عنہ بعثت سے پہلے ہی مسلمان تھے۔

دوسروں نے کہا۔ کہ آپ بھی ایسی حالت میں نہ ہوئے کہ ان پر اللہ تعالیٰ کا غضب ہو، کیونکہ اللہ تعالیٰ جانتا تھا کہ وہ ابرار کا خلاصہ ہوں گے۔

شیخ تقی الدین سبکی نے کہا۔ اگر امام اشعری کی یہی مراد ہو، تو اس امر

میں وہ اور بقیہ صحابہ برابر ہیں۔اور کیا وہ عبارت جو آپ نے صدیق اکبر کے حق میں کہی ہے آپ کے سوا کسی اور کے حق میں نہیں کہی گئی۔

صواب یہ ہے کہ کہا جائے، کہ بعثت سے پہلے بھی صدیق اکبر نے کفر کا ارتکاب نہیں کیا جیسے زید بن عمرو بن نفیل اور ان کے امثال۔اسی وجہ سے مذکورہ ذکر کے ساتھ جملہ صحابہ کرام میں صدیق اکبر کا ذکر کیا گیا۔

میں کہتا ہوں جو امام سبکی نے صدیق اکبر کے حق میں کہا، وہی ہم نبی اکرم ﷺ کے آباء کرام اور اجداد کرام کے بارے کہتے ہیں۔حالانکہ صدیق اکبر اور زید بن عمرو بن نفیل کو زمانہ جاہلیت میں تحنف نبی اکرم ﷺ کی برکت سے حاصل ہوا۔ کیونکہ دونوں بعثت سے پہلے نبی اکرم ﷺ کے دوست تھے اور ان سے بہت زیادہ محبت کرتے تھے۔

فصل:

جنہوں نے نبی اکرم ﷺ کے اجداد کرام کے اسلام پر صریح نص وارد کی۔

ابن حبیب نے اپنی ''تاریخ'' میں حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالی عنہما سے روایت کیا ہے۔

عدنان، معد، ربیعہ، مضر، خزیمہ اور اسد ملت ابراہیمی پر تھے۔ان کا ذکر ہمیشہ خیر کے ساتھ کرو۔

امام سہیلی نے ''الروض الانف'' میں کہا۔

نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا

الیاس کو گالی نہ دو۔علیہ السلام۔وہ مومن تھے۔اور حج کے موقع پر نبی اکرم

ﷺ کی تلبیہ اپنی پشت میں سنتے تھے۔

زبیر بن بکار نے مرفوعاروایت کیا ہے۔

مضر اور ربیعہ کو گالی نہ دو۔ وہ دونوں اہل ایمان تھے۔

ابن سعد نے ''الطبقات'' میں کہا۔

اخبرنا خالد بن خداش حدثنا عبد اللہ بن ابن وھب اخبرنی سعد بن ابی ایوب عن عبد اللہ بن خالد ..رضی اللہ تعالی عنہ

نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا۔

مضر کو گالی نہ دو، وہ مسلمان تھے۔

امام سھیلی نے ''الروض الانف'' میں کہا، کعب بن لوی وہ پہلے شخص تھے جنہوں نے جمعہ کے دن اجتماع کیا۔ قریش اس دن ان کے پاس جمع ہوتے تھے۔ وہ ان سے خطاب فرماتے۔ نبی اکرم ﷺ کی بعثت کا ذکر کرتے۔ ان کو آگاہ کرتے کہ وہ ان کی اولاد سے ہوں گے۔ ان کی اتباع اور ان پر ایمان لانے کا قریش کو حکم دیتے۔ اس سلسلہ میں آپ اشعار پڑھتے، ان میں سے ایک یہ ہے۔

اے کاش میں نجواء پر اس دعوت کے وقت موجود ہوتا۔ جب قریش حق کی رسوائی کا ارادہ کریں گے۔

امام وردی نے یہی خبر کعب سے ''کتاب الاحکام'' میں روایت کی ہے (انتھی)

اسے امام ابو نعیم نے اپنی سند کے ساتھ ''دلائل النبوۃ'' میں ابو سلمہ ابن عبد الرحمن بن عوف سے روایت کیا ہے۔ اس کے آخر میں ہے۔

کعب کے وصال اور مبعث النبی ﷺ کے درمیان پانچ سو ساٹھ سال ہیں۔

ان ہی کے الفاظ کے ساتھ میں اس خبر کو ''کتاب المعجزات'' کی ابتداء میں لایا ہوں۔

فصل:

ابن سعد نے ''الطبقات'' میں حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالی

عنہما سے روایت کیا ہے۔

جب ابرھہ کا لشکر آیا۔ حضرت عبد المطلب نے کوہ ابو قبیس پر چڑھ

کر یہ اشعار کہے:

۱۔ اے اللہ! آدمی اپنے گھر کی حفاظت کرتا ہے۔ تو بھی اپنے گھر کی حفاظت کر۔

۲۔ آج ان کی صلیب اور قوت کہیں تیری قوت پر غالب نہ آجائے۔

ایک جماعت نے یہ الفاظ بھی وارد کیے ہیں۔

۳۔ آج اپنے پرستاروں کو صلیب کی محبت اور عبادت کرنے والوں پر غالب کردے۔

یہ ان کی حنفیت پر دلالت ہے، کیونکہ انہوں نے صلیب اور اس کے پرستاروں سے

براءت کا اظہار کیا۔

''طبقات ابن سعد'' میں ان کی اسانید سے ہے۔

عبد المطلب نے ام ایمن کو ایک بار نصیحت کی۔ یہ نبی اکرم ﷺ کو کھیلاتی تھی

اے برکت! میرے فرزند سے غافل نہ ہونا۔ میں نے ان کو وادی کے کنارے

بچوں کے ساتھ پایا ان کو دیکھ کر اہل کتاب کہتے تھے۔

میرا بیٹا اس ملت کا نبی ہے۔

فصل:

وہ لوگ جو جاہلیت میں متحنف تھے۔

بزار اور حاکم نے "مستدرک" میں سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالی عنہا سے روایت کیا ہے۔

حاکم نے اس روایت کو صحیح قرار دیا ہے۔

نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا۔

ورقہ بن نوفل کو گالی نہ دو۔ میں ان کے لئے ایک یا دو جنتیں دیکھتا ہوں۔

بزار نے حضرت جابر رضی اللہ تعالی عنہ سے روایت کیا ہے۔

ہم نے نبی اکرم ﷺ سے زید بن عمرو بن نفیل کے بارے سوال کیا، عرض کی، یارسول اللہ ﷺ! وہ دور جاہلیت میں خانہ کعبہ کی طرف منہ کرتے تھے۔ وہ کہتے تھے دین ابراھیم میرا دین ہے ابراھیم کا معبود میرا معبود ہے اور وہ سجدہ کرتے۔

نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا۔

(قیامت کے دن) وہ میرے اور حضرت عیسی علیہ السلام کے درمیانی عرصہ کی ایک امت کی صورت میں اٹھے گا۔

ہم نے اسی طرح نبی اکرم ﷺ سے ورقہ بن نوفل کے بارے سوال کیا۔ عرض کی، یارسول اللہ ﷺ! وہ قبلہ کی طرف رخ کرتے اور کہتے کہ زید کا معبود ہی میرا معبود ہے اور انکا دین میرا دین ہے۔

نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا۔

میں دیکھتا ہوں کہ وہ ریشمی لباس پہنے جنت کے درمیان چل رہے ہیں۔

ابو نعیم نے ''دلائل'' میں حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالی عنہ سے روایت کیا ہے۔

سوق عکاظ میں قیس بن ساعدۃ اپنی قوم سے خطاب کرتے تھے۔ اپنے خطبہ میں فرماتے، اس طرف سے حق آئے گا اور اپنے ہاتھ سے مکہ کی طرف اشارہ کرتے لوگ کہتے، حق کیا ہے؟

وہ کہتے لؤی بن غالب کی اولاد سے ایک شخص جو تمہیں توحید جاوید زندگانی اور غیر فانی جنت کی طرف بلائے گا اگر وہ تمہیں دعوت دے تو ضرور لبیک کہنا۔ اگر میں ان کی بعثت تک زندہ رہا تو سب سے پہلے اس امر کی طرف سبقت کروں گا۔

ابو نعیم نے عمرو بن عبسہ سلمی سے روایت کیا ہے۔

اس نے کہا کہ میں نے جاہلیت میں اپنی قوم کے معبود سے منہ پھیر لیا اور جان لیا کہ یہ باطل ہے۔ وہ پتھروں کی عبادت کرتے ہیں۔

ابو نعیم نے عبد اللہ بن سلام رضی اللہ تعالی عنہ سے روایت کیا ہے۔

تبع نہیں مرا، یہاں تک کہ اس نے نبی اکرم ﷺ کی تصدیق کر دی جب کہ یہود یثرب۔۔

حدیث: تبع کو گالی نہ دو وہ مسلمان تھے۔

خرائطی نے اور ابن عساکر نے اپنی ''تاریخ'' میں جامع سے روایت کیا ہے۔ اوس ابن الحارثہ دعوت حق اور نبی اکرم ﷺ کا ذکر کیا کرتے اور اپنے بیٹے مالک کو اسی امر کی وصیت کرتے۔

میں نے اس ساری روایت کو ''المعجزات'' میں ذکر کیا ہے۔

امام بیہقی اور امام ابو نعیم نے ''دلائل میں طریق شعبی سے شیخ

جھنی سے روایت کی۔

عمرو بن حبیب الجھنی نے جاہلیت میں شرک ترک کر دیا تھا۔ اللہ تعالیٰ کی عبادت کی اسلام تک زندہ رہا۔

میں نے اس روایت کو بھی بتمامہ ''المعجزات'' میں ذکر کیا ہے۔

طبرانی نے ''الکبیر'' میں ثقہ رجال سے غالب بن ابجر رضی اللہ تعالی عنه سے روایت کیا ہے۔

نبی اکرم ﷺ کی بارگاہ میں قیس کا ذکر ہوا، تو فرمایا اللہ تعالیٰ اس پر رحم کرے۔ عرض کی گئی یارسول اللہ صلی اللہ علیک وسلم کیا آپ قیس کے لئے رحمت کے طلبگار ہیں؟ فرمایا: وہ ہمارے اجداد حضرت اسمعیل وحضرت ابراھیم علیھما السلام کے دین پر تھا۔

فصل:

امام شھرستانی نے ''الملل والنحل'' میں کہا۔

عرب کی دو قسمیں تھیں۔ معطلہ اور محصلہ۔

معطلہ کی کئی اصناف تھیں، ان میں سے کچھ ایسے لوگ تھے جو خالق اور حشر ونشر کے منکر تھے۔ یہ طبع کو محیی اور زمانہ کو مفنی تسلیم کرتے تھے۔ انہی کے بارے اللہ تعالیٰ نے یہ خبر دی

﴿وَقَالُوا مَا هِيَ اِلَّا حَيَاتُنَا الدُّنْيَا نَمُوتُ وَنَحْيَا وَمَا يُهْلِكُنَآ اِلَّا الدَّهْرُ﴾

٢٤_الجاثیه_٤٥

ترجمه:

اور انہوں نے کہا۔ صرف ہماری دنیوی زندگی ہے۔ ہم مریں گے اور جیئیں گے اور

ہمیں تو زمانہ ہلاک کرتا ہے۔

ان میں کچھ لوگ خالق، ابتداء اور ابداع کے قائل تھے۔ مگر حشر ونشر کے منکر تھے۔

اللہ تعالیٰ نے ان کی اس طرح خبر دی۔

﴿قَالَ مَنْ يُحْيِ الْعِظَامَ وَهِيَ رَمِيمٌ﴾

۷۸۔یٰس۔۳۶

ترجمہ:

کہا: کون ہڈیوں کو زندہ کرے گا جب وہ بوسیدہ ہو چکی ہوں گی۔

ان میں کچھ لوگ خالق ابداع اور ایک طرح کے اعادہ کے قائل تھے، مگر رسولوں کے منکر اور بت پرست تھے۔ ان کو اللہ تعالیٰ کے حضور آخرت میں شفیع سمجھتے تھے عرب میں اکثر لوگ اسی طرح کے تھے۔

رہے محصلہ تو وہ بھی علوم کی تین نوع پر تھے۔

پہلی قسم: انساب، تواریخ اور ادیان کا علم: اس علم کو وہ نوع شریف شمار کرتے تھے۔ خصوصا نبی اکرم ﷺ کے اجداد کی معرفت اور اس نوع پر اطلاع جو حضرت ابراھیم سے حضرت اسمعیل کی طرف وارد ہوا، اور ان کی ذریت میں منتقل ہوتا رہا۔ یہاں تک کہ حضرت عبد المطلب کی پیشانی سے ظاہر ہوا، اسی نور کی برکت سے ان کو اپنے بیٹے کے ذبح کرنے کی بجائے نذر کا الہام ہوا۔ یہ اسی نور عظیم کی برکت تھی کہ آپ اپنے بیٹے کو ظلم وبغی سے پرہیز کا حکم دیتے مکارم اخلاق کی ترغیب دیتے، گھٹیا امور سے روکتے اور اسی نور کی ہی برکت تھی کہ آپ نے ابرھہ سے کہا۔

اس گھر کا کوئی مالک ہے وہ خود اس کی حفاظت کرلے گا اور اسی نور کی برکت سے

کوہ ابو قبیس پر یہ اشعار کہے۔

اے اللہ ہر شخص اپنے گھر کی حفاظت کرتا ہے تو بھی اپنے گھر کی حفاظت کر۔

کہیں ان کی صلیب اور قوت تیری قوت پر غالب نہ آجائے۔

اسی نور کی ہی برکت تھی کہ آپ اپنے وصایا میں کہا کرتے تھے۔

ظالم لوگ اپنے ظلم کا بدلہ دیئے بغیر اس دنیا سے نہیں جائیں گے۔ پھر جب ایک ظالم شخص جب ظلم کا بدلہ دیئے بغیر اس دنیا سے رخصت ہوا، تو اس کے بارے عبد المطلب سے سوال کیا گیا۔ آپ نے تھوڑی دیر غور و فکر کیا اور فرمایا:

خدا کی قسم اس دنیا کے پیچھے ایک اور جہان ہے، جہاں محسن کو اس کے احسان پر جزا مل کر رہے گی اور بدکار کو اس کی سزا مل کر رہے گی۔

ان امور سے جو آپ کے معاد و مبداء کے اثبات پر دلالت کرتے ہیں، ایک یہ ہے کہ آپ اپنے بیٹے عبد اللہ سے قدح کرتے ہوئے فرماتے:

اے میرے پروردگار! تو ملک محمود ہے، تو ہی میرا پروردگار ملک المعبود ہے، تیری ہی طرف سے نیا اور پرانا ہے۔

جب اہل مکہ قحط سالی میں مبتلا ہوئے، تو ان کو عبد المطلب نے حکم دیا کہ نبی کونین ﷺ کے پاس جاؤ اور ان کی برکت سے بارش طلب کی اور اس ضمن میں یہ شعر کہے چاندرو ہیں، ان کے چہرے سے بارش طلب کی جاتی ہے، یتیموں کی پناہ گاہ اور بے سہاروں کا سہارا ہیں۔

یہ امر آپ کی حالت رسالت اور شرف نبوت کی معرفت پر دلالت کرتا ہے۔

دوسری قسم: علم الرؤیا۔

تیسری قسم: علم الانواع۔ یہ کہانت اور قیافہ کا علم ہے۔

عرب میں کچھ لوگ ایسے تھے جو اللہ تعالیٰ اور یوم آخرت پر ایمان رکھتے، نبوت کا انتظار کرتے ان کے لئے سنن اور شرائع تھے جو لوگ دین حنیفی پر اعتقاد رکھتے تھے۔ وہ زید بن عمرو بن نفیل، قس بن ساعدہ الایادی اور عامر بن الظرف العدوانی ہیں۔

قیس بن عاصم تمیمی، صفوان بن امیہ الکنانی اور عفیف بن معدی کرب الکندی نے زمانہ جاہلیت میں شراب کو حرام کر رکھا تھا۔

طالح بن ثعلب بن وبرہ بن قضاعہ خالق اور خلق آدم علیہ السلام پر ایمان رکھتے تھے ان سے زھیر بن ابی سلمی ہیں۔

وہ ایک بڑے کانٹے دار درخت کے قریب سے گزر رہے تھے جو سوکھنے کے بعد برگ و بار آور ہوا تھا اور کہہ رہے تھے، اگر عرب مجھے برا بھلا نہ کہتے تو میں اس ذات پر ایمان لے آتا جس نے سوکھنے کے بعد تجھے زندہ کر دیا وہ بوسیدہ ہڈیوں کو بھی زندہ کر دے گا۔

پھر اس کے بعد بعثت پر ایمان لے آئے۔ انہوں نے اپنے مشہور قصیدہ میں کہا۔

وہ مؤخر کرتا ہے، ایک کتاب میں محفوظ کر لیتا ہے، پھر ان کا قیامت کے دن کے لئے ذخیرہ کر لیتا ہے۔ یا جلدی کرتا ہے، تو انتقام لیتا ہے۔

بعض عرب اپنی موت کے وقت اپنی اولاد سے کہتے، مجھے میری سواری کے ساتھ دفن کرنا، تاکہ میں اس پر اٹھوں، اگر تم نے ایسا نہ کیا تو مجھے اپنی ٹانگوں پر اٹھنا پڑے گا۔

قرآن حکیم میں حرام کردہ اشیاء کو انہوں نے حرام کر رکھا تھا جیسے ماؤں، بیٹیوں، بہنوں، چچیوں اور پھوپھیوں سے نکاح۔ یہ طواف کرتے، سعی کرتے، تلبیہ کہتے، سارے مناسک ادا کرتے، ہدایا بھیجتے، رمی جمار کرتے، حرمت والے مہینوں کی تعظیم کرتے، غسل

کرتے اور مُردوں کو غسل دیتے، ان کو کفن دیتے۔ ان دس فطری امور کی طہارت پر مدامت کرتے جن کے ساتھ حضرت ابراھیم علیہ السلام کو آزمایا گیا تھا۔ وعدوں کو پورا کرتے، مہمان نوازی کرتے، چور کا ہاتھ کاٹتے، صدر عرب میں دین ابراھیم قائم تھا اور توحید عام تھی

سب سے پہلے جس نے اس کو بدلا، اور بت پرستی کو رائج کیا، وہ عمرو بن لحی تھا۔ یہ سارا شہرستانی کا کلام تھا۔

ابن جوزی نے "تلقیح" میں ان لوگوں کے نام گنوائے ہیں جنہوں نے دور جاہلیت میں بت پرستی سے اجتناب کر رکھا تھا۔

ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ، زید بن عمرو بن نفیل، عبداللہ بن جحش، عثمان بن الحویرث، ورقہ بن عمرو بن نوفل، رباب بن البراء، ابو بکر اسعد الحمیری، قس بن ساعدہ الایادی اور ابو قیس بن صرمہ۔

فصل:

اس کے بعد میں نے دیکھا کہ امام فخر الدین رازی نے نبی اکرم ﷺ کے آباء کرام کی توحید پر ہی دلائل دئے جو میں نے دیئے تھے۔ انہوں نے اپنی کتاب "اسرار التنزیل" میں کہا ہے، جس کی عبارت یہ ہے۔

آزر حضرت ابراھیم علیہ السلام کے والد نہ تھے بلکہ چچا تھے۔

اس پر کئی وجوہ سے علماء نے حجت پیش کی۔

ا۔ آباء انبیاء علیہا السلام کفار نہ تھے۔ آپ نے اس امر پر کئی وجوہ سے استدلال کیا۔

فرمان خداوند قدوس

﴿اَلَّذِیۡ یَرٰىکَ حِیۡنَ تَقُوۡمُ ۙ وَ تَقَلُّبَکَ فِی السّٰجِدِیۡنَ ﴾

۲۱۹_الشعرا_۲۶

ترجمہ:

وہ آپ کا کھڑا ہونا اور سجدہ گزاروں میں منتقل ہونا دیکھتا رہتا ہے۔

اس کے معنی میں ایک قول یہ ہے کہ

نبی اکرم ﷺ کا نور اطہر ساجد سے ساجد کی طرف منتقل ہوتا رہا ہے۔ اس تقدیر پر یہ آیت دلالت کرتی ہے کہ نبی اکرم ﷺ کے تمام آبائے کرام مسلمان تھے اور اس معنی پر یہ قطعاً واجب ہے کہ والد ابراہیم علیہ السلام ہرگز کافروں سے نہیں تھے۔

زیادہ سے زیادہ یہی ہے کہ آیت مذکورہ کو دوسری وجوہ پر محمول کیا جائے۔ جب سب میں روایات وارد ہیں اور ان کے مابین منافات بھی نہیں، تو تمام وجوہ پر آیت کا حمل واجب ہے جب یہ صحیح ہے تو ثابت ہوگیا کہ والد ابراہیم علیہ السلام بت پرستوں سے نہ تھے۔

۲۔ فرمان مصطفیٰ علیہ التحیہ والثناء

میں ہمیشہ پاک پشتوں سے پاک رحموں کی طرف منتقل ہوتا رہا ہوں۔

فرمان خداوند قدوس

﴿اِنَّمَا الْمُشْرِكُوْنَ نَجَسٌ﴾

۲۸_التوبہ_۹

ترجمہ:

مشرکین تو فقط پلید ہیں۔

اس حدیث وجملہ قرآن کا نتیجہ یہ ہے کہ آباء کرام ہرگز مشرک نہ تھے۔

یہ سارا امام صاحب کا کلام ہے۔

صواب کا بہتر علم اللہ تعالیٰ کے پاس ہے۔اس کی طرف لوٹنا ہے۔

نشر العلمین المنیفین

فی

احیاء الابوین الشریفین

تصنیف

شیخ الاسلام امام جلال الدین سیوطی علیہ الرحمہ

ترجمہ

ساجد الهاشمی

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡم

تمام تعریفیں اللہ تعالیٰ کے لئے ہیں۔اور وہی کافی ہے، سلام اس کے منتخب بندوں پر۔اس کتاب کا نام ''نشر العلمین المنیفین فی احیاء الابوین الشریفین'' ہے۔

اللہ تعالیٰ نے ہمارے نبی اکرم ﷺ سے حکایت کرتے ہوئے ارشاد فرمایا۔

﴿وَیَا قَوۡمِ مَالِیۡۤ اَدۡعُوۡکُمۡ اِلَی النَّجٰوۃِ وَتَدۡعُوۡنَنِیۡۤ اِلَی النَّارِ﴾

۴۱۔المؤمن۔۴۰

ترجمہ:

اے میری قوم! مجھے کیا ہے میں تمہیں نجات کی طرف بلاتا ہوں اور تم مجھے جہنم کی دعوت دیتے ہو۔

تحقیق میں نے نبی اکرم ﷺ کے والدین کریمین کی نجات کے عنوان پر کئی تصنیفات مرتب کی ہیں ان میں اس سلسلہ میں لوگوں کے کئی مسالک بیان کئے ہیں۔ان کے مقال حجج اور استدلال ذکر کئے ہیں۔حالانکہ میں جانتا ہوں کہ اس نظریہ کے مخالف احادیث بھی وارد ہیں اور بہت سارے علماء نے ان کے مقتضی کا ہی قول کیا ہے۔سو ان اقوال کی تائید میں میرا مقصود چند امور ہیں۔

پہلا مقصد: لوگوں کو اس سخت قول کے تکلم سے باز رکھنا۔

آئمہ نے ایسا کلام کرنے کو غیر مناسب کہا ہے۔کیونکہ اس سے نبی اکرم ﷺ کو اذیت ہوگی۔

امام سہیلی نے ''الروض الانف''میں مسلم اور دوسرے آئمہ کی احادیث وارد کرنے کے بعد کہا۔

ہمارے لئے یہ جائز نہیں کہ ہم یہ قول نبی کریم ﷺ کے والدین کے بارے کریں کیونکہ نبی اکرم ﷺ کا فرمان ہے کہ فوت شدگان کے سبب سے زندہ لوگوں کو اذیت نہ دو۔ اور اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے۔

﴿اِنَّ الَّذِیْنَ یُؤْذُوْنَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ لَعَنَهُمُ اللّٰهُ فِی الدُّنْیَا وَالْاٰخِرَةِ﴾

۵۷_الاحزاب _۳۳

ترجمہ :

بے شک جو لوگ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کو اذیت دیتے ہیں، ان پر دنیا اور آخرت میں اللہ تعالیٰ کی لعنت ہے۔

آئمہ مالکیہ کے امام القاضی ابو ابکر ابن العربی سے کسی شخص نے سوال کیا۔ ایسے شخص کے متعلق کیا حکم ہے جو کہے کہ والدین کریمین (العیاذ باللہ) جہنم میں ہیں؟

آپ نے جواب دیا۔ وہ ملعون ہے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد گرامی ہے۔

﴿اِنَّ الَّذِیْنَ یُؤْذُوْنَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ لَعَنَهُمُ اللّٰهُ فِی الدُّنْیَا وَالْاٰخِرَةِ﴾

۵۷_الاحزاب _۳۳

ترجمہ :

بے شک جو لوگ اللہ تعالیٰ اور اسکے رسول کو اذیت دیتے ہیں، ان پر دنیا و آخرت میں اللہ تعالیٰ کی لعنت ہے۔

فرمایا: اور اس سے بڑی اذیت اور کیا ہوگی کہ کسی شخص کے والدین کے بارے کہا جائے کہ وہ جہنمی ہیں۔

قاضی عیاض نے ''الشفاء'' میں ذکر کیا ہے کہ آپ نے اس شخص کو معطل کر دیا اور فرمایا تو میرے لئے کبھی نہ لکھے گا۔ اس حکایت کو امام نعیم نے ''الحلیہ'' میں اور

ہروی نے ''ذم الکلام'' میں وارد کر کے کہا۔

جب عمر بن عبد العزیز نے یہ کلام سنا تو انتہائی غضبناک ہوئے اور اسے دفاتر سے معزول کر دیا۔

دوسرا مقصد: اہل اسلام کے سینوں کا انشراح۔

کیونکہ جب کوئی مسلمان سنے گا کہ کسی عالم نے والدین کریمین کی نجات اور جنتی ہونے کا قول کیا ہے، اس پر دلائل ذکر کیے ہیں اور اس امر کو ثابت شدہ قاعدہ پر بیان کیا ہے تو یقیناً اس کا سینہ کھلے گا، دل خوش ہوگا، روح مسرور ہوگی اور یہ کلام اسے بھائے گا۔

اور جب اختلافی مسائل میں انسان کے لئے ایک مذہب کے قول سے مشتعل ہو کر دوسرے مذہب کی تقلید جائز ہے، کیونکہ اس میں وسعت اور کشادگی ہے۔ جیسا کہ خلع کو فسخ قرار دینے میں اور طلاق نہ قرار دینے میں شافعی المذہب کا مذہب حنابلہ کی تقلید ہے۔

عدم صفت اور اس کے نظائر میں حنفی المذہب کا مذہب شافعی کی تقلید ہے۔

سو اسی طرح اس مسئلہ میں نجات کے قائل علماء کا مذہب اختیار کرنا بلا شک اولیٰ ہے۔ اس اولویت کی کئی وجوہ ہیں۔

پہلی وجہ: ان مسائل میں اس طرف انتقال کسی نفسی غرض کی بنا پر نہیں، تاکہ نقصان دور ہو اور فائدہ حاصل ہو، اس کا مقصود وہ مجرد سرور ہے جو نبی اکرم ﷺ کی آنکھوں کو ٹھنڈا کرے۔

دوسری وجہ: اس میں ایسے سرور کا اظہار ہے جس سے نبی اکرم ﷺ مسرور ہیں اور ایسی چیز سے بیزاری ہے جو نبی اکرم ﷺ پر شاق ہے۔

تیسری وجہ: اس میں نبی اکرم ﷺ کے آباء واجداد کی فضیلت اور شرف کا اشارہ ہے اور آپ ﷺ کی خصوصیت اور معجزہ کا اظہار ہے۔

چوتھی وجہ: اس قول میں لوگوں کو مشغول رکھ کر اس قول سے توجہ کو ہٹانا جس سے سکوت پر علماء نے برانگیخت کیا ہے۔

پانچویں وجہ: اس میں یقیناً نقصان نہیں ہے نہ کسی حق کی فوتگی ہے نہ ہی ذمہ میں کوئی شی مرتب ہوتی ہے۔ ان مسائل کے خلاف جن میں منتقل عنہ مذہب کے ہاں منع یا تحریم مرتب ہوتی ہے اسی وجہ سے مسائل خلاف میں ورع کا تقاضہ احوط کو اخذ کرنا ہے۔

تیسرا مقصد: نبی اکرم ﷺ کا تقرب آپ کی رضا کی طلب اور اس امر کی تقریر میں کوشش سے آپ کی شفاعت کی طرف توسل ہے۔ نقول اور ادلہ کے استخراج میں جہد بلیغ اور بعض کو بعض کے ساتھ ملانا ہے، اس میں یقیناً اجر عظیم ہے۔

اس میں قطعاً شک نہیں کہ یہ مسئلہ اجتہادیہ ہے۔ اس میں کوشش کرنے والا ہر حالت میں ماجور ہے۔ نفس امر میں حق کو پہنچے یا خطا کرے۔ اگر حق کو پہنچے تو دو اجر ہیں۔ اور اگر خطا کا ارتکاب کرے تو ایک اجر پھر بھی ہے۔

مجھے ایک علم حدیث کے حامل کی خبر پہنچی ہے کہ اس نے مجھ سے معارضہ کیا ہے اور ایک کتاب تالیف کی ہے جس میں اس نے ثابت کیا کہ (معاذ اللہ) والدین کریمین دوزخ میں ہیں۔ نجات کے قائل علماء کی دلیلوں کا جواب دیا ہے اور ان کو خستہ کیا ہے۔ (پس انعام کرنے والے اور فضل فرمانے والے کے لئے ہی ساری تعریفیں ہیں)

اس میں شک نہیں کہ جوابات جن کے ساتھ وہ دلائل ہیں، ان کی کمزوری اس مسئلہ میں تحریر کردہ ہماری مؤلفات سے پہچانی گئی ہے۔ ان میں ہم دوبارہ مشغول نہیں ہوتے۔ ایک اور امر جو فن حدیث سے متعلق رہ گیا ہے، وہ یہ ہے کہ اس نے قطعاً اور جزماً کہا ہے کہ والدین کریمین کے زندہ ہونے کے باب میں جو احادیث وارد ہے، وہ موضوع ہے۔ اور وہاں ہم

نے اشارہ کیا ہے کہ سچی بات یہ ہے کہ یہ حدیث مذکورہ ضعیف ہے، موضوع نہیں ہے۔

حفاظ اس کے بارے مختلف فیہ ہیں اس پر حکم وضع میں متفق نہیں ہیں۔ ان میں سے کچھ نے ضعف کا حکم لگایا ہے اور باقی نے وضع کا، اور صواب یہ ہی ہے۔ یہ جزء میں نے اسی کے بیان میں مرتب کیا ہے۔ اور اللہ تعالیٰ ہی توفیق دینے والا ہے۔

ہم کہتے ہیں کہ حافظ ابو حفص بن شاھین نے اپنی کتاب ''الناسخ والمنسوخ'' میں

حدثنا محمد بن الحسین بن زیاد مولی الانصار ثنا محمد بن یحی الحضرمی بمکه ثنا ابو غزیه محمد بن یحی الزهری.

ثنا عبد الوهاب بن موسی الزهری عن عبد الرحمن بن ابی الزناد عن هشام بن عروة عن ابیه عن عائشة رضی اللّٰہ تعالی عنها

روایت کیا ہے۔

نبی کریم ﷺ نے روتے ہوئے پریشان حال حجون میں نزول فرمایا۔ جب تک رب نے پسند فرمایا۔ قیام کیا، پھر خوش خوش واپس لوٹے۔

میں نے عرض کی یا رسول اللہ ﷺ! آپ روتے ہوئے غمزدہ اترے۔ پھر جب تک اللہ تعالیٰ نے پسند فرمایا، قیام کیا اور اب لوٹے تو شاداں اور فرحاں ہو۔

آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا میں نے اپنے پروردگار سے عرض کی تو اس نے میری خاطر میری والدہ کو زندہ فرمادیا، وہ مجھ پر ایمان لائیں اور پھر ان کو واپس لوٹا دیا۔

اس حدیث کو ابن شاھین نے ''الناسخ والمنسوخ'' میں روایت کیا ہے اور ان احادیث کے لئے ناسخ قرار دیا ہے، جس میں یہ ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے اپنی والدہ کے

لئے استغفار کی اجازت مانگی تو اجازت نہ دی گئی، اس حدیث کی بھی ناسخ ہے جس میں ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا۔

اے ملیکہ کے بیٹو تمہاری والدہ دوزخ میں ہے۔

اور پھر فرمایا! میری ماں بھی تمہاری ماں کے ساتھ جہنم میں ہے۔

اس حدیث احیاء کو ابن جوزی نے ''موضوعات'' میں وارد کیا ہے۔اور کہا۔

محمد بن زیاد جونقاش ہے، ثقہ نہیں ہے۔

اور احمد بن یحی اور محمد بن یحی مجھول ہیں۔

میں عرض کرتا ہوں کہ محمد بن یحی کا امام ذھبی نے 'المیزان' میں اور 'المغنی' دونوں میں ذکر کیا ہے۔

اس نے کہا۔

محمد بن یحی ابو غزیه المذنی الزھری

دار قطنی نے کہا :

مجہول ہے۔

الازدی نے کہا :

ضعیف ہے۔

یہ امام ذھبی کی عبارت ہے۔

سو اس نے ضعف کا حکم لگایا ہے۔وضع کا نہیں۔

اور جس راوی کا ذکر اس طرح ہو، اس کی روایت درجہ وضع میں نہیں ہوتی بلکہ درجہ ضعف میں ہوتی ہے۔

شیخ الاسلام ابو الفضل ابن حجر نے ''لسان المیزان'' میں ابن جوزی کا کلام ذکر کرنے کے بعد کہا۔

محمد بن یحی مجہول نہیں، بلکہ معروف ہے۔ ابو سعید بن یونس نے ''تاریخ مصر'' میں اس کا عمدہ ترجمہ کیا ہے۔ اس نے کہا۔

محمد بن یحی ابن محمد بن عبد العزیز بن عبد الرحمن بن عوف ابو عبد اللہ اس کا لقب ابو غزیہ ہے، مدنی ہے۔ پھر مصر میں آیا۔ اس کی دو کنیتیں ہیں۔ ان سے اسحاق بن ابراهیم کناسی، زکریا بن یحی الثغری، سھل بن سوادہ الغافقی، محمد بن عبد اللہ بن حکیم اور محمد بن فیروز نے روایت کی ہے۔ یہ یوم عاشورہ ۲۵۸ میں فوت ہوا۔

دار قطنی نے ''غرائب مالک'' میں کہا۔

ابو غزیہ یہ الصغیر ہے۔ یہ منکر الحدیث ہے۔

احمد بن یحی حضرمی بھی مجہول نہیں ہے۔ اس کا ذکر امام ذھبی نے 'المیزان' میں کہا ہے اس نے کہا۔

کہ اس نے حرملہ تجیبی سے روایت کی ہے۔ ابو سعید بن یونس نے اس کو لین قرار دیا ہے انتھی.

جس شخص کا ترجمہ اس طرح ہو، اس کی حدیث معتبر ہوتی ہے۔

اور محمد بن زیاد اگر چہ نقاش ہے، جیسا کہ ابن جوزی نے بیان کیا مگر وہ علماء قراءت اور آئمہ تفسیر سے ہے۔

امام ذھبی نے ''المیزان'' میں کہا، ضعف کے باوجود اپنے زمانہ کا شیخ المقرئین

تھا۔ابو عمر الدانی نے اس کی تعریف کی ہے۔اوراس سے مناکیر روایت کیں۔انتھی

میں عرض کرتا ہوں اس کے باوجود نقاش اور احمد بن یحی اس حدیث میں منفرد نہیں ہیں بلکہ ابو غزیه سے اس کے دو طریق اور بھی ہیں، ہم ان کو وارد کرتے ہیں۔

حافظ محب الدین الطبری نے "السیرة" میں کہا۔

اخبرنا ابو الحسن المقبری اخبرنا الحافظ ابو الفضل محمد بن ناصر السلامی اجازة.اخبرنا ابو منصور محمد بن احمد بن علی بن عبد الرزاق الحافظ الزاهد قال .اخبر نا القاضی ابو بکر محمد بن یحی الزهری حدثنا عبد الوهاب بن موسی الزهری عن عبد الرحمن بن ابی الزنادعن هشام بن عروة عن ابیه عن عائشة رضی اللّٰه تعالی عنها .

نبی اکرم ﷺ حجون میں شکستہ دل کبیدہ خاطر اترے، جب تک اللہ تعالیٰ نے چاہا، قیام فرمایا، پھر خوش خوش واپس لوٹے۔

فرمایا: میں نے اپنے پروردگار سے سوال کیا، تو اس نے میرے لئے میری والدہ کو زندہ فرمایا۔ وہ مجھ پر ایمان لائیں، پھر ان کو واپس لوٹا دیا۔

وقال الحافظ ابو بکر الخطیب البغدادی فی کتاب "السابق واللاحق "اخبرنا ابو العلاء الواسطی .حدثنا الحسین بن علی بن محمد حلبی. حدثنا ابو طالب عمر بن الربیع الزاهد. حدثنا علی بن ایوب الکعبی حدثنا محمد ابن یحی الزهری ابو غزیه حدثنا عبد الوهاب بن موسی حدثنا مالک بن انس عن ابی الزناد عن هشام بن عروة عن ابیه عن عائشة رضی اللّٰه تعالی عنها .

فرمایا: ہم حجۃ الوداع کے موقع پر نبی اکرم ﷺ کے ہمراہ تھے۔ ہم عقبہ حجون کے پاس سے گزرے۔ نبی اکرم ﷺ گریاں کناں، پریشان اور غم گزیں تھے۔ آپ کی گریہ زاری سے میں بھی رونے لگی، پھر آپ سنبھلے اور نیچے اترے، اور فرمایا:

اے حمیرا! تو ٹھہر، میں اونٹ کی ایک طرف کا سہارا لے کر بیٹھ گئی۔ آپ کافی عرصہ تک مجھ سے جدا ٹھہرے رہے۔ پھر واپس تشریف لائے تو شاداں و خندہ تھے۔

میں نے عرض کی یارسول صلی اللہ تعالی علیک وعلی اٰلک وسلم میرے ماں باپ آپ پر قربان، آپ جب تشریف لے گئے، تو گریہ کناں پریشان اور غمگین تھے۔ آپ کی گریہ زاری نے مجھے بھی رلا دیا اور اب آپ واپس تشریف لائے، تو مسکرا رہے ہیں۔ اسکی کیا وجہ ہے؟ یارسول اللہ صلی اللہ تعالی علیک وعلی اٰلک وسلم.

فرمایا میں اپنی والدہ ماجدہ کی قبر پر گیا تھا، میں نے اللہ تعالیٰ سے دعا کی تو اللہ تعالیٰ نے ان کو زندہ فرما دیا، وہ مجھ پر ایمان لائیں، پھر اللہ تعالیٰ نے ان کو واپس لوٹا دیا۔

حافظ ابو القاسم ابن عساکر نے اس روایت کو اس طریق سے ''غرائب مالک'' میں وارد کیا اور فرمایا۔ یہ منکر ہے۔

میں کہتا ہوں منکر اقسام ضعیف سے ہے، اقسام موضوع سے نہیں ہے۔ اس کا رتبہ متروک سے اعلیٰ ہے اور یہ بھی اقسام ضعیف سے ہے نہ کہ اقسام موضوع سے ہے۔ اسی طرح علم حدیث میں مقرر ہے۔

کعبی مجہول ہے۔

ابو طالب عمر بن الربیع الخشاب کو دار قطنی نے ضعیف قرار دیا ہے، اس نے کہا سلمہ بن قاسم میں بعض نے کلام کیا ہے اور دوسروں نے اس کی توثیق کی ہے۔

یہ کثیر الحدیث تھا۔ یہ ۳۴۰ھ میں مصر میں فوت ہوا۔

سو معلوم ہوا کہ حدیث کا مدار ابو غزیہ پر ہے اور وہ ضعیف ہے۔

اس کا شیخ عبد الوھاب بن موسی الزھری کی کنیت ابو العباس ہے۔ خطیب نے اس کو رواۃ مالک میں ذکر کیا ہے۔ اس نے ان کا ایک اثر سعید بن الحکم بن ابی مریم المصری کے طریق سے روایت کیا ہے۔

حدثنا عبد الوھاب بن موسی الزھری حدثنا مالک بن انس حدثنی عبد اللہ بن دینار عن سعد بن الحارث مولی عمر الخطاب .

کعب بن احبار رضی اللہ تعالی عنه نے حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ تعالی عنه سے کہا، ہم آپ کو اللہ تعالیٰ کی کتاب میں پاتے ہیں کہ آپ دوزخ کے دروازوں میں سے ایک دروازے پر کھڑے ہیں اور لوگوں کو اس میں گرنے سے روک رہے ہیں۔ جب آپ وصال فرما جائیں گے تو لوگ قیامت تک اس میں گرتے رہیں گے۔

حضرت مالک سے اس اثر کی روایت معروف ہے۔

ابن سعد نے ''طبقات'' میں معن بن عیسی عن مالک اسی سند اور متن سے روایت کیا ہے سو اس دوسری مشہور روایت سے عبد الوھاب کی وہ جہالت زائل ہوگئی، جو ذھبی نے گمان کی تھی۔

حافظ ابن الحجر نے ''لسان المیزان'' میں کہا۔

عبد الوھاب بن موسی کو خطیب نے رواۃ عن مالک میں ذکر کیا ہے۔ اسکی کنیت ابو العباس اور نسب زھری بیان کیا ہے۔ ان کا ایک موقوف اثر وارد کیا ہے، اور کہا کہ وہ اس میں منفرد ہے۔ اس میں جرح ذکر نہ کی۔ ان کو دار قطنی نے اسی وجہ کے

ساتھ غرائب میں وارد کیا ہے اور کہا۔

یہ مالک سے صحیح ہے اور عبد الوھاب ابن موسی ثقہ ہے۔ انتھی

امام ذھبی نے حدیث احیاء کی دو امور سے تعلیل کی ہے۔

۱۔ عبد الوھاب کی جہالت۔

۲۔ حدیث صحیح کی مخالفت۔

کہ نبی اکرم ﷺ نے اپنے پروردگار سے اجازت طلب کی تو اجازت نہ ملی۔

عبد الوھاب کی جہالت حافظ ابن حجر کے استدراک سے زائل ہوگئی کیونکہ 'لسان' میں ہے کہ وہ معروف اور ثقہ ہے اور اس میں جرح نہیں ہے۔

اور حدیث صحیح کی مخالفت کا آئمہ نے جواب دیا ہے، ہم عنقریب اس کا ذکر کریں گے۔

حافظ ابن حجر نے 'لسان" میں کہا۔ اس حدیث پر وضع کا حکم لگانے اور حدیث بریدہ الجوزقانی کی معارض ٹھہرانے میں ابن جوزی نے 'کتاب الاباطیل' میں سبقت کی ہے۔

آپ نے "النکت علی ابن الصلاح" میں کہا۔

جس شخص نے محض مخالفت سنت کی بنا پر اس حدیث پر وضع کا حکم لگایا، اس نے غلطی کی۔ اور "کتاب الاباطیل" جوزقانی سے ایسا اکثر کیا۔ یہ حکم وضع صرف اس وقت لگایا جا سکتا ہے جب کسی طرح بھی جمع ممکن نہ ہو۔ جس طرح کہ بعض علماء نے اس حدیث کے بارے گمان کیا۔ جس کو امام ترمذی نے حدیث ابو ھریرہ رضی اللہ تعالی عنہ سے روایت کیا ہے اور حسن قرار دیا۔

ایسا شخص امامت نہ کرے جو دعا میں اپنی ذات کو خاص کرے، اگر اس نے ایسا کیا

تو اس نے مقتدیوں سے خیانت کی۔

یہ موضوع ہے، کیونکہ نبی اکرم ﷺ سے صحیح روایت ہے کہ آپ فرماتے تھے۔

اے اللہ میرے اور میری خطاؤں کے درمیان فاصلہ کر دے، اسی طرح اور دعائیں بھی ہیں۔

کیونکہ ہم کہتے ہیں اس کا حمل ان پر ممکن ہے جو مصلی کے لئے مشروع نہیں ہے۔ کیونکہ امام اور مقتدی اس میں شریک ہوتے ہیں۔

اور جس طرح ابن حبان نے اپنی صحیح میں گمان کیا کہ

نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا!

''میں تم میں سے کسی کی طرح نہیں ہوں، میں کھلایا بھی جاتا ہوں، اور پلایا بھی جاتا ہوں''۔

یہ حدیث دلالت کرتی ہے کہ وہ تمام اخبار باطلہ ہیں جن میں یہ ذکر آتا ہے کہ نبی اکرم ﷺ بھوک کی وجہ سے اپنے پیٹ پر پتھر باندھتے تھے۔

اس گمان کا حافظ ضیاء الدین نے کافی وشافی رد کیا ہے۔

یہ سارے کا سارا کلام حافظ ابن حجر کا ''النکت ''میں ہے۔

شیخ بدر الدین زرکشی نے اپنی ''تعلیق علی ابن الصلاح ''میں کہا۔

بعض علماء نے صحیح سنت کی مخالفت کو دلائل وضع سے بنایا ہے۔ یہ ہی ابن خزیمہ اور ابن حبان کا طریقہ ہے یہ طریقہ ضعیفہ ہے بطور خاص جہاں جمع ممکن ہو۔

ابن خزیمہ نے اپنی صحیح میں کہا۔

ایسا شخص امامت نہ کروائے جو دعا میں اپنی ذات کو مخصوص کرے، اگر اس نے ایسا کیا تو قوم کے ساتھ خیانت کی۔

یہ موضوع ہے کیونکہ نبی اکرم ﷺ کا یہ فرمان ثابت ہے۔

اے اللہ میرے اور میری خطاؤں کے مابین جدائی کر دے۔

اور حدیث یہاں تک نہیں پہنچتی۔ کیونکہ امام ترمذی اور دوسرے آئمہ نے اسے حسن قرار دیا ہے۔ یہ ہرگز حدیث استفتاح کے معارض نہیں، کیونکہ اس کا حمل ممکن ہے اس پر ہو، جو امام اور مقتدی کے لئے جائز نہیں ہے۔

ابن حبان نے اپنی صحیح میں کہا کہ نبی اکرم ﷺ کا فرمان

میں تم میں سے کسی کی طرح نہیں ہوں، میں کھلایا بھی جاتا ہوں اور پلایا بھی جاتا ہوں۔

اس پر دلالت کرتا ہے کہ وہ تمام اخبار جن میں ذکر ہے کہ نبی اکرم ﷺ بھوک کی وجہ سے بطن مبارک پر پتھر رکھتے تھے باطل ہیں۔

کیونکہ ایام وصال میں جب اللہ تعالیٰ اپنے رسول معظم ﷺ کو کھلاتا بھی ہے اور پلاتا بھی ہے، تو عدم وصال میں کیا آپ کو بھوکا چھوڑ دیتا ہے کہ آپ کو اپنے بطن مبارک پر پتھر باندھنے پڑیں اور پتھر تو بھوک سے فائدہ بھی نہیں دیتا۔

انہوں نے اپنی کتاب ''الضعفاء'' میں ابو سفیان کے ترجمہ میں کہا۔

انہوں نے عبد اللہ بن ابی سے روایت کی ہے کہ غزوہ احد میں سامنے کے دانت ٹوٹ گئے تو نبی اکرم ﷺ نے سونے کے دانت لگانے کا حکم دیا۔

اور انہوں نے نائم اور محدث کی طرف نماز پڑھنے سے نہی روایت کی ہے۔

ابن حبان نے کہا، یہ دونوں احادیث موضوع ہیں۔

نبی اکرم ﷺ سونے کے دانت لگانے کا حکم کیسے دے سکتے ہیں جبکہ نبی اکرم ﷺ کا واضح فرمان ہے، کہ میری امت کے مردوں پر سونا اور ریشم حرام ہے۔ اور سونے والے شخص کی طرف نماز سے کیسے روک سکتے ہیں، جبکہ کبھی نبی اکرم ﷺ نماز ادا فرماتے تو

سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالی عنہا آپ کی ذات اقدس اور قبلہ کے درمیان ہوتیں۔ انتھی

اس میں جو کچھ ہے وہ پوشیدہ نہیں۔

حافظ ذہبی نے ابن حبان کے کلام کے بعد کہا :

ان دونوں روایات پر وضع کا حکم لگانا محل نظر ہے بطور خاص اس دانتوں والی خبر پر۔

(زرکشی کا کلام ختم ہوا)

حافظ فتح الدین ابن سید الناس نے ''السیرۃ'' میں کہا۔

یہ روایت کیا گیا ہے کہ عبد اللہ بن عبد المطلب اور آمنہ بنت وھب نبی اکرم ﷺ کے والدین نے اسلام قبول کیا، اللہ تعالیٰ نے نبی اکرم ﷺ کی خاطر ان کو دوبارہ زندہ فرمایا۔ اور یہ دونوں آپ ﷺ پر ایمان لے آئے۔

ایسا ہی آپ کے دادا جان عبد المطلب کے لئے روایت کیا گیا ہے۔

اس نے کہا، یہ اس حدیث کے مخالف ہے جس کو امام احمد نے ابو رزین العقیلی سے روایت کیا ہے۔ انہوں نے کہا کہ میں نے عرض کی یا رسول اللہ ﷺ۔

میری ماں کہاں ہے؟

فرمایا تیری ماں دوزخ میں ہے۔

میں نے عرض کی آپ کے جو رشتہ دار چلے گئے وہ کہاں ہیں؟

فرمایا: کیا تو اس امر پر راضی نہیں کہ تیری ماں میری ماں کے ساتھ ہے؟

ابن سید الناس نے کہا۔

بعض اہل علم نے ان روایات میں تطبیق کی ہے کہ نبی اکرم ﷺ وقت وصال تک

مسلسل مقامات سنیہ اور درجات علیہ کی طرف مائل بہ پرواز رہے اور خداوند قدوس اپنی بارگاہ میں آنے تک آپ کو اپنے خصوصی انعامات اور اکرامات سے نوازتا رہا۔ تو ممکن ہے یہ فضیلت احیاء والدین سے پہلے حاصل نہ ہو اور بعد میں حاصل ہوگئی۔ اور ممکن ہے کہ احادیث احیاء ان احادیث سے مؤخر ہوں۔ سو اس طرح تعارض اٹھ جاتا ہے۔

امام ابو القاسم السهیلی نے "الروض الانف" میں کہا:

ایک غریب حدیث روایت کی گئی ہے، ممکن ہے وہ صحیح ہو۔ اسے میں نے اپنے دادا جان **ابو عمر احمد بن الحسن القاضی** کے قلمی نسخہ سے پایا ہے۔ اس کی سند میں دو راوی مجہول ہیں۔

انہوں نے ذکر کیا کہ انہوں نے ایسی کتاب سے نقل کیا جو **معوذ ابن داود بن معوذ الزاهد** کی کتاب سے لکھی گئی تھی۔ اس نے اس روایت کا **ابو الزناد عن عروة عن عائشة رضی اللہ تعالی عنها** کی طرف رفع کیا ہے۔ کہ نبی اکرم ﷺ نے اپنے رب سے والدین کریمین کو زندہ کرنے کے لئے دعا کی اللہ تعالیٰ نے ان دونوں کو زندہ کیا۔ یہ نبی اکرم ﷺ پر ایمان لے آئے پھر ان کو دوبارہ لوٹا دیا۔

امام سهیلی نے کہا۔

اللہ تعالیٰ کی رحمت اور قدرت کسی شیٔ سے عاجز نہیں ہے۔ اور نبی اکرم ﷺ اس کے اہل ہیں کہ اللہ تعالیٰ جس فضل سے چاہے ان کو نواز دے...... اور جس کرم سے چاہے ان کو بہرہ ور کر دے۔

امام سهیلی نے "الروض الانف" میں کہا۔

نبی اکرم ﷺ نے (ایک بار) اپنی لخت جگر **سیده فاطمة الزهره رضی الله**

تعالیٰ عنہا سے ارشاد فرمایا۔

اگر تو ان کے ساتھ قبرستان جاتی، تو جنت کو نہ دیکھتی یہاں تک کہ آپ کے باپ کے دادا اس کو دیکھ لیتے۔

نبی اکرم ﷺ نے ''تیرے باپ کے دادا'' ارشاد فرمایا۔ آپ کے دادا یعنی اپنے والد گرامی نہ کہا۔

اس فرمان عالی شان سے اس حدیث ضعیف کی تقویت ہے جس کا ذکر ہم نے ابھی کیا ہے کہ

''اللہ تعالیٰ نے نبی اکرم ﷺ کے والد گرامی اور والدہ ماجدہ کو زندہ فرمایا تو وہ آپ ﷺ پر ایمان لے آئے''

احیاء ابوین کے سلسلہ میں امام سہیلی کی ذکر کردہ اس حدیث پاک کو ابن جوزی نے ''الموضوعات'' میں ذکر نہیں کیا اور نہ ہی اس کے درپے ہوئے ہیں۔

علامہ ناصر الدین بن المنذر نے ''شرف المصطفی'' میں ارشاد فرمایا۔

حضرت عیسی ابن مریم علیہما السلام کے معجزہ کی نظیر ہمارے آقا ﷺ کے لئے بھی ثابت ہے۔ حدیث پاک میں آیا ہے کہ

جب اللہ تعالیٰ نے نبی اکرم ﷺ کو کفار کے لئے استغفار سے منع فرمایا تو آپ نے اللہ تعالیٰ سے دعا کی کہ وہ آپ کے والدین کو زندہ فرمائے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کو زندہ فرمایا، وہ ایمان لائے، تصدیق کی، اور پھر حالت ایمان میں وصال فرمایا۔

امام قرطبی نے ''التذکرہ'' میں احیاء والدہ ماجدہ والی، خطیب اور ابن شاهین کی روایت کردہ حدیث اور احیاء والدین والی امام سہیلی کی حدیث ذکر کرنے

کے بعد ارشاد فرمایا۔

ان دو حدیثوں کے درمیان اور استغفار کی اجازت نہ ملنے والی حدیث میں کوئی تعارض نہیں ہے کیونکہ حدیث احیاء حدیث استغفار سے متاخر ہے۔ اس کی دلیل حجۃ الوداع والی حدیث عائشہ رضی اللہ تعالی عنہا ہے۔ اسی وجہ سے ابن شاہین نے اس حدیث کو اخبار مخالفہ کے لئے ناسخ قرار دیا ہے۔

علامہ قرطبی نے مزید کہا۔

حافظ ابو الخطاب بن دحیہ نے کہا کہ ایمان والدین والی حدیث موضوع ہے۔ قرآن حکیم اس کی تردید کرتا ہے اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا۔

﴿وَلَا الَّذِينَ يَمُوتُونَ وَهُمْ كُفَّارٌ﴾

١٨ _النساء _٤

ترجمہ:

اور نہ وہ لوگ جو کفر کی حالت میں مرے۔

اور ارشاد فرمایا!

﴿فَيَمُتْ وَهُوَ كَافِرٌ﴾

٢١٧ _البقرة _٢

ترجمہ:

پس جو کفر کی حالت میں مرجائے۔

سو جو شخص حالت کفر میں مر گیا، رجعت کے بعد ایمان اس کے لئے نفع بخش نہیں ہے۔ بلکہ عند المعاینہ بھی ایمان قبول کر لے تو فائدہ مند نہیں ہے۔ رجعت کے بعد فائدہ مند کیسے ہوگا۔

اور تفسیر میں ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا۔

"اے کاش میں جانتا کہ میرے والدین کے ساتھ کیا ہوا"

تو اس پر یہ آیت کریمہ نازل ہوئی۔

﴿وَلَا تُسْئَلُ عَنْ اَصْحٰبِ الْجَحِيْمِ﴾

۱۱۹۔البقرۃ۔۲

ترجمہ:

اور آپ سے دوزخی لوگوں کے بارے سوال نہ ہوگا۔

امام قرطبی نے ارشاد فرمایا۔

ابن دحیہ کے اس کلام میں نظر ہے اور وہ اس طرح کہ نبی اکرم ﷺ کے فضائل وکمالات اور خصائص وامتیازات وقت وصال تک مسلسل اور لگاتار بڑھتے رہے ہیں۔یہ احیاء ابوین والا امر بھی اللہ تعالیٰ کا خصوصی فضل وکرم ہوگا۔

اور ان دونوں کا احیاء وایمان ہرگز نہ عقلاً ممتنع ہے نہ شرعاً ممتنع ہے۔قرآن حکیم فرقان مجید میں بنی اسرائیل کے شخص کا زندہ ہوکر قاتل کا نام بتانا مذکور ہے اور حضرت عیسی علیہ السلام مردوں کو زندہ فرمایا کرتے تھے۔اسی طرح نبی کریم ﷺ بھی مردوں کو زندہ فرمایا کرتے تھے۔پس یہ امر جب ثابت و واقع ہے تو کیا مانع ہے کہ نبی اکرم ﷺ کی کرامت وفضیلت کی زیادت کے باعث احیاء ایمان والدین کریمین کا واقعہ ظہور پذیر ہوا ہو،

ابن دحیہ کا یہ کہنا کہ رجعت کے بعد ایمان معتبر فائدہ مند نہیں ہے اس حدیث سے مردود ہے کہ اللہ تعالیٰ نے نبی اکرم ﷺ کی خاطر سورج کو غروب ہونے کے بعد لوٹا دیا، حتی کہ حضرت علی رضی اللہ تعالی عنہ نے نماز عصر ادا فرمائی۔

اس حدیث پاک کو امام طحاوی نے ذکر فرمایا ہے اور کہا ہے، بے شک یہ حدیث ثابت ہے۔

اگر رجوع شمس نافع نہ ہوتا اور اس کے رجوع سے وقت متجدد نہ ہوتا تو اس کو واپس نہ لوٹایا جاتا۔ اسی طرح احیاء والدین ہوگا۔

قرآن حکیم کے ظاہر اور احبُّ الاقوال کے مطابق اللہ تعالیٰ نے قوم یونس علیہ السلام کا ایمان تلبس بالعذاب کے باوجود قبول فرمایا۔ رہا مذکورہ آیت کریمہ کا جواب تو وہ حدیث احیاء سے مقدم ہوگی۔ (یہ سارا کلام امام قرطبی کا تھا)

میں (جلال الدین السیوطی) کہتا ہوں یہ غایت تحقیق ہے اور رجوع شمس کے قصہ سے تجدد وقت پر استدلال انتہائی حسین ہے، اسی وجہ سے نماز پر ادا ہونے کا حکم لگایا گیا، وگرنہ رجوع شمس کا فائدہ نہ ہوتا کیونکہ غروب کے بعد عصر کی قضاء صحیح تھی۔

میں اس سے بھی اظہر اور واضح استدلال پر کامیاب ہوا اور وہ یہ ہے کہ اصحاب کہف آخری زمانہ میں اٹھیں گے، حج کریں گے، اس امت میں ہونے کی سعادت حاصل کریں گے۔

اسے ابن عساکر نے اپنی 'تاریخ' میں وارد کیا ہے۔

ابن مردویہ نے اپنی تفسیر میں حدیث ابن عباس رضی اللہ تعالی عنہما سے مرفوعاً روایت کیا ہے۔

''اصحاب کہف، امام مہدی علیہ السلام کے مددگار ہوں گے۔

سو موت کے بعد زندہ ہو کر اصحب کہف کے فعل کو معتبر سمجھا گیا۔

اس امر میں کوئی انوکھا پن نہیں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے والدین کریمین کے لئے ایک

عمر مقرر کی ہو پھر اس کے پورا ہونے سے پہلے ہی ان پر موت طاری کر دی ہو۔ پھر ان کو اس بقیہ عمر کو پورا کرنے کے لئے زندہ کیا گیا ہو، وہ بقیہ عمر میں ایمان لائے ہوں اور ان کے اس ایمان کو معتبر سمجھا ہو۔ اور اس بقیہ عمر کے استیفاء میں تاخیر اس لئے ہو کہ نبی اکرم ﷺ پر اللہ تعالیٰ کی ہونے والی تمام نوازشات کا استدراک کر لیں۔ جس طرح کہ اصحاب کھف کو اس مدت کے ساتھ مؤخر کیا کہ وہ اس موت میں دخول کا شرف حاصل کر لیں۔ اگر آپ اس پر یہ سوال وارد کریں کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے۔

﴿فَإِذَا جَآءَ اَجَلُهُمْ لَا يَسْتَاْخِرُوْنَ سَاعَةً وَّلَا يَسْتَقْدِمُوْنَ﴾

۳۴_الاعراف_۷

ترجمہ:

پس جب ان کی موت آ گئی تو ایک لمحہ آگے پیچھے نہیں ہو سکتے۔

اس کا جواب یہ ہے کہ یہ حکم ان لوگوں کے لئے ہے جن کو اللہ تعالیٰ نے قبض مستمر سے قبض فرمانے کا ارادہ کیا ہے۔ اس حکم سے ان لوگوں کو خاص کر لیا جاتا ہے جن کے احیاء کا ارادہ ہوتا ہے جیسا کہ یہ مسئلہ اصحاب کھف اور وہ لوگ جن کو اللہ تعالیٰ نے حضرت عیسی علیہ السلام کے ہاتھ پر زندہ فرمایا تھا۔

مزید برآں اس امر کی بنا قول جمہور پر ہے کہ عمر میں زیادتی اور کمی نہیں ہوتی۔ اس پر ہی میرے والد گرامی کا فتوی ہے، اور عمر کے زیادہ یا کم ہونے کے قول پر سرے سے یہ ایراد واقع ہی نہیں ہوتا۔ اس قول کو میں نے اختیار کیا ہے اور اس پر میری مستقل تصنیف ہے۔

علامہ صفدی یا کسی اور نے سیدہ حلیمہ کا ذکر کیا اور جب آپ نبی اکرم ﷺ کے پاس تشریف لائیں تو نبی اکرم ﷺ کا ذکر کیا۔

اشعار:

یہ دودھ پلانے کے سبب رضاعی ماں کی جزاء ہے مگر اللہ تعالیٰ تو اس کی جزاء عظیم عطا فرمائے گا۔

اسی طرح میں امید رکھتا ہوں کہ نبی اکرم ﷺ کی حقیقی والدہ ماجدہ کو اسی سبب دار نعیم عطا ہوگی۔

ان کو اللہ تعالیٰ نے زندہ فرمایا تو آپ نبی اکرم ﷺ پر ایمان لے آئیں اس سلسلہ کی حدیث معلوم ہے۔

آپ ﷺ کے سبب وہ خوش بخت ہو گئیں جس طرح کہ بد بختی کے بعد آپ کے تصدق سے سیدہ حلیمہ خوش بخت ہو گئیں۔

حافظ شمس الدین بن ناصر الدین الدمشقی نے اپنی کتاب ''**مورد الصادی فی مولد الهادی**'' میں اس حدیث کو وارد کرنے کے بعد یہ اشعار کہے۔

اشعار:

اللہ تعالیٰ نے نبی اکرم ﷺ پر فضل در فضل فرمایا اور وہ آپ ﷺ پر انتہائی مہربان ہے۔
والدین کریمین کو زندہ فرمایا تو وہ آپ ﷺ پر ایمان لے آئے یہ فضل لطیف ہے۔
اس امر کو تسلیم کر لے کیونکہ قدیم اس امر پر قادر ہے اگر چہ اس سلسلہ کی حدیث ضعیف ہے۔

سو **علامہ دمشقی** نے اس حدیث کو ضعیف کہا ہے اور موضوع ہونے کا قول نہیں کیا۔ ان کا شمار بھی حفاظ میں ہوتا ہے۔

مجھے کسی فاضل نے خبر دی کہ وہ ایسے ہی ایک فتوی پر واقف ہیں۔ جو **حافظ ابن**

حجر کا ہے انہوں نے اس میں یہی جواب دیا اور فرمایا کہ نبی اکرم کے فضائل وکمال مسلسل بڑھتے رہے ہیں۔ مگر میں ابھی تک اس فتوی پر آگاہ نہیں ہوا۔

خاتمہ:

"الموضوعات" میں ابن جوزی کا تسامح معروف ہے۔ اس امر پر یہ آئمہ حدیث کی نص ہے۔

ابن الصلاح نے "العلوم" میں اس امر کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا ہے۔

اس زمانہ میں اکثر لوگوں نے دو دو جلدوں میں موضوعات مرتب کیں اور ان میں اکثر احادیث وارد کیں جن کی وضع پر کوئی دلیل ذکر نہ کی۔ اس کا حق یہ تھا کہ ایسی احادیث کو مطلق احادیث ضعیفہ میں درج کیا جاتا۔

امام نووی نے "التقریب" میں کہا۔

جامع "الموضوعات" ابو الفرج ابن جوزی نے دونوں جلدوں میں کثیر احادیث ذکر کیں جن کے موضوع ہونے پر کوئی دلیل نہیں ہے، بلکہ وہ ضعیف ہے۔

حافظ زین الدین العراقی نے "الفیہ" میں کہا۔

ابو الفرج ابن جوزی نے مطلق ضعیف کو "الموضوعات" میں وارد کیا ہے۔

قاضی القضاۃ بدر الدین بن جماعہ نے "المنہل الراوی" میں کہا۔

شیخ ابو الفرج ابن جوزی نے "موضوعات" ترتیب دی۔ اس میں کثیر احادیث وارد کیں، جن کے ضعف پر کوئی دلیل نہیں۔

اسی طرح شیخ الاسلام سراج الدین البلقینی نے اپنی کتاب "محاسن الاصطلاح" میں کہا ہے۔

حافظ صلاح الدین العلائی نے کہا۔

کسی حدیث پر حکم وضع لگانا متاخرین کے لئے انتہائی دشوار ہے۔ کیونکہ یہ اس حدیث کے تمام طرق کو جمع کرنے اور کثرت تفتیش کے بعد لگایا جا سکتا ہے (یہ بھی معلوم ہونا چاہیئے) کہ اس حدیث کے متن کے لئے اس ایک طریق کے علاوہ کوئی اور طریق نہیں اور اس کے راویوں میں کوئی متہم بالکذب ہے۔ اس کے علاوہ اور بھی کثیر قرائن منضم ہوتے ہیں یہ امور تقاضہ کرتے ہیں کہ ایسا حکم ایک متبحر عالم ہی لگا سکتا ہے۔

اسی وجہ سے علماء نے ابن الجوزی پر اس کی کتاب ''الموضوعات'' کی وجہ سے تنقید کی ہے کہ اس نے ایسی کثیر احادیث پر وضع کا حکم لگا دیا ہے جو حقیقت میں موضوع نہیں ہیں۔

اور اس امر کا نقصان عظیم ہے جو کسی (ذی عقل) پر پوشیدہ نہیں ہے آئمہ متقدمین کو اللہ تعالیٰ نے علم حدیث میں تبحر اور اس کے حفظ میں توسع عطا کیا تھا۔ جیسے شعبہ، قطان ابن مهدی اور ان کے امثال جیسے احمد، ابن المدینی، ابن معین، ابن راهویه اور ایک طائفہ۔ پھر ان کے اصحاب بخاری، مسلم، ابو داود، ترمذی اور نسائی۔

اسی طرح دار قطنی اور بیهقی کے زمانہ تک ہے ان کے بعد ایسا کوئی شخص نہیں آیا جو ان کے مساوی ہو یا ان کے (علم وفضل) کے قریب ہی ہو۔

سوا گر ان متقدمین میں سے کوئی کسی حدیث پر وضع کا حکم لگائے تو اللہ تعالیٰ کے عطا کردہ فضل کی بنا پر اس کے قول پر اعتماد کیا جائے گا۔

امام زرکشی نے اس کے ایراد کے بعد کہا۔

بہت سارے محدثین نے بعض احادیث پر یہ حکم لگایا کہ ''اسکی کوئی اصل نہیں ہے'' پھر اس کے

مخالف امر پایا ہر صاحب علم سے اوپر کوئی صاحب علم ہے۔

امام زرکشی نے ابن الصلاح کے قول پر کہا کہ

اس کا ابن الجوزی پر اعتراض صحیح ہے کیونکہ اس میں ایسی روایات موجود ہیں جن کے ضعیف ہونے کا احتمال ہے اور ایسی روایات سے ترغیب وترہیب میں تمسک جائز ہوتا ہے۔ ان میں ایسی روایات بھی ہیں جو صحیح ہیں، یا ان کو بعض آئمہ نے صحیح قرار دیا ہے۔ جیسے صلوۃ التسبیح والی حدیث ہے۔

محب طبری نے کہا۔

اس نے بعض روایات کو''الموضوعات''میں روایت کر کے غلطی کی ہے اور اس کے لئے یہ امر روا نہ تھا جب کہ ایسی روایات کو بعض نے اپنی کتب میں ذکر کر دیا تھا۔

جس طرح اس نے نماز کے بعد آیت الکرسی پڑھنے والی حدیث پر وضع کا حکم لگایا ہے حالانکہ اس کو امام نسائی نے اپنی اسناد کے ساتھ شرط صحیح پر روایت کیا ہے۔

حافظ مزی نے کہا۔

ابن الجوزی نے اس کا ذکر''الموضوعات''میں کر کے برا کیا۔ اسکی مثل اس کے ہاں کثیر ہے کیونکہ ہمارے قول''صحیح نہیں ہے''اور ہمارے قول''موضوع ہے''کے درمیان زمین آسمان کا فرق ہے اس سے اثبات عدم لازم نہیں آتا یہ تو فقط عدم ثبوت کی خبر ہوتی ہے۔ ان دونوں میں فرق ہے۔ کبھی ایسی روایت دوسرے طریق سے ثابت ہو جاتی ہے (زرکشی کا کلام ختم ہوا)

انہوں نے ایک دوسری جگہ فرمایا۔

انہوں نے محض یہ دیکھ کر کہ اس روایت کا راوی وضع کے ساتھ معروف ہے، روایت پر وضع کا

حکم لگادیا ہے یہ طریقہ ابن الجوزی نے اپنی کتاب ''الموضوعات'' میں اپنایا ہے اور یہ طریقہ غیر صحیح ہے۔ کیونکہ ایسا شخص جس کی وضع کے ساتھ شہرت ہے ضروری نہیں، کہ اس کی تمام روایات ہی موضوع ہوں۔ صواب یہ ہے کہ ایسی روایات پر ضعیف ہونے کا حکم لگایا جائے، نہ یہ کہ ہر صورت میں وہ روایات موضوع ہی ٹھہرائی جائیں۔

آپ نے فرمایا کہ قاضی ابو الفرج النہروانی نے اپنی کتاب 'الجلیس الصالح' میں کہا، فن حدیث کے بعض حاملین اور کثیر تعداد میں ایسے لوگوں نے جوفن حدیث سے آشنا نہیں ہیں، انہوں نے گمان کیا ہے کہ جس حدیث کے رُوات میں ضعف ہو، وہ حدیث فی نفسہ باطل ہے، اور اپنی اصل کے انکار پر مقطوع ہے۔

ایسا گمان کرنے والوں کی جہالت ہے، بلکہ راوی اگر اپنی روایات میں معروف بالکذب بھی ہو اور ایسی روایت کرے جس میں وہ منفرد ہو اور اس روایت میں حق اور باطل دونوں کا امکان ہو تو حکم صحت میں توقف واجب ہے۔ اور تکذیب رواۃ کی بنا پر تکذیب روایت کا قطعی حکم لگانا جائز نہیں ہے۔

امام زرکشی نے اس کے بعد کہا۔

عبد الغنی بن سعید کی کتاب ''ادب الحدیث'' میں ہے۔

جس شخص نے مجھ سے حدیث سنی اور اس کی تکذیب کر دی اس نے تین آدمیوں کو جھٹلایا اللہ تعالیٰ، اس کے رسول ﷺ اور ناقل کو۔ انتھی

حافظ ابن حجر نے ''النکت علی ابن الصلاح'' میں کہا کہ

علامہ علائی نے کہا۔ ابن جوزی پر یہ آفت نازل ہوئی کہ اس نے موضوع کہنے میں توسع کو اختیار کیا، اور اس کا غالب مستند موضوع کہنے میں ضعف روایت ہوتا ہے۔

حافظ ابن حجر نے کہا۔

اگر کسی روایت میں بعض راوی ساقط ہوں، تو دوسرے آئمہ پر اعتماد کرتے ہوئے حکم لگاتا ہے۔

حالانکہ متن کبھی دوسری وجہ سے روایت کیا جاتا ہے اور وہ اس پر مطلع نہیں ہوتا۔ یا وہ متن حالت تصنیف میں مستحضر نہیں ہوتا، تو اس طرح کے جملوں سے اس پر دخیل داخل ہو جاتا ہے اور وہ اپنی کتاب میں ایسی حدیث ضعیف اور منکر کو داخل کرتا ہے جو ترغیب وترہیب میں معتبر ہوتی ہے۔

احادیث حسان تو کم جیسے صلوۃ التسبیح والی حدیث، اور نماز کے بعد آیۃ الکرسی پڑھنے والی حدیث یہ صحیح ہے اس کو نسائی نے روایت کیا ہے۔ اور ابن حبان نے صحیح قرار دیا ہے اس نوعیت کی احادیث تو ابن الجوزی کی کتاب میں تھوڑی ہیں، تاہم مطلق ضعیف احادیث کثرت سے ہیں۔ میں نے اس سلسلہ میں ایک مستقل تصنیف ترتیب دی ہے (حافظ ابن حجر کا کلام ختم ہوا)

ابن جوزی کے بعد شاید ہی کوئی حافظ ایسا ہو جس نے ابن جوزی کی بعض احادیث پر تعاقب نہ کیا ہو۔

ابن جوزی کی کتاب میں وارد ہونے والی احادیث پر تعاقب کرتے ہوئے متعدد کتابیں تحریر کیں ہیں جیسے "القول المسدد فی الذب عن مسند احمد" اس میں چوبیس احادیث پر تعاقب کیا ہے۔ ان کو ابن الجوزی نے "الموضوعات" میں ذکر کیا ہے حالانکہ یہ "مسند" میں موجود ہیں ان کا حکم نکھار کر پیش کیا کہ یہ موضوع نہیں ہیں۔

ابتداء کلام میں کہا، پہلے ہم اجمالاً جواب دیتے ہیں کہ یہ حدیث حلال وحرام کے

احکام پر مشتمل نہیں ہیں۔ سوان کے ایراد میں تساہل عام ہے۔ امام احمد اور دوسرے آئمہ کا یہ قول ثابت ہے۔ انہوں نے کہا۔

جب ہم حلال وحرام کی احادیث روایت کرتے ہیں تو شدت سے کام لیتے ہیں۔

جب فضائل یا اس طرح کے امور میں روایت کرتے ہیں تو تساہل سے کام لیتے ہیں۔ انتھی

صواب اور درستگی کو اللہ تعالیٰ بہتر جانتا ہے اس کی طرف لوٹنا اور واپس ہونا ہے درود وسلام ہو ہمارے سردار حضرت محمد ﷺ آپ کی آل اور آپ کے اصحاب پر۔ اللہ تعالیٰ ہی ہمیں کافی ہے، اور وہ بہترین کارساز ہے۔ وہ بہترین دوست اور مددگار ہے۔

السبل الجلیہ

فی

الآباء العلیہ

تصنیف

شیخ الاسلام امام جلال الدین سیوطی علیہ الرحمہ

ترجمہ

ساجد الھاشمی

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

سب تعریفیں اللہ تعالیٰ کے لئے ہیں اور درود وسلام ہو اس کے منتخب بندوں پر۔ یہ چھٹی تصنیف ہے جو میں نے والدین کریمین کے مسئلہ میں ترتیب دی۔ ان کے حق میں کہا جاتا ہے کہ وہ دونوں ناجی ہیں، آخرت میں نجات حاصل کریں گے اور جنت میں داخل ہوں گے۔ یہ آئمہ دین کے ایک انبوہ کثیر نے موقف اختیار کیا ہے۔

پھر اس موقف کی توجیح میں ان آئمہ کرام نے مختلف راستے منتخب کئے۔

پہلا راستہ:

ان دونوں حضرات کو دعوت ہی نہیں پہنچی، وہ دونوں زمانہ جاہلیت میں تھے۔ اس میں ہر سو جہالت پھیلی ہوئی تھی اور ایسے لوگ بھی مفقود تھے، جو دعوت کو حقیقی صورت میں پہنچاتے، جب کہ یہ دونوں شخصیتیں عنفوان شباب میں ہی رحلت فرما گئی تھیں۔

حافظ صلاح الدین العلائی کی تصحیح کے مطابق والد گرامی ۱۸ سال بقید حیات رہے اور والدہ ماجدہ تقریباً بیس سال زندہ رہیں۔ اتنی سی عمر میں اس زمانہ میں مطلوب کی تلاش ممکن نہ تھی۔

جس شخص تک دعوت نہ پہنچے، اس کا حکم یہ ہے کہ وہ ناجی انتقال کرتا ہے۔ عذاب سے محفوظ رہتا ہے اور جنت میں داخل ہوتا ہے۔

یہ ہمارا مذہب ہے اور اس میں فقہ کے آئمہ شافعیہ اور اصول کے آئمہ اشاعرہ کا قطعا اختلاف نہیں ہے اس مسئلہ میں ہمارے امام، امام شافعی رضی اللہ عنہ کی ''الام'' اور ''المختصر'' میں نص موجود ہے بقیہ اصحاب نے ان کی پیروی کی ہے، ان میں سے ایک نے بھی اختلاف نہیں کیا، ان علماء نے اس مسئلہ پر متعدد آیات سے استدلال کیا ہے۔ ان میں

سے ایک مندرجہ ذیل ہے۔

﴿وَمَا كُنَّا مُعَذِّبِينَ حَتّٰى نَبْعَثَ رَسُولًا﴾

۱۵۔بنی اسرائیل۔۱۷

ترجمہ:

اور جب تک ہم کوئی رسول نہ بھیجیں ہم عذاب نازل نہیں کرتے۔

یہ فقہ کا مسئلہ ہے، فقہ کی کتابوں میں ثابت ہے، یہ ایک ایسے اصولی قاعدہ سے متفرع ہے جس پر ہمارے آئمہ اشاعرہ متفق ہیں کہ ''منعم کا شکر عقلاً واجب نہیں ہے سمعاً واجب ہے''۔

اس قاعدہ کا مرجع ایک کلامی قاعدہ ہے۔قاعدة التحسين و التقبيح العقليين ان دونوں کے انکار پر اشاعرہ متفق ہیں، یہ امر کلام اور اصول کی کتابوں میں معروف ہے۔

آئمہ کرام نے ان دونوں قاعدوں کی تقریر میں (اطناب سے کام لیا ہے) ان پر استدلال اور مخالفین کے دلائل کے جواب میں تفصیلی بحثیں کی ہیں۔خصوصا

امام الحرمین نے ''البرهان'' میں امام غزالی نے 'المستصفی' اور ''المنحول'' میں، کیاالھراسی نے اپنی ''التعلیق'' میں امام فخر الدین رازی نے ''المحصول'' میں ابن السمعانی نے ''القواطع'' میں قاضی ابو بکر الباقلانی نے ''التقریب'' میں۔اوراسی طرح بے شمار دوسرے ائمہ نے۔

یہ دعوت نہ پہنچنے والا مسئلہ ایک دوسرے اصولی قاعدہ کی طرف بھی لوٹتا ہے۔اور وہ قاعدہ یہ ہے، ''ان الغافل لا یکلف'' کہ ''غافل مکلّف نہیں ہے''

یہ قاعدہ اصول فقہ میں مبحوث ہے علماء نے اس قاعدہ پر اس آیت سے استدلال کیا ہے۔

﴿ذٰلِکَ اَنْ لَّمْ یَکُنْ رَّبُّکَ مُھْلِکَ الْقُرٰی بِظُلْمٍ وَّ اَھْلُھَا غٰفِلُوْنَ﴾

۱۳۱۔الانعام۔۶

ترجمہ :

یہ اس لئے ہے کہ آپ کا رب بستیوں کو ظلم سے ہلاک کرنے والا نہیں ہے اس حال میں کہ ان کے باشندے بے خبر ہوں۔

جس شخص کو دعوت نہ پہنچی اس کے بارے اصحاب کی عبارات مختلف ہیں ان میں احسن یہ قول ہے کہ وہ ناجی ہے۔امام سبکی نے اس قول کو اختیار کیا ہے۔

ایک دوسرا قول یہ ہے کہ وہ فطرت پر ہے تیسرا قول یہ ہے کہ وہ مسلمان ہے۔

امام غزالی نے کہا کہ تحقیقی قول یہ ہے کہ وہ معناً مسلمان ہے۔

والدین کریمین کے باب میں بھی کچھ علماء نے یہ ہی راستہ اپنایا انہوں نے تصریح کی کہ ان دونوں حضرات کو دعوت نہیں پہنچی۔

سبط ابن الجوزی نے" **مرآۃ الزمان** "میں اور دوسرے علماء نے اس قول کی حکایت کی ہے۔ **الابی** نے " **شرح المسلم** " میں یہ ہی راستہ اپنایا ہے۔

ہمارے شیخ **شیخ الاسلام شرف الدین المناوی** اسی راہ پر اعتقاد کرتے۔ اور جب ان سے والدین کریمین کی بابت سوال کیا جاتا تو یہ ہی جواب دیتے۔

دوسرا راستہ :

والدین کریمین اہل فترت سے ہیں۔ ان کے بارے احادیث وارد ہیں ۔وہ موقوف ہیں ۔قیامت کے دن ان کا امتحان لیا جائے گا۔جو اطاعت کرے گا جنت میں داخل ہوگا۔ جو نافرمانی کرے گا وہ جہنم میں داخل ہوگا۔احادیث امتحان کثیرہ ہیں۔ان میں تین صحیح

ہیں۔

پہلی حدیث۔اسود بن سریع اور ابوھریرہ رضی اللہ تعالی عنہما کی مرفوع روایت۔امام احمد نے ''مسند'' میں اس کی تخریج کی اور امام بیہقی نے ''کتاب الاعتقاد'' میں اس کی تصحیح کی۔

دوسری حدیث۔ابوھریرہ رضی اللہ تعالی عنہ کی موقوف روایت۔یہ حکماً مرفوع ہے کیونکہ اس طرح کی بات اپنی رائے سے نہیں کہی جاسکتی۔

اس حدیث کو عبدالرزاق ، ابن جریر ، ابن ابی حاتم اور ابن المنذر نے اپنی اپنی تفسیر میں روایت کیا ہے۔اس کی اسناد شرط شیخین پر صحیح ہے۔

تیسری حدیث۔حضرت ثوبان رضی اللہ تعالی عنہ کی مرفوع روایت۔اس کو بزار نے اور حاکم نے ''المستدرک'' میں روایت کیا ہے۔

امام حاکم نے فرمایا یہ شرط شیخین پر صحیح ہے۔امام ذھبی نے ''المختصر'' میں اس تصحیح کی تقریر کی ہے۔

چوتھی حدیث۔اس کو بزار اور ابن ابی حاتم نے اپنی اپنی تفسیر میں ابو سعید خدری رضی اللہ تعالی عنہ سے مرفوعاً روایت کیا ہے۔ابن ابی حاتم نے اسے موقوف بھی روایت کیا ہے اور یہ حکماً مرفوع ہے۔اس کی سند میں عطیہ العوفی ہے اس میں ضعف ہے مگر اس کا اگر شاہد ہو تو امام ترمذی اس کو حسن قرار دیتے ہیں اور اس روایت کے شاہد تو کثیرہ ہیں جس طرح کہ تو دیکھے گا۔

پانچویں حدیث۔اس کو بزار اور ابو یعلی نے انس رضی اللہ تعالی عنہ سے مرفوعاً روایت کیا ہے۔اس کی سند ضعیف ہے۔

چھٹی حدیث۔اس کی طبرانی اورابو نعیم نے معاذ بن جبل رضی اللہ تعالی عنہ سے مرفوعا روایت کیا ہے۔اس کی سند ضعیف ہے۔ان میں عمدہ پہلی تین صحیح ہیں۔

بعض علماء کا یہ مسلک حافظ العصر ابو الفضل ابن حجر نے نقل کیا ہے اور بعض میں فرمایا :

نبی اکرم ﷺ کے والدین کے بارے گمان یہ ہی ہے کہ وہ زمانہ فترت میں فوت ہوئے اور قیامت کے دن، وقت امتحان اطاعت کریں گے تا کہ ان سے نبی اکرم ﷺ کی آنکھیں ٹھنڈی ہوں۔

حافظ عمادالدین ابن کثیر نے والدین کریمین اور جملہ اصحاب فترت کے باب میں قضیہ امتحان ذکر کیا۔بعد میں کہا ان میں سے بعض اطاعت کریں گے اور بعض اطاعت نہیں کریں گے۔اس نے یہ نہیں کہا کہ والدین کریمین کے بارے گمان ہے کہ وہ اطاعت کریں گے۔

اور اس امر میں ہرگز شک نہیں کہ والدین کریمین کے بارے گمان یہ ہی ہے۔ان کو نبی اکرم ﷺ کی شفاعت کے تصدق سے اللہ تعالیٰ اطاعت کی توفیق دے گا۔اس طرح امام الرازی نے اپنے ''فوائد'' میں سند ضعیف کے ساتھ حدیث ابن عمر رضی اللہ تعالی عنہما روایت کی ہے۔

نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا۔

قیامت کے دن میں اپنے والد گرامی کے لئے شفاعت کروں گا۔

امام حاکم نے ابن مسعود رضی اللہ تعالی عنہ کی حدیث روایت کی ہے، اور اسے صحیح قرار دیا ہے۔

نبی اکرم ﷺ سے ان کے والدین کریمین کے بارے سوال کیا گیا تو ارشاد فرمایا میں ان کے لئے جو اپنے پروردگار سے مانگوں گا وہ عطا فرمائے گا میں اس روز مقام محمود پر فائز ہوں گا۔

یہ واضح تلویح ہے کہ نبی اکرم ﷺ امید رکھتے ہیں کہ مقام محمود پر ان دونوں کے لئے شفاعت فرمائیں گے، تاکہ وہ امتحان کے وقت اطاعت کی توفیق سے نوازے جائیں۔
اس کی مؤید یہ روایت بھی ہے جس کو ابو سعید نے ''شرف النبوة'' میں اور دوسرے آئمہ نے روایت کیا ہے۔

عمران بن حصن رضی اللّٰہ تعالی عنہ سے روایت ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا: میں نے اپنے پروردگار سے عرض کی کہ وہ میرے اہل بیت میں سے کسی ایک کو بھی جہنم میں داخل نہ کرے، تو اللہ تعالیٰ نے اس عرض کو منظور فرمالیا۔

اس کو محب طبری نے اپنی کتاب ''ذخائر العقبی'' میں بھی روایت کیا ہے۔

اسی طرح ابن جریر نے اپنی تفسیر میں لکھا، حضرت عبد اللّٰہ ابن عباس رضی اللّٰہ تعالی عنہما نے فرمان خداوند قدوس۔

﴿وَلَسَوْفَ يُعْطِيكَ رَبُّكَ فَتَرْضَىٰ﴾

۵_الضحی _۹۳

ترجمہ:

اور عنقریب آپ کا رب آپ کو اتنا دے گا کہ آپ راضی ہو جائیں گے۔
کے متعلق فرمایا، نبی اکرم ﷺ کی رضا یہ ہوگی کہ ان کے اہل بیت میں سے کوئی ایک بھی جہنم میں داخل نہ ہو۔

یہ احادیث ایک دوسری کی تائید کرتی ہیں، کیونکہ یہ اصول حدیث میں طے شدہ ہے کہ جب حدیث ضعیف کے طرق کثیر ہوں تو اس سے حدیث ضعیف کو تقویت ملتی ہے۔ جیسے حدیث ابن مسعود رضی اللہ تعالی عنہ... امام حاکم نے اس کو صحیح قرار دیا ہے۔

یہ سبیل پہلے سبیل کے مغایر ہے، جس طرح کہ میں اس کتاب اور "الکتاب المطول" میں چلا ہوں۔ کیونکہ سبیل اول کا مقتضیٰ یہ ہے کہ جن لوگوں کو دعوت نہیں پہنچی ان کی نجات اور جنت میں داخل ہونا یقینی ہے۔ اور یہ حکم امتحان پر موقوف نہیں ہے۔

اور کبھی سبیل اول اور کبھی سبیل ثانی کو ایک دوسرے کے مرادف سمجھا جاتا ہے یہ راہ میں نے "مسالک الحنفاء" "الدرج المنیفه" اور "المقامة السند سیة" میں اپنائی ہے۔ یہ اقرب الی التحقیق ہے۔ اس صورت میں ان کے قول "ناج" کا معنی ہوگا کہ وہ اطاعت کی شرط کے ساتھ ناجی ہیں نہ کہ مطلقا، اور ان کے قول "لا یعذب" کا معنی ہوگا کہ ان پر ابتداء عذاب نہ ہوگا، جس طرح کہ معاند پر ابتداء ہی عذاب واقع ہوگا۔ بلکہ ان کا امتحان ہوگا اور ان کا آخرت میں امتحان دنیا میں رسولوں کی دعوت کے قائم مقام ہوگا۔ اور آخرت میں اس امتحان میں نافرمانی رسولوں کی نافرمانی کی طرح ہوگی۔

حضرت ابو ھریرہ رضی اللہ تعالی عنہ نے حدیث اہل فترت روایت کی اور اس کے آخر میں اسی آیت سے استدلال کیا جس سے ائمہ کرام نے بعثت سے پہلے انتفائے تعذیب پر استدلال کیا ہے۔

عبد الرزاق نے اپنی تفسیر میں، ابن جریر، ابن ابی حاتم اور ابن المنذر تینوں نے عبد الرزاق کے طریق سے عن معمر عن ابن طاؤس عن ابیه عن ابی ھریرہ رضی اللہ تعالی عنہ سے روایت کی ہے۔ فرمایا:

قیامت کے دن اللہ تعالیٰ اہل فترت، بے عقل، بہرے، گونگے اور ایسے بوڑھوں کو جنہوں نے زمانہ اسلام نہیں پایا، جمع کرے گا۔ پھر ان کی طرف ایک پیغامبر بھیجے گا کہ دوزخ میں داخل ہو جاؤ۔

یہ کہیں گے۔ کس طرح ؟ ہماری طرف تو کوئی رسول نہیں آیا۔

فرمایا: خدا کی قسم، اگر وہ اس میں داخل ہو جاتے تو اس کو ٹھنڈی اور سلامتی والی پاتے۔

پھر ان کی طرف پیغام آئے گا تو فقط وہی لوگ اطاعت کریں گے جو ارادہ الٰہی میں فرمانبردار ہوں گے۔

اس کے بعد ابو ہریرہ رضی اللہ تعالی عنہ نے فرمایا اگر چاہو تو یہ تلاوت کرو

﴿وَمَا كُنَّا مُعَذِّبِيْنَ حَتّٰى نَبْعَثَ رَسُوْلاً﴾

۱۵۔بنی اسرائیل۔۱۷

ترجمہ:

اور ہم عذاب نازل کرنے والے نہیں جب تک ہم کوئی رسول نہ بھیجیں۔

سو ابو ہریرہ رضی اللہ تعالی عنہ نے اس آیت کریمہ میں مذکور لفظ "رسول" سے معنی عام سمجھا۔ رسول دنیا، یا قیامت کے دن کا وہ رسول جو ان سے کہے گا جہنم میں داخل ہو جاؤ۔ ابو ہریرہ رضی اللہ تعالی عنہ جیسی شخصیت سے ایسے معنی کا فہم عجیب نہیں ہے۔

ان دونوں سبیل پر ان احادیث کا، جو والدین کریمین کے بارے امر مخالف پر دلالت کرتی ہیں، کا جواب یہ ہوگا کہ وہ احادیث ان آیات اور ان کے موافق احادیث سے متقدم ہیں جس طرح کہا گیا ہے کہ وہ احادیث جن میں اطفال مشرکین کے دوزخی ہونے کا

ذکر ہے۔

﴿وَلَا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِّزْرَ اُخْرٰی﴾

۱۵۔الاسرائیل۔۱۷

ترجمہ:

اور کوئی بوجھ اٹھانے والی جان دوسرے کا بوجھ نہیں اٹھائے گی۔

اور اس کے موافق احادیث سے متقدم ہیں۔

بعض آئمہ مالکیہ نے کہا ہے کہ ابوین کریمین کے حق میں منفی جہت سے وارد ہونے والی احادیث اخبار احاد ہیں۔وہ حکم قطعی

﴿وَمَا كُنَّا مُعَذِّبِيْنَ حَتّٰى نَبْعَثَ رَسُوْلًا﴾

۱۵۔الاسرائیل ۔۱۷

ترجمہ:

اور ہم عذاب نازل کرنے والے نہیں جب تک ہم کوئی رسول نہ بھیج لیں۔

کے معارض نہیں ہوسکتیں۔

مین (جلال الدین السیوطی) عرض کرتا ہوں، مزید برآں اس سلسلہ میں اکثر وارد ہونے والی احادیث ضعیف الاسناد ہیں، اور جو صحیح ہیں وہ قابل تاویل ہیں۔

تیسرا راستہ:

خداوند قدوس نے دونوں کو زندہ فرمایا، اور وہ نبی اکرم ﷺ پر ایمان لے آئے۔

اس نظریہ کی طرف آئمہ کرام اور حفاظ حدیث سے ایک بہت بڑی جماعت مائل ہے۔انہوں نے اس سلسلہ میں وارد ہونے والی حدیث سے استناد کیا ہے۔اس حدیث کی اسناد ضعیف ہیں

ابن جوزی نے اس حدیث کو "الموضوعات" میں وارد کیا ہے مگر یہ موضوع نہیں ہے۔ابن الصلاح نے "علوم الحدیث" میں اوران کے بعد آنے والے سارے آئمہ نے نص وارد کی ہے کہ ابن الجوزی "الموضوعات" میں مسامحت کا شکار ہوا ہے۔ اس نے اپنی اس کتاب میں احادیث وارد کی ہیں، ان پر وضع کا حکم لگایا ہے مگر وہ موضوع نہیں ضعیف ہیں بسا اوقات تو یہ حسن اور صحیح ہوتی ہیں۔

حافظ زین الدین العراقی نے "الفیہ" میں کہا۔

ابو الفرج ابن الجوزی نے "الموضوعات" میں کثرت سے مطلق ضعیف احادیث وارد کی ہیں۔

شیخ الاسلام ابو الفضل ابن حجر نے ایک کتاب لکھی جس کا نام "القول المسدد فی الذب عن مسند احمد" رکھا۔اس میں ان تمام احادیث کا ذکر کیا جن کو ابن الجوزی نے "الموضوعات" میں لیا ہے حالانکہ یہ مسند احمد میں موجود ہیں اوران کی خوب حفاظت کی۔

ابن جوزی کو ان پر حکم وضع لگانے میں وہم لاحق ہوا۔ابن حجر نے واضح کیا ان میں بعض روایات فقط ضعیف ہیں۔وہ درجہ وضع کو نہیں پہنچتیں، ان میں کچھ تو صحیح ہیں۔ان میں ایک تو ایسی حدیث بھی ہے جو مسلم شریف میں موجود ہے۔

شیخ الاسلام ابن حجر نے ارشاد فرمایا۔

ابن جوزی کو شدید غفلت لاحق ہوئی کہ اس نے ایسی حدیث پر وضع کا حکم لگایا حالانکہ وہ احد الصحیحین میں موجود ہے۔انتھی

اس طرح کا تعاقب ان کے شیخ حافظ العصر زین الدین العراقی نے بھی کیا

میں نے شیخ الاسلام کی تصنیف میں ایک نام ''تعقبات علی موضوعات ابن الجوزی'' دیکھا مگر اس تالیف پر آگاہ نہ ہوا۔ میں نے ابن الجوزی کی روایت میں تتبع کیا جو موضوع نہیں ہے۔ ان میں بعض احادیث سنن ابو داود، ترمذی، نسائی، ابن ماجه، مستدرک للحاکم اور اس کے علاوہ کتب معتمدہ کی ہیں۔ میں نے ان میں سے ہر حدیث کا حال ضعف، حسن اور صحت کے اعتبار سے واضح کر دیا ہے اس سلسلہ میں میری تالیف ''النکت البدیعات علی الموضوعات'' ہے۔

یہ حدیث احیاء ابوین والی جس کے ہم در پے ہیں، ابن الجوزی نے اس کو موضوع قرار دے کر کثیر آئمہ اور حفاظ کی مخالفت کی ہے۔ ان آئمہ اور حفاظ نے کہا کہ یہ قسم ضعیف سے ہے جن کی روایت فضائل ومناقب میں جائز ہوتی ہے۔ یہ حدیث قسم موضوع سے نہیں ہے۔ ان آئمہ وحفاظ میں سے چند ایک کے نام مندرجہ ذیل ہیں۔

حافظ ابو بکر الخطیب البغدادی، حافظ ابو القاسم ابن عساکر، حافظ ابو حفص ابن شاهین، حافظ ابو القاسم السهیلی، امام قرطبی، حافظ محب الدین الطبری، علامه ناصر الدین بن المنیر اور حافظ فتح الدین ابن سید الناس۔ اس نے اسی امر کو بعض اہل علم سے نقل کیا اور صلاح نے نظم میں اس کو اختیار کیا۔

حافظ شمس الدین بن ناصر الدین الدمشقی نے اپنے اشعار میں کہا۔

ا۔ اللہ تعالیٰ نے نبی اکرم ﷺ کو فضل در فضل سے نوازا، وہ آپ ﷺ پر بہت مہربان ہے،

۲۔ اس نے فضل لطیف فرماتے ہوئے آپ ﷺ کے والدین کو دوبارہ زندہ فرمایا تاکہ وہ دولت ایمان سے مالا مال ہو جائیں۔

۳۔ اس امر کو تسلیم کر لے کیونکہ قدیم اس امر پر قادر ہے۔ اگرچہ اس سلسلہ میں وارد ہونے

والی حدیث ضعیف ہے۔

مجھے ایک فاضل نے خبر دی کہ اس نے شیخ السلام ابن حجر کا ایک قلمی فتوی دیکھا جس میں آپ نے یہی جواب دیا، مگر میں اس فتوی پر آگاہ نہ ہو سکا۔ میں تو ان کے اسی کلام پر آگاہ ہوں جس کو میں نے سبیل ثانی میں ذکر کیا ہے۔

امام سہیلی نے ''الروض الانف'' کے اوائل میں یہ حدیث وارد کی کہ

نبی اکرم ﷺ نے اپنے پروردگار سے سوال کیا کہ ان کے والدین کریمین کو زندہ فرمادے۔ خداوند قدوس نے ان کو زندہ فرمادیا۔ انہوں نے ایمان قبول کیا اور پھر ان کو اللہ تعالیٰ نے لوٹا دیا۔

اس حدیث کو ذکر کرنے کے بعد فرمایا: اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قادر ہے اس کی رحمت اور قدرت کسی شی سے عاجز نہیں ہے۔ اور نبی اکرم ﷺ اس کے اہل ہیں کہ جس فضل وعنایت اور بخشش وعطا سے چاہے ان کو نواز دے۔

اسی کتاب میں دوسری جگہ اس حدیث کو روایت کیا کہ

نبی اکرم ﷺ نے سیدہ فاطمۃ الزہرا رضی اللہ تعالی عنہا سے ارشاد فرمایا: اگر تو ان کے ساتھ قبرستان جاتی تو اس وقت تک جنت نہ دیکھتی جب تک تیرے باپ کے دادا نہ دیکھ لیتے۔

اس کے بعد امام سہیلی نے کہا...... کہ اس حدیث میں تیرے ''دادا'' کی بجائے ''تیرے باپ کے دادا'' کہنے میں ہماری ذکر کردہ حدیث احیاء ابوین کی تقویت ہے۔

امام سہیلی کی اس حدیث کو ابن الجوزی نے ''الموضوعات'' میں ذکر نہیں کیا۔ ابن الجوزی نے ایک دوسری حدیث کسی اور طریق سے احیاء والدہ کے ضمن

میں فقط درج کی ہے۔اس کے الفاظ امام سہیلی کے الفاظ سے مختلف ہیں۔پس معلوم ہوا کہ یہ ایک مستقل حدیث ہے۔ان آئمہ کرام نے اس حدیث کو ان احادیث کی ناسخ قرار دیا ہے جو اس کے مخالف معنیٰ میں وارد ہوئی ہے۔ انہوں نے نصا کہا ہے کہ یہ حدیث ایمان واحیاء اپنی مخالف احادیث سے متاخر ہے۔سو اس میں اور ان میں ہرگز تعارض نہیں ہے۔

امام قرطبی نے فرمایا کہ نبی اکرم ﷺ کے فضائل مسلسل وقت وصال تک اضافہ پذیر رہے ہیں۔سو یہ احیاء وایمان اللہ تعالیٰ کے خصوصی فضل وکرم کی بنا پر ہوگا اور ان کا احیاء وایمان نہ تو عقلاً ممتنع ہے نہ شرعاً ممتنع ہے۔بنی اسرائیل کے ایک مقتول کا زندہ ہونا اور اپنے قاتل سے آگاہ کرنا قرآن حکیم میں وارد ہے۔عیسیٰ علیہ السلام مردوں کو زندہ فرمایا کرتے تھے۔اسی طرح ہمارے نبی اکرم ﷺ سے یہ سب کچھ ثابت ہے،تو پھر نبی اکرم ﷺ کی کرامت اور فضیلت کی بنا پر والدین کریمین کے احیاء وایمان میں کون سا امر مانع ہے۔

چوتھا راستہ:

والدین کریمین حنفیہ دین ابراھیم پر تھے۔جیسے زید بن عمرو بن نفیل اور اس کی امثال دور جاہلیت میں تھے۔

ابن الجوزی نے ”التلقیح میں باقاعدہ ایک باب باندھا ہے جس میں ایسے لوگوں کا نام ذکر کیا ہے جنہوں نے دور جاہلیت میں بت پرستی کو چھوڑ رکھا تھا۔ان میں زید مذکور قس بن ساعدہ، ورقہ بن نوفل،ابو بکر صدیق اور دوسرے لوگوں کا ذکر کیا ہے۔اسی نظریہ کی طرف امام فخر الدین الرازی مائل ہوئے ہیں اور انہوں نے یہ امر زائد کیا ہے کہ نبی اکرم ﷺ کے تمام آباء حضرت آدم علیہ السلام تک توحید پر گامزن تھے۔آپ نے ”اسرار التنزیل “میں کہا کہ آزر، ابراھیم علیہ السلام کے والد نہ

تھے بلکہ چچا تھے۔ اور اس امر پر کئی وجوہ سے حجت پیش کی ہے۔

ا۔ انبیاء علیہم السلام کے آباء کرام کفار نہ تھے۔ اس امر پر کئی وجوہ سے دلالت ہے۔

اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے۔

﴿اَلَّذِیْ یَرٰاکَ حِیْنَ تَقُوْمُ . وَتَقَلُّبَکَ فِی السّٰجِدِیْنَ﴾

۲۱۹۔۲۱۸۔الشعراء۔۲۶

ترجمہ:

وہ آپ کا کھڑا ہونا اور سجدہ گزاروں میں پلٹنا دیکھتا ہے۔

کہا گیا ہے کہ مندرجہ بالا فرمان الٰہی کا معنی ہے کہ ان کا نور عظیم ایک ساجد سے دوسرے ساجد میں منتقل ہوتا رہا ہے۔

اس تقریر پر یہ آیت کریمہ دلالت کرتی ہے کہ نبی اکرم ﷺ کے تمام آباء کرام مسلمان تھے۔ اور یہ بھی قطعی طور معلوم ہوتا ہے کہ حضرت ابراھیم علیہ السلام کے والد ہرگز کافر نہ تھے۔

اس باب میں زیادہ سے زیادہ یہ ہے کہ آیت مذکورہ کو دوسری وجوہ پر محمول کیا جائے اور جب سب وجوہ میں روایات وارد ہیں، اور ان میں منافات بھی نہیں تو ان تمام وجوہ پر آیت کا حمل واجب ہے۔

جب یہ امر صحیح ہے تو ثابت ہو گیا کہ والد ابراھیم علیہ السلام ہرگز بت پرستوں سے نہ تھے۔

خداوند قدوس کا فرمان ہے۔

﴿اِنَّمَا الْمُشْرِکُوْنَ نَجَسٌ﴾

۲۸۔التوبہ۔۹

ترجمہ:

بے شک مشرک پلید ہیں۔

نبی اکرم ﷺ کا ارشاد گرامی ہے۔

میں ہمیشہ پاک پشتوں سے پاک رحموں کی طرف منتقل ہوتا رہا ہوں۔

ان دونوں قضیوں کو ملانے سے نتیجہ صاف ظاہر ہے کہ نبی اکرم ﷺ کے اباء واجداد سے کوئی ایک بھی مشرک نہ تھا۔

یہ سارا امام فخر الدین الرازی کا کلام تھا۔

اس امر پر مجھے مضبوط دلیلیں میسر آئیں ہیں، جن میں عام بھی ہیں اور خاص بھی۔

عام دلیلیں دو مقدموں سے مرکب ہیں۔

پہلا مقدمہ:

احادیث صحیحہ میں وارد ہے کہ نبی اکرم ﷺ کے آباء واجداد اپنے زمانہ کے بہترین لوگ تھے جیسے کہ حدیث بخاری میں ہے۔

کہ میں بنی آدم کے زمانوں میں قرناً بعد قرن، بہترین زمانوں میں مبعوث ہوتا رہا ہوں، حتی کہ یہ زمانہ، جس میں موجود ہوں۔

دوسرا مقدمہ:

یہ امر بھی ثابت ہے کہ روئے زمین پر ہمیشہ کم از کم سات ایسے افراد موجود رہے ہیں جن کے تصدق سے اہل زمین کو اللہ تعالیٰ نے عذاب سے محفوظ رکھا ہے۔

عبد الرزاق نے "مصنف" میں اور ابن المنذر نے اپنی تفسیر میں سند صحیح کے

ساتھ شرط شیخین پر حضرت علی المرتضی رضی اللہ تعالی عنہ سے روایت کی ہے۔

روئے زمین پر ہمیشہ کم از کم سات مسلمان رہے ہیں۔ اگر وہ نہ ہوتے تو زمین اور اہل زمین ہلاک ہو جاتے۔

امام احمد نے ''الزھد'' میں اور الخلال نے ''کتاب کرامات اولیاء'' میں سند صحیح کے ساتھ شرط شیخین پر حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالی عنھما سے روایت کیا ہے۔

حضرت نوح علیہ السلام کے بعد زمین ایسے سات افراد سے کبھی خالی نہیں ہوئی جن کی وجہ سے اللہ تعالیٰ اہل زمین کو مصائب سے محفوظ رکھتا رہا ہے۔

ان دونوں مقدموں کا نتیجہ وہی ہے جو امام فخر الدین الرازی نے نکالا ہے۔ کیونکہ اجداد کرام اگر ان سات میں سے ہوتے رہے ہوں تو یہ مدعی ہے۔ اور اگر ان کے غیر ہوں تو دو میں سے ایک امر ضرور لازم آئیگا، یا تو یہ کہ ان کا غیر ان سے بہتر ہو اور یہ حدیث صحیح کی مخالفت کی بنا پر باطل ہے اور یا یہ کہ ہوں تو یہی بہتر مگر شرک پر ہوں، یہ بھی اجماعاً باطل ہے کیونکہ قرآن حکیم میں۔

﴿ وَلَعَبْدٌ مُّؤْمِنٌ خَيْرٌ مِّنْ مُّشْرِكٍ ﴾

۲۲۱۔البقرۃ۔۲

ترجمہ :

اور مومن غلام آزاد مشرک سے بہتر ہے۔

پس ثابت ہوا کہ آباء کرام توحید پر تھے، تا کہ وہ ہر زمانہ میں اہل زمین میں بہتر رہیں۔

دلیل خاص:

ابن سعد نے ''الطبقات'' میں حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالی عنہ سے روایت کیا ہے کہ حضرت نوح اور آدم علیہما السلام کے درمیانی آباء اسلام پر تھے

ابن جریر، ابن حاتم، ابن المنذر اور بزار نے اپنی مسند میں اور حاکم نے ''المستدرک'' میں روایت کیا ہے اور اس کو صحیح قرار دیا ہے۔

حضرت عبد اللہ ابن عباس رضی اللہ تعالی عنہما ارشاد فرماتے ہیں۔

حضرت آدم و نوح علیہما السلام کے مابین دس صدیاں تھیں اور اس میں سبھی لوگ شریعت حقہ پر تھے۔ پھر اختلاف ظاہر ہوا تو اللہ تعالیٰ نے انبیاء علیہم السلام کو مبعوث فرمایا۔

فرمایا: اس طرح حضرت عبد اللہ کی قرأۃ میں ہے۔

﴿وَ مَا کَانَ النَّاسُ اِلَّا اُمَّۃً وَّاحِدَۃً فَاخْتَلَفُوْا﴾

۱۹۔یونس۔۱۰

ترجمہ:

اور لوگ ایک ہی امت تھے، پھر مختلف ہوئے۔

قرآن حکیم میں حضرت نوح علیہ السلام کی دعا کی حکایت ہے۔

﴿رَبِّ اغْفِرْلِیْ وَلِوَالِدَیَّ وَلِمَنْ دَخَلَ بَیْتِیَ مُؤْمِناً﴾

۲۸۔نوح۔۷۱

ترجمہ:

اے میرے پروردگار! مجھے، میرے والدین اور اسے جو ایمان کے ساتھ میرے گھر میں ہے، بخش دے۔

سام بن نوح تو نص قرآن اور اجماع سے مومن تھے۔ بلکہ ایک ایسا اثر وارد ہے کہ وہ نبی تھے، اور ان کے بیٹے ارفخشد کے ایمان کی ابن عباس رضی اللہ تعالی عنهما کے اثر میں تصریح ہے اس سے ابنِ عبد الحکیم نے "تاریخ مصر" میں روایت کیا ہے۔ اس میں یہ بھی ہے کہ

ارفخشد نے اپنے دادا حضرت نوح علیہ السلام کو پایا، ان کے لئے دعا کی کہ اللہ تعالیٰ ان کی اولاد میں بادشاہی اور نبوت رکھے۔

ابن سعد نے طریق کلبی سے "الطبقات" میں روایت کیا ہے۔

جب تک لوگ شہر بابل میں رہے وہ اسلام پر تھے، زمانہ نوح علیہ السلام تک۔ جب نمرود ان کا حکمران بنا تو اس نے بت پرستی کی دعوت دی، نمرود کے عہد میں حضرت ابراھیم علیہ السلام اور آزر تھے۔

ذریت ابراھیم علیہ السلام کے بارے اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

﴿وَاِذْقَالَ اِبْرَاهِيْمُ لِاَبِيْهِ وَقَوْمِهٖٓ اِنَّنِيْ بَرَآءٌ مِّمَّا تَعْبُدُوْنَ. اِلَّا الَّذِيْ فَطَرَنِيْ فَاِنَّهٗ سَيَهْدِيْنِ . وَجَعَلَهَا كَلِمَةًۢ بَاقِيَةً فِيْ عَقِبِهٖ﴾

۲۸_۲۷_۲۶_الزحرف_۴۳

ترجمہ:

اور یاد کرو جب ابراھیم نے اپنے چچا اور اپنی قوم سے کہا: میں ان سے براءت کا اظہار کرتا ہوں، جن کی تم عبادت کرتے ہو۔ سوائے اس کے کہ جس نے مجھے پیدا کیا۔ بیشک وہی ہدایت دے گا۔ اور اس نے کلمہ توحید کو آپ کی ذریت میں باقی رکھا۔

عبد ابن حمید نے ابن عباس رضی اللہ تعالی عنهما اور مجاهد سے

فرمان الٰہی

﴿وَجَعَلَهَا كَلِمَةً م بَاقِيَةً فِي عَقِبِهِ﴾

۲۸ _ الزخرف _ ۴۳

ترجمہ:

اور اس نے آپ کی ذریت میں کلمہ توحید کو باقی رکھا۔

کے تحت روایت کیا ہے۔

کلمہ باقیہ سے مراد لا الہ الا اللہ ہے۔ یہ حضرت ابراھیم علیہ السلام کی اولاد میں رہا انہوں نے ہی اس جگہ حضرت قتادہ رضی اللہ تعالی عنہ سے روایت کیا ہے۔

اس سے مراد لا الـہ الا اللہ اور توحید کی گواہی ہے۔ آپ کی ذریت میں اس توحید کی گواہی دینے والے ہمیشہ رہیں گے۔

اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

﴿وَاِذْقَالَ اِبْرَاهِيمُ رَبِّ اجْعَلْ هٰذَا الْبَلَدَ اٰمِنًا وَّاجْنُبْنِيْ وَبَنِيَّ اَنْ نَّعْبُدَ الْاَصْنَامَ﴾

۳۵ _ ابراھیم _ ۱۴

ترجمہ:

اور یاد کرو جب ابراھیم نے کہا، اے میرے رب! اس شہر کو امن والا بنا اور مجھے اور میرے بیٹوں کو بت پرستی سے محفوظ رکھ۔

ابن جریر نے مجاھد سے اسی آیت کے تحت روایت کیا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراھیم علیہ السلام کی اولاد کے حق میں اس دعا کو قبول فرمایا۔ اس دعا کے بعد آپ کی اولاد میں سے کسی نے بھی بت پرستی نہ کی۔

ابن ابی حاتم نے سفیان بن عینیہ سے روایت کی ہے۔

ان سے کسی نے سوال کیا:

حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کی اولاد سے کسی نے بت پرستی کی؟

آپ نے کہا! نہیں۔ کیا تو نے آپ کی یہ دعا نہیں سنی؟

﴿وَاجْنُبْنِیْ وَبَنِیَّ اَنْ نَّعْبُدَ الْاَصْنَامَ﴾

۳۵۔ابراھیم۔۱۴

ترجمہ:

اور مجھے اور میرے بیٹوں کو بت پرستی سے بچا۔

عرض کی گئی۔ اس دعا میں حضرت اسحق علیہ السلام کی اولاد اور حضرت ابراھیم علیہ السلام کی بقیہ اولاد کیونکر داخل نہیں۔

فرمایا! اس لئے کہ جب حضرت ابراھیم علیہ السلام نے حضرت اسمعیل علیہ السلام کو شہر مکہ میں آباد کیا تو ان کے لئے دعا فرمائی۔

فرمایا!

﴿اِجْعَلْ هٰذَا الْبَلَدَ اٰمِناً﴾

۳۵۔ابراھیم۔۱۴

ترجمہ:

اس شہر کو امن والا بنادے۔

سارے شہروں کے لئے دعا نہیں فرمائی۔

اور فرمایا!

﴿وَاجْنُبْنِیْ وَبَنِیَّ اَنْ نَّعْبُدَ الْاَصْنَامَ﴾

۳۵۔ابراھیم۔۱۴

ترجمہ:

اور مجھے اور میرے بیٹوں کو بت پرستی سے محفوظ رکھ۔

اس دعا میں آپ نے اس شہر والوں کو خاص فرمایا!

﴿رَبَّنَآ اِنِّیۡۤ اَسۡکَنۡتُ مِنۡ ذُرِّیَّتِیۡ بِوَادٍ غَیۡرِ ذِیۡ زَرۡعٍ عِنۡدَ بَیۡتِکَ الۡمُحَرَّمِ ۙ رَبَّنَا لِیُقِیۡمُوا الصَّلٰوۃَ﴾

۳۷۔ابراھیم۔۱٤

ترجمہ:

اے ہمارے پروردگار! میں نے اپنی کچھ ذریت کو ایسی وادی میں آباد کر دیا ہے، جہاں کھیتی باڑی نہیں۔ تیرے حرمت والے گھر کے پاس۔ اے ہمارے پروردگار! تاکہ وہ نماز قائم کریں۔

ابن المنذر نے ابن جریح سے فرمان خداوند قدوس

﴿رَبِّ اجۡعَلۡنِیۡ مُقِیۡمَ الصَّلٰوۃِ وَمِنۡ ذُرِّیَّتِیۡ﴾

٤٠۔ابراھیم ١٤

ترجمہ:

اور میرے پروردگار! مجھے اور میری اولاد کو نماز قائم کرنے والا بنا۔

کے تحت نقل کیا ہے۔

حضرت ابراھیم کی ذریت سے ہمیشہ ایسے لوگ رہیں گے جو فطرت پر رہ کر اللہ تعالیٰ کی عبادت کریں گے۔

بخاری اور دوسری کتب احادیث میں احادیث صحیحہ اور نصوص العلماء کثرت سے اس امر پر دلالت کرتی ہیں۔

عرب لوگ ابراھیم علیه السلام سے لے کر عمرو ابن عامر الخزاعی تک ان کے دین پر قائم رہے، کسی نے راہ کفر اختیار نہ کی۔

یہ عمرو بن لحی ہی وہ پہلا شخص ہے، جس نے بت پرستی کی اور دین ابراہیم کو بدل دیا۔

امام شهرستانی نے "الملل والنحل" میں کہا۔

صدر عرب میں دین ابراھیم علیه السلام قائم رہا اور توحید عام رہی۔ وہ پہلا شخص جس نے دین ابراہیم کو بدلا اور بت پرستی کو رواج دیا، عمرو بن لحی ہے۔

امام سهیلی نے "الروض الانف" میں کہا۔

جب خزاعه نے بیت اللہ شریف پر قبضہ کرلیا۔ جرھم کو مکه سے نکال دیا۔ تو عرب نے عمرو بن لحی کو رب بنالیا۔ اس نے جس بدعت کو رواج دیا، عربوں نے اسے اپنالیا۔

ابن اسحق نے ذکر کیا۔

عمرو بن لحی ہی وہ پہلا شخص تھا، جس نے بتوں کو حرم میں داخل کیا، لوگوں کو ان کی عبادت پر اکسایا عہد ابراھیم علیه السلام میں تلبیہ یہ ہی تھا۔

لبیک اللهم لبیک لا شریک لک لبیک ۔

عمرو بن لحی تلبیہ کہہ رہا تھا کہ شیطان ایک شیخ کی صورت میں اس کے پاس آیا اور عمرو کے ساتھ تلبیہ کرنے لگا۔

عمرو نے کہا۔ لبیک لا شریک لک

شیخ نے کہا۔ الا شریکا هو لک

عمرو نے انکار کیا اور کہا، یہ کیا ہے؟

شیخ نے کہا .تملکه وما یملک

اس کے کہنے میں کوئی حرج نہیں۔ عمرو نے ایسا ہی کیا۔ پھر یہ عرب میں مروج ہو گیا۔

عمر و بن لحی نبی اکرم ﷺ کے جد امجد جناب کنانه کے زمانہ کے قریب تھا۔

ابن حبیب نے اپنی تاریخ میں ابن عباس رضی اللہ تعالی عنهما سے روایت کیا۔

عدنان، معد، ربیع، مضر، خزیمه اور اسد ملت ابراہیمی پر تھے ان کا ذکر بھلائی کے ساتھ کرو۔

ابن سعد نے ''الطبقات ''میں عبد اللہ بن خالد سے مرسلاً روایت کیا ہے۔

رسول اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا۔

مضو کو گالی نہ دو وہ مسلمان تھے۔

امام سهیلی نے ''الروض الانف میں ایک حدیث روایت کی۔

مضر اور ربیع کو گالی نہ دو۔ وہ اہل ایمان تھے۔

اس کو زبیر بن بکار نے ذکر کیا۔

نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا۔

الیاس علیه السلام کو گالی نہ دو۔ وہ اہل ایمان تھے۔

اور فرمایا!

وہ حج کے دنوں میں نبی اکرم ﷺ کی تلبیہ اپنی پشت میں سنتے تھے۔

فرمایا!

کعب بن لوی وہ پہلا شخص ہے جس نے جمعہ کے دن اجتماع کیا، اور اس دن کا

نام جمعہ رکھا قریش اس دن اس کے پاس جمع ہوتے۔ یہ ان سے خطاب فرماتے۔ نبی اکرم ﷺ کی بعثت مبارکہ کا ذکر فرماتے۔ ان کو بتلاتے کہ وہ ان کی اولاد سے ہوں گے۔ ان کی اتباع کرنے اوران پر ایمان لانے کی نصیحت کرتے۔ اس سلسلہ میں اپنے اشعار پڑھتے۔ ان میں سے ایک یہ ہے۔

اے کاش میں نجواء اس دعوت کا شاہد ہوتا۔

جب قریش حق کی رسوائی کا ارادہ کریں گے۔

امام ماوردی نے یہ خبر اپنی کتاب ''الاعلام'' میں کعب سے ذکر کی۔

میں کہتا ہوں۔ اسے امام ابو نعیم نے ''دلائل النبوۃ'' میں بھی ذکر کیا ہے۔

خلاصہ یہ ہے کہ

نبی اکرم ﷺ کے اجداد کرام حضرت آدم علیہ السلام سے لے کر کعب ابن لوی اور ان کے بیٹے مرہ تک کے ایمان پر تصریح ہے۔ آزر میں اختلاف ہے۔ اگر وہ والد ابراھیم ہیں تو مستثنیٰ ہیں، اور اگر وہ آپ کے چچا ہیں تو اجداد سے خارج ہیں اور سلسلہ نسب سلامت ہے۔ مرہ اور عبد المطلب کے درمیان چار اجداد کرام ہیں۔ ان کے بارے مجھے کوئی نقل نہیں ملی۔ اور عبد المطلب میں اختلاف ہے۔

امام سھیلی نے ''الروض الانف'' میں حدیث صحیح روایت کی ہے۔ اس میں ہے۔

ابو جھل اور ابن ابی امیہ نے ابو طالب سے کہا، کیا تو ملت عبد المطلب سے پھر رہا ہے؟ تو اس کا یہ کہنا اس امر کا مقتضی ہے کہ عبد المطلب کی موت شرک پر ہوئی ہے۔

فرمایا: کہ مسعودی کی کتاب میں بھی میں نے عبد المطلب کے بارے اختلاف پایا۔ان کے بارے کہا گیا ہے کہ جب انہوں نے نبی کریم ﷺ کی نبوت پر دلائل دیکھ لئے ،اور جان لیا کہ وہ توحید کے ساتھ مبعوث ہوں گے تو مسلمان فوت ہوئے۔ اللہ تعالیٰ ہی حقیقت حال کو زیادہ جانتا ہے۔

یہ سارا امام سہیلی کا کلام ہے۔

حدیث بخاری کی بنا پر زیادہ مناسب قول یہ ہے کہ ان کو دعوت ہی نہیں پہنچی۔

حلیمی نے ''شعب الایمان'' میں حدیث مسلم روایت کی ہے۔

میری امت میں چار امر ایسے ہیں جن کو وہ چھوڑنے والے نہیں ہیں۔فخر فی الاحساب

عقبہ نے کہا۔

اگر اس حدیث میں اور بنی کنانہ ، قریش اور بنی ہاشم کے انتخاب والی حدیث کو ایک دوسری کی معارض ٹھہرایا جائے ،

تو اس کا جواب یہ ہے کہ اس سے نبی اکرم ﷺ نے فخر کا ارادہ نہیں فرمایا۔آپ نے ذکر کردہ اشخاص کی منازل و مراتب کی تعریف کا ارادہ کیا ہے۔جیسے کوئی شخص کہے کہ میرا باپ فقیہ تھا۔اور اس سے وہ ارادہ فخر نہ کرے، بلکہ دوسروں سے ممتاز کرنے کے لئے اس کی حقیقت حال بیان کرے۔

اور ممکن ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے علی وجہ الشکر اللہ تعالیٰ کی اس نعمت کو بیان کیا ہو جس سے اللہ تعالیٰ نے ان کو اور ان کے آباء کو نوازا ہے۔اور یہ استطالہ و فخر نہیں ہے (حلیمی کا کلام ختم ہوا)

امام بیہقی نے انہی سے ''شعب الایمان'' میں نقل کیا ہے۔

اوراس کی طرف حافظ شمس الدین بن ناصر الدین الدمشقی نے اشارہ کیا ہے۔

اشعار:

احمد (مصطفیٰ ﷺ) نور عظیم کی صورت میں منتقل ہوتے رہے۔اور سجدہ گزاروں کی پیشانیوں میں جگمگاتے رہے۔

قرناً بعد قرن ان میں پلٹتے رہے، حتیٰ کہ خیر المرسلین بن کر ظاہر ہوئے۔

امام ابو نعیم نے ''دلائل النبوة'' میں سند ضعیف کے ساتھ طریق زھری سے عن ام سماعة بنت ابی رھم عن امها روایت کیا ہے۔

میں نے سیدہ آمنہ ...... والدہ ماجدہ سرکار دو عالم ﷺ کو اس مرض میں دیکھا جس میں ان کا انتقال ہوا۔ نبی اکرم ﷺ پانچ سال کے بچے تھے۔آپ کے سر اقدس کی طرف تشریف فرما تھے سیدہ آمنہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے نبی اکرم ﷺ کے چہرہ انور کی طرف دیکھا اور چند اشعار کہے۔

١۔اے صاحبزادے! خداوند قدوس تجھے سراپا برکت بنائے، اور اے سرداروں کے سردار کے فرزند۔

٢۔وہ بادشاہ حقیقی سراپا احسان کی مدد سے محفوظ رہے۔ تیروں کی قرعہ اندازی سے ان کا فدیہ دیا گیا۔

٣۔ایک سو تندرست اونٹ۔اگر وہ سچ ہے جو میں نے خواب میں دیکھا۔

٤۔تو آپ خدائے بزرگ و برتر کی طرف سے ساری کائنات کی طرف مبعوث ہو گے۔

٥۔آپ حل وحرام کی طرف مبعوث ہو گے۔آپ تحقیق اور اسلام کے سنگ تشریف لاؤ گے۔

٦۔آپ کے باپ ابراھیم کا دین سراسر نیکی ہے۔اللہ تعالیٰ نے آپ کو بت پرستی سے روک

دیا ہے۔

۷۔ کہ آپ لوگوں کے ساتھ ان کی پیروی کریں۔

اس کے بعد ارشاد فرمایا۔

ہر زندہ کو موت ہے، ہر نئے کو بوسیدہ ہونا ہے، ہر بڑے کو فنا ہونا ہے، میں اس جہاں سے رخصت ہو رہی ہوں، مگر میرا ذکر باقی رہے گا۔ میں نے اپنے پیچھے بھلائی کو چھوڑا ہے۔ سراپا پاکیزگی کو جنم دیا ہے۔ اس کے بعد آپ کا وصال ہو گیا۔

خاتمہ:

یہ مسئلہ اجماعیہ نہیں ہے، بلکہ اختلافیہ ہے۔ اور میں نے والدین کریمین کے لئے نجات والا قول پسند کیا ہے۔ کیونکہ مقام کے یہی زیادہ مناسب ہے۔

میں نے اپنے شیخ کے والد گرامی شیخ کمال الدین الشمنی کا قول نقل کیا ہے۔ آئمہ مالکیہ میں سے امام ابو بکر ابن العربی سے ایسے شخص کے بارے سوال کیا گیا، جس نے کہا کہ نبی اکرم ﷺ کے والد گرامی (العیاذ باللہ) جہنم میں ہیں۔

آپ نے جواب دیا کہ ایسا شخص ملعون ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد گرامی ہے۔

﴿اِنَّ الَّذِیْنَ یُؤْذُوْنَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ لَعَنَهُمُ اللّٰهُ فِی الدُّنْیَا وَالْاٰخِرَةِ﴾

۵۷_الاحزاب _۳۳

ترجمہ:

بے شک جو لوگ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کو اذیت دیتے ہیں، ان پر دنیا اور آخرت میں اللہ تعالیٰ کی لعنت ہے۔

فرمایا! اس سے بڑی اذیت اور کیا ہو سکتی ہے کہ کہا جائے کہ آپ کے والد گرامی جہنم میں ہیں۔

امام سهیلی نے "الروض الانف" میں حدیث مسلم ذکر کرنے کے بعد کہا۔

ہمارے لئے یہ جائز نہیں ہے کہ ہم نبی کریم ﷺ کے والدین کریمین کے بارے ایسا کہیں۔ نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا۔

لَا تُؤْذُوا الْاَحْيَاءَ لِسَبِّ الْاَمْوَاتِ .

فوت شدگان کو برا بھلا کہہ کر زندوں کو اذیت نہ دو۔

اور اللہ تبارک وتعالیٰ نے ارشاد فرمایا۔

﴿اِنَّ الَّذِيْنَ يُؤْذُوْنَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ لَعَنَهُمُ اللّٰهُ فِى الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ﴾

۵۷_الاحزاب ۳۳

ترجمہ : بے شک وہ لوگ جو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کو اذیت دیتے ہیں، ان پر دنیا و آخرت میں اللہ تعالیٰ کی لعنت ہے۔

فرمایا کہ معمر بن راشد نے حدیث مسلم مختلف الفاظ سے روایت کی، اور پھر ایک حدیث غریب روایت کی۔ شاید وہ صحیح ہو، پھر ان کے احیاء والی حدیث روایت کی۔

قاضی عیاض علیه الرحمه نے "الشفاء" میں ذکر فرمایا۔

کہ عمر بن عبد العزیز کے سیکرٹری نے اس طرح کے کلمات کہے، تو آپ نے اسے معزول کر دیا۔ فرمایا! تو اب کبھی بھی میرے لئے نہ لکھے گا۔

امام ابو نعیم نے "الحلیه" میں اور هروی نے "ذم الکلام" میں ایک اثر کو ذکر کیا ہے۔ جب حضرت عمر بن عبد العزیز رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے یہ کلمات شنیعہ سنے، آپ شدید غضبناک ہوئے اور اسے معزول کر دیا۔

وَاللّٰهُ اَعْلَمُ بِالصَّوَابِ . وَاِلَيْهِ الْمَرْجَعُ وَالْمَآبُ
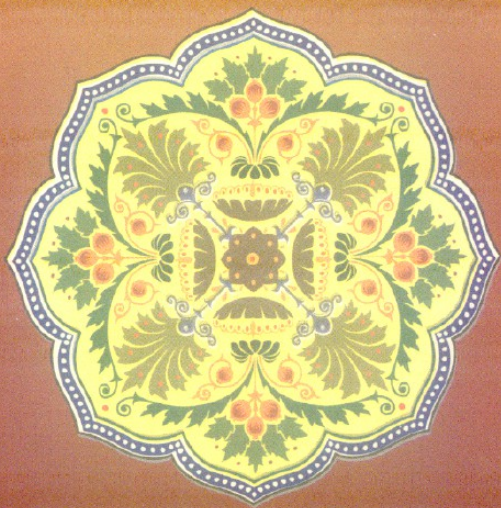
ناشر

جمعیت فیض رضا

جامعہ قادریہ رضویہ مصطفیٰ آباد، سرگودھا روڈ فیصل آباد فون: 092-41-760777